احمدی نوجوانوں کیلئے
ماھنامہ خالد ربوہ
حضرت ملک سیف الرحمٰن نمبر
ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵ء
ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

سرافراز ہوئے رخصت

حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ و پرنسپل جامعہ احمدیہ

واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا

انا فتحنا لک فتحا مبینا

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ

خلیفۃ المسیح الرابع

امام جماعت احمدیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

3.12.1969

پیارے عزیزم نسیم مہدی

امیر جماعت احمدیہ کینیڈا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگرچہ استاذی المکرم حضرت ملک سیف الرحمن صاحب کا وصال کینیڈا میں ہوا مگر یہ کسی ایک ملک کی جماعت کا نقصان نہیں بلکہ جماعت احمدیہ عالمگیر کا نقصان تھا۔ کون کس سے تعزیت کرتا۔ وہی تعزیت کرنے والے اور وہی تعزیت کے مستحق تھے۔ ان کی موت ایک عالِم کی نہیں بلکہ ایک عالَم کی موت تھی۔ یوں تو ہر ذی شعور کی موت ایک عالَم کی موت ہوتی ہے مگر عالَم عالَم میں بہت فرق ہے۔ چیونٹی کا عالَم اور ہے اور سلیمانؑ کا عالَم اور تھا۔ حضرت ملک صاحب مرحوم کا عالَم بھی بہت وسیع تھا۔

میری طرف سے جماعت کینیڈا سے تعزیت کے علاوہ ان کے سب افراد و اقارب سے تعزیت کریں جو کینیڈا میں رہتے ہوں۔

اللہ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی خوبیوں کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے

اللہ مرحوم کی روح کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور راضیۃ مرضیۃ گروہ میں داخل فرمائے

والسلام خاکسار مرزا طاہر احمد

ماہنامہ **خالد** ربوہ
حضرت ملک سیف الرحمن صاحب نمبر
جلد ۴۲، شمارہ ۱۱، ۱۲ - قیمت تین ۳ روپے
ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵ء
ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

اِس شمارے میں

پبلشر: مبارک احمد خالد ٭ پرنٹر: قاضی منیر احمد ٭ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ خالد دار الصدر جنوبی ربوہ ٭ رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۸۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

خلیفۃ المسیح الرابع

امام جماعت احمدیہ

پیارے عزیزم مدیر "خالد" ربوہ

لندن
12.3.95

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ "خالد" کے لئے آپ کی فرمائش پر مکرم ملک سیف الرحمٰن ا. کی سیرت پر مختصر نوٹ لکھا ہے جو منسلک ھذا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک ا. کی شایان شان نمبر نکالنے کی توفیق دے۔ تمام ساتھیوں کو محبت بھرا سلام۔

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر

خلیفۃ المسیح الرابع

O اداریہ

☆ صداقت احمدیت کا ایک روشن نشان۔ نوجوانوں کیلئے مشعل راہ

سیدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔ "ہزار ہا آدمیوں نے میرے ہاتھ پر اپنے طرح طرح کے گناہوں سے توبہ کی ہے اور ہزارہا لوگوں میں بعد بیعت میں نے ایسی تبدیلی پائی ہے کہ جب تک خدا کا ہاتھ کسی کو صاف نہ کرے۔ ہرگز ایسا صاف نہیں ہو سکتا۔ اور میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرے ہزارہا صادق اور وفادار مرید بیعت کے بعد ایسی پاک تبدیلی حاصل کر چکے ہیں۔ کہ ایک ایک فرد ان میں بجائے ایک ایک نشان کے ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۷ ۔ ۲۳۸)

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب بھی ان وجودوں میں سے ایک تھے۔ کہ جنہوں نے حضرت مسیح موعود کے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے اندر ایک انقلابی اور پاک تبدیلی پیدا کی' ایسی پاک تبدیلی کہ حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خود اس کے متعلق فرمایا

"ملک صاحب کی زندگی کے حالات ممکن ہے کہ آپ میں سے بعضوں نے پڑھے ہوں اور بعضوں نے نہ پڑھے ہوں اگر نہیں پڑھے تو پڑھنے چاہئیں بڑے دلچسپ حالات ہیں ان سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح خدا نے ان کو ذہنی ارتقاء نصیب فرمایا اور اب دیکھیں کہ کیسا نیک اور پاک انجام ہے کہ اگر خدا نخواستہ اسی حالت میں اپنی باقی زندگی بسر کرتے تو ایک نہایت غلیظ گند بکنے والے ملاں کے طور پر کرتے۔ جس کی زندگی کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ سارا دن گند بولو اور گالیاں دو کیسا بد انجام ہے اس انجام سے نکال کر اندھیروں سے خدا ان کو روشنی میں لے آیا اور یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مجلس احرار سے آنے کے باوجود اپنی زبان میں بعد میں ایسے پاکیزہ ہوئے کہ کبھی ساری زندگی کسی سے سخت کلامی نہیں کی۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ نومبر ۱۹۸۹ بحوالہ الفضل ربوہ ۱۹ نومبر ۱۹۸۹)

اس اعتبار سے مفتی سلسلہ احمدیہ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب' احمدیت اور مسیح موعود کی صداقت کا ایک روشن نشان تھے ...... اور بعد کی ساری زندگی خلافت اور احمدیت کے ساتھ جس محبت اور وفا کے ساتھ گزاری ہے اس حوالے سے آپ کی زندگی ہمارے لئے ایک مشعل راہ ہے۔ "ادارہ خالد" حضرت ملک صاحب کی سوانح اور سیرت کے واقعات اور اس لئے بھی دے رہا ہے کہ یہ بانی سلسلہ احمدیہ کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔ اس لئے بھی کہ حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ملک صاحب کی زندگی کے حالات دلچسپ ہیں اور انہیں پڑھنا چاہئے۔

اور ادارہ خالد یہ خصوصی نمبر اس لئے بھی نکال رہا ہے کہ حضرت ملک صاحب کی زندگی تحصیل علم اور اپنے مقصد سے لگن اور احمدیت پر صبر و استقلال اور وقف کے عہد پر ثابت قدمی اور خلافت کے ساتھ حد درجہ کا عشق ان سارے رنگوں کا ایک خوبصورت گلدستہ تھی۔ ہمارے نوجوانوں کو حضرت ملک صاحب اور آپ جیسے دوسرے بزرگوں کی سیرت و سوانح سے ایسے رنگ اپنی زندگیوں میں بھرنے چاہئیں اور انکی سیرت کو مشعل راہ بنانا چاہئے۔

خدا کرے ہم ان بزرگ لوگوں کی نیک یادوں کو زندہ کرنے والے بنیں ان کے اوصاف حمیدہ اپنانے والے ہوں اور خدا کرے کہ ایسے لوگ جب اس دنیا سے جایا کریں تو ان کی جگہ لینے والے سینکڑوں اور ہزاروں نوجوان پیدا ہوں تا احمدیت کا یہ قافلہ اپنی تیز تر رفتار اور شان و شوکت کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔ آمین

درخواستِ دُعا

محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے ساتھ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب ایسی بزرگ ہستی کی سیرت و سوانح پر مشتمل ماہنامہ 'خالد' کا خصوصی نمبر شائع کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

اِس نمبر کی تیاری، طباعت اور اشاعت میں گو بہت سے احباب کرام کی دعائیں اور تعاون حاصل رہا یہ سب احباب قارئین کرام کی دعاؤں کے مستحق ہیں تاہم برادرم مکرم سیّد مبشر احمد صاحب ایاز مدیر 'خالد' و مہتمم امور طلباء نے شروع سے آخر تک اِس نمبر کی تیاری کے لئے جو بے لوث اور غیر معمولی محنت کی ہے وہ یقیناً قابلِ ستائش ہے، ان کے لئے احباب سے دعا کی خصوصی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اِس کارِ خیر پر اجرِ عظیم سے نوازے اور غیر معمولی دینی و دنیوی ترقیات ان کا مقدر رہوں۔

حضرت ملک صاحب کی وفات کے موقع پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے نوجوان نسلوں کو ایک ارشاد فرمایا تھا جس میں ہمارے لئے مستقل پیغام بھی ہے۔ فرمایا:-

"چونکہ (حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب) ایسے متبحر علماء دُنیا میں کم کم پیدا ہوتے ہیں اِس لئے اِن کے خلاء کو بھرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ عرصے تک جماعت کو یہ خلاء ضرور محسوس ہوگا اِس لئے اِس عرصے میں ہماری نوجوان نسلوں کو اپنی علمی کمزوریاں دُور کرنی چاہئیں، اپنے اندرونی خلاء بھرنے چاہئیں تاکہ جماعت کا یہ خلاء اُن کے وجود سے بھر سکے۔"

لہٰذا تمام نوجوانوں کے لئے بھی دعا کی درخواست ہے جنہیں حضور انور نے اِس علمی خلاء

کو پورا کرنے کا ارشاد فرمایا ہے جو خلاء حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کی وفات سے جماعت میں پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے بکثرت ایسے نوجوان جماعت کو عطا فرمائے جو حضرت اقدس مسیح پاک علیہ السلام کے ذریعہ ملنے والی اس الٰہی بشارت کے مورد بن جائیں جس میں یہ ذکر ہے کہ

"میرے فرقہ کے لوگ اِس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنے سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اِس چشمہ سے پانی پئے گی"۔

قارئینِ کرام کی دعاؤں کے ساتھ ہمیں اُن کی طرف سے اِس نمبر کے بارہ میں اُن کی آراء و تجاویز کا بھی انتظار رہے گا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

والسّلام

خاکسار

راجہ منیر احمد خان

صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

یہ رُتبۂ بلند ملا جسکو مل گیا

حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کی سیرت اور آپ کی علمی فضیلت

پر

حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ایک زرّیں تحریر جو آپ نے ازراہِ شفقت بطورِ خاص ماہنامہ "خالد" کے لئے عنایت فرمائی

حضرت استاذی المحترم ملک سیف الرحمٰن صاحب کے ساتھ تو میرا بہت پُرانا، جامعہ احمدیہ میں آنے سے بھی بہت پہلے کا قدیمی تعلق ہے۔ جب مَیں گورنمنٹ کالج میں پڑھا کرتا تھا تو ہمارے ایک مشترکہ دوست مرزا منظور احمد صاحب جو کہ اب کینیڈا میں مقیم ہیں ان کے ملک صاحب مرحوم سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ ان کے تعلق کے حوالے سے ہی میرے ملک صاحب کے ساتھ تعلقات قائم ہوئے۔ بعد میں پھر ملک صاحب کے شاگرد کے طور پر ان سے پڑھنے کی توفیق بھی ملی تو مَیں نے ہمیشہ یہی محسوس کیا کہ آپ بہت نرم خُو تھے۔ اگر کبھی ناراض بھی ہوتے تو معمولی خفگی کے اظہار پر ہی اکتفا کرتے تھے سخت کلامی تو کبھی آپ کے قریب سے بھی نہیں پھٹکتی تھی اس کے باوجود غیر معمولی وقار تھا جس سے طلباء کے دلوں میں ان کی بے حد عزّت تھی۔ بعض ایسے طلباء بھی تھے جو کبھی کبھار بعض اساتذہ کے خلاف آواز بلند کر لیا کرتے تھے مگر ملک صاحب کے سامنے ان کی زبان سے بھی کبھی کوئی خلافِ آدب کلمہ نہیں نکلا۔ ان کی علمی فضیلت کا طلباء پر بہت رُعب تھا۔

دینی علوم میں علومِ نقلیہ کے علاوہ

آپ کو عقل کی ایسی روشنی عطا ہوئی تھی جو علوم پر

آپ کو عقل کی ایسی روشنی عطا ہوئی تھی جو علوم پر حکمت کے پہرے بٹھائے رکھتی تھی

اِس لئے محض ظاہری علوم سے غلط نتیجے نہیں نکالتے تھے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ سے تعلق کے نتیجہ میں تقویٰ کا ایک نور بھی تھا جو نورٌ علیٰ نور کا منظر پیش کرتا تھا۔

جامعہ احمدیہ سے پہلے آپ کے ساتھ جو تعلق قائم ہوا جامعہ کے دوران اس میں اگرچہ بدستور اضافہ ہوتا رہا لیکن اس کے باوجود ایک بے تکلفی کا رنگ بھی تھا جو مجھ سے ہی نہیں آپ کو ہر دوسرے طالب علم کے ساتھ بھی تھی۔ بے تکلفی کے ساتھ دوستانہ رنگ میں مشورے بھی کر لیا کرتے تھے۔ مَیں نے اس زمانہ میں آپ سے گرائمر پڑھی اب اگر کچھ بھولا ہوں چالیس سال سے زائد کا عرصہ جو گذرا ہے یہ اس کی وجہ سے بھول چوک ہو جاتی ہے مگر ملک صاحب سے پڑھنے کے بعد مجھے شاذ ہی کتاب دیکھنے کی ضرورت پڑتی تھی وہ بھی صرف صَرف کے دائرے میں جہاں بعض دفعہ ابواب وغیرہ کو ذہن نشین کرنے کے لئے دوبارہ پڑھنا پڑتا تھا ورنہ نحو تو ملک صاحب ایسی پڑھاتے تھے کہ ساتھ ساتھ ذہن نشین ہو کر یادوں پر نقش ہوتی چلی جاتی تھی اور صَرف کا بھی بہت سا حصّہ ایسا تھا کہ سُنتے ہوئے ساتھ ساتھ ذہن نشین ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ یادوں پر نقش ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اللہ کے فضل کے ساتھ آخری امتحان میں مجھے گرائمر میں ۹۰٪ سے اوپر نمبر ملے تھے، ہو سکتا ہے کہ ۹۵، ۹۶ کے قریب ہوں مگر اب مجھے پورا یاد نہیں ہے۔

ایسے ہی میرے ایک محترم استاد حکیم محمد اسمٰعیل صاحب بھی تھے مگر ان کا اور ملک صاحب کا فرق یہ تھا کہ باوجود یہ کہ وہ اپنے فن کے چوٹی کے ماہر تھے مگر سادگی کی وجہ سے طلباء ان سے چھیڑ چھاڑ بھی رکھتے تھے اور انہیں ان کی پسند کی بعض باتوں میں لگا کر اپنی طرف سے تو چالاکی کرتے تھے مگر وقت اِس طرح عملاً ان کے دلچسپ قصّے سُننے میں ختم ہو جاتا تھا۔ غالباً حکیم صاحب کا یہ سلوک اِس وجہ سے تھا کہ ان کا مضمون منطق تھا جس سے طلباء عموماً تنگی محسوس کرتے تھے حالانکہ آپ کا پڑھانے کا طریق ایسا تھا کہ آپ سے منطق پڑھنے کے بعد مَیں نے کبھی منطق کی کتاب کھول کر بھی نہیں دیکھی بلکہ اپنے بعض بڑے بھائیوں کو جن کے لئے یہ مضمون مشکل تھا امتحان کے قریب پڑھاتا بھی رہا ہوں ــــ اِن دونوں امور میں کامیابی کا جو سہرا ہے وہ دراصل

میرے اساتذہ کے سر تھا اور اس میں مجھے کوئی بھی شک نہیں ہے لیکن بعض لوگ چونکہ منطق کے نام سے ہی خوفزدہ تھے اور یہی حال گرائمر کا تھا اِس لئے وہ اس طرف توجّہ ہی نہیں دیتے تھے۔

محترم ملک صاحب کے ساتھ کبھی ایسا واقعہ نہیں ہوُا کہ ان کو کسی طالب علم نے اپنی طرف سے چالاکی کرتے ہوئے باتوں میں لگایا ہو اور کسی معنی میں بھی ان کے ساتھ ان کے مقام سے ہٹ کر کوئی سلوک کیا ہو۔ تعلیم کے بعد مختلف دینی اور دنیاوی مسائل پر بھی ملک صاحب کے ساتھ مجالس لگا کرتی تھیں۔ آپ چونکہ مجلسِ وقفِ جدید کے ممبر رہے ہیں اِس لئے وقفِ جدید میں باقاعدگی سے ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں۔

بہت صائب الرّائے انسان تھے

جب بھی ان سے مشورہ طلب کیا نہایت ہی جچی تُلی رائے کے ساتھ مشورہ دیا ——

مہمان نواز بہت تھے۔ بسا اوقات اصرار سے دعوت پر بُلایا کرتے تھے۔ طبیعت میں تکلّف نہیں تھا۔ سادگی کے ساتھ مگر کچھ اہتمام کے ساتھ جو کچھ ہوتا حاضر فرما دیتے تھے۔

وقفِ جدید کے زمانہ ہی میں میری تحریک پر انہوں نے حدیقۃ الصالحین کی تصنیف کا بیڑا اُٹھایا اور باوجود اس کے کہ علم و فضل میں مجھ سے بالا مقام رکھتے تھے، میرے استاد بھی تھے اور دینی و عقلی علوم میں گہرا اور ٹھوس مطالعہ تھا مگر پھر بھی اِس تصنیف کے دَوران مسلسل بڑی انکساری کے ساتھ مجھ سے مشورے طلب کرتے رہے اور کبھی بھی مشورے کو رَدّ نہ کیا بلکہ اب بعد میں جب ان کے کینیڈا قیام کے دَوران مَیں نے ان سے درخواست کی کہ اس پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے کیونکہ ترجمہ میں آپ نے آزاد روش اختیار کر کے بہت سی تفسیر شامل کر دی ہے اِس لئے خطرہ ہے کہ کوئی معاند یہ اعتراض نہ کرے کہ مَن مانے معانی شامل کر دیئے ہیں تو اس پر آپ نے میرے مشورہ کو قبول فرمایا اور نظرِ ثانی کر کے حتی المقدور ایسا ترجمہ کیا جو متن کے قریب ترین ہے اور ترجمہ ہوتے ہوئے بھی واضح ہے۔

علم و فضل کا یہ عالَم تھا

کہ جب بھی کسی مسئلے پر ان سے کچھ پوچھا ہے خواہ کسی دَور کے اسلامی علماء سے تعلق رکھنے

والا سوال ہو جواب سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کی کتب ملک صاحب کے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ ان کے وصال سے ایک دو سال قبل میں نے اپنے ایک خط میں ان سے یہ گذارش کی کہ مجھے ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ مختلف مسالکِ فکر جو فقہی مکاتیبِ فکر کے علاوہ فلسفے یا منطق یا دوسرے نظریات سے متعلق ہوں ان کے بارہ میں کوئی ٹھوس مقالہ میسّر آجائے تو چند دن کے مطالعہ سے اسلامی فکر و نظر کی تاریخ کھل کر سامنے آجائے اور کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ اس پر ملک صاحب نے مجھے لکھا کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں مجھے یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے بعض کتب کا ازسرِ نو مطالعہ کرنا ہوگا اس لئے وقت چاہیئے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد آپ نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے مختلف مکاتیبِ فکر اور فرقوں کے درمیان موازنہ پر مشتمل بہت ہی عمدہ تحقیقی مقالہ بھجوایا جس میں آپ نے ان کا بھی عمومی تعارف کرایا اور ان کے بڑے بڑے علماء کی زندگی کا مختصر تعارف بھی، اور وہ بنیادی عقائد جو وہ لوگ رکھتے تھے اور ان کے مضبوط دلائل کیا تھے جن پر ان کے مؤقف کی بنیاد ہوتی تھی اور ان کے مقابل پر کیا کیا مؤقف اختیار کئے گئے اور ان کے حق میں کیا کیا دلائل تھے۔ یہ ایک بہت ہی سیر حاصل اور پُر مغز مقالہ تھا جو میرے بہت ہی کام آیا۔

آپ کوئی جوشیلے مقرر نہیں تھے مگر

زبان آپ کی ایسی سلیس تھی کہ ہم حیرت سے منہ تکتے رہ جاتے تھے

کبھی کسی مسئلہ پر زبان آپ کے خیالات کا احاطہ کرنے سے قاصر نہیں رہی اور لفظوں کا انتخاب ہمیشہ نہایت عمدہ ہوا کرتا تھا۔ اس چیز نے صرف مجھے ہی غیر معمولی طور پر متأثر نہیں کیا بلکہ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میرے بہنوئی اور عزیز دوست میر داؤد احمد صاحب مرحوم نے مجھ سے بات کی کہ ملک صاحب کے اَور فضائل اپنی جگہ مگر میں حیران ہوں کہ ملک صاحب کو صحیح لفظ بر وقت یاد کس طرح آتے ہیں اور کسی موضوع پر جو لفظ جس جگہ بٹھاتے ہیں وہیں موزوں ترین دکھائی دیتا ہے۔ تحریر میں بھی سادگی اور بے تکلف اظہار ایسا تھا کہ لفظوں کی تلاش میں توقف کی خاطر کہیں ٹھہرے بغیر روانی کے ساتھ آپ کا قلم چلتا تھا۔

سوانح فضلِ عمر جلد اوّل اور دوم کی تصنیف کے دوران بھی وقتاً فوقتاً ملک صاحب

مفید مشورے دیتے رہے۔ آپ کے ساتھ گذاری ہوئی مجلسوں سے ایسی یادیں وابستہ ہیں جو اَنمٹ بھی ہیں اور قابلِ احترام بھی۔ ان میں گداز بھی پایا جاتا ہے کیونکہ آپ بعض دفعہ اپنی زندگی کے غمناک لمحوں کے متعلق بھی مجھ سے بے تکلف گفتگو فرما لیا کرتے تھے۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت فرمائے۔ وفات سے پہلے ہی مجھ سے منظوری لے لی تھی کہ میرے کتبہ پر یہ آیتِ کریمہ درج ہو تو احسان ہوگا:۔

یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ ۝

(یٰسٓ: ۲۷، ۲۸)

اللہ انہیں غریقِ رحمت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں اپنے قُرب کی جنّت عطا فرمائے اور آپ کے عزیزان کو، اولاد در اولاد کو ہمیشہ ان نیک روایات کو زندہ اور قائم رکھنے بلکہ آگے بڑھانے کی توفیق بخشے جن کے روشن نمونے آپ چھوڑ گئے ہیں۔
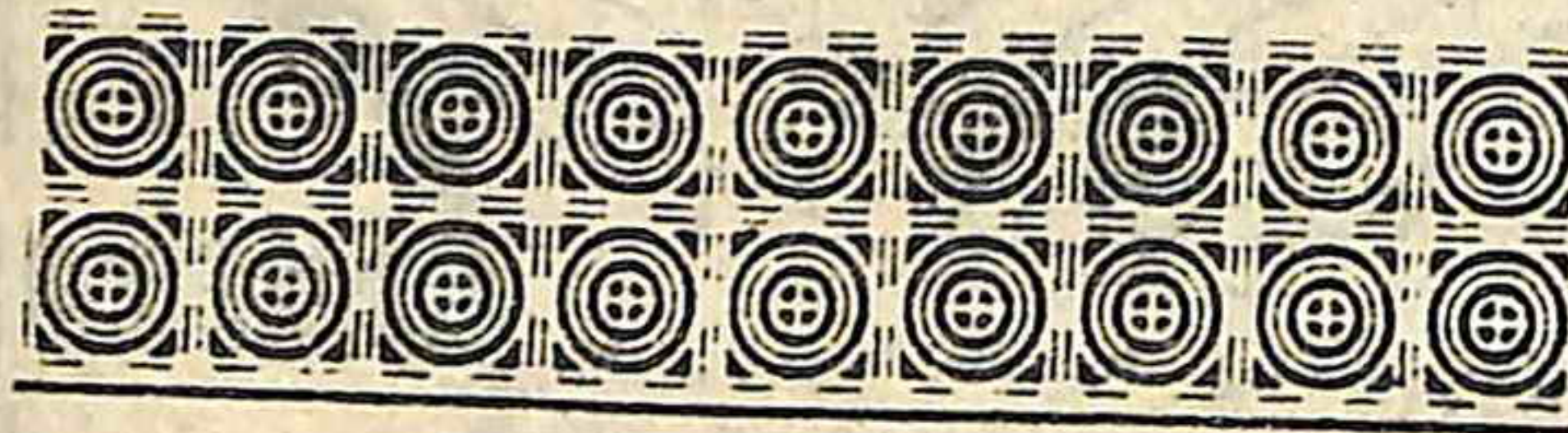
حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے حضرت ملک صاحب کی وفات پر فرمایا:۔

"علم میں بھی ان کا کوئی بدل نہیں اور انکسار میں بھی کوئی بدل نہیں"

حضرت مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ نے فرمایا:۔

"ملک صاحب نہایت بے نفس انسان تھے"

☆ حضرت ملک صاحب کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆ ۱۱ نومبر ۱۹۱۴ء کھوتکہ ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے۔

☆ ۱۹۳۴ء مجلس احرار کی ذیلی تنظیم "انجمن سیف الاسلام" کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

☆ ۱۹۳۴ء "احرار کانفرنس" کے موقعہ پر قادیان آمد' حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر دعا۔

☆ ۱۹۳۵ء کے جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت اور یکم جنوری ۱۹۳۶ء احمدیت قبول کرنے کی سعادت

☆ ۱۸ نومبر ۱۹۳۸ء اپنی زندگی وقف کرتے ہوئے خلیفہ المسیح کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

☆ مارچ ۱۹۳۹ء وقف کی منظوری

☆ ۴۳ - ۱۹۴۱ء (دو سال بطور مہتمم خدمت خلق' خدام الاحمدیہ میں خدمات سر انجام دیتے رہے' مدرسہ احمدیہ میں تدریس کے فرائض سر انجام دیتے رہے اور ساتھ ساتھ علم فقہ اور دیگر علوم کے حصول کی خاطر دہلی اور سہارنپور اور لاہور کا سفر اور ۱۹۴۷ء تکمیل حصول علم کے بعد قادیان واپسی۔

☆ جون ۱۹۴۷ء مفتی سلسلہ حضرت سید سرور شاہ صاحب کی وفات کے بعد آپ کا تقرر بحیثیت مفتی سلسلہ احمدیہ۔

☆ یکم ستمبر ۱۹۴۷ء نامزدگی بطور ممبر صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔

☆ ستمبر ۱۹۴۷ء ناظر ضیافت اور نومبر ۱۹۴۷ء تا جون ۱۹۴۸ جائنٹ ناظر ضیافت۔

☆ یکم مئی ۱۹۵۰ء پرنسپل جامعہ المبشرین۔

☆ جنوری ۱۹۵۸ء ادارہ المصنفین میں تقرر برائے تبویب مسند احمد بن حنبل۔

☆ اکتوبر ۱۹۵۸ء تقرر پروفیسر جامعہ احمدیہ

☆ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۱ء صدر مجلس افتاء اور ۱۹۶۱ء (تا وفات) سیکرٹری مجلس افتاء

☆ ۶۸ - ۱۹۶۷ء فضل عمر فاؤنڈیشن میں تقرر برائے تیاری سوانح فضل عمر۔

☆ - ۱۹۷۳ء تقرر بطور قائمقام پرنسپل بعد ازاں مستقل پرنسپل جامعہ احمدیہ۔

☆ ۲ جون ۱۹۸۴ء خرابی صحت کی بناء پر رخصت لے کر کینیڈا تشریف لے گئے۔

☆ ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء کینیڈا کے وقت کے مطابق دو بجے صبح ایڈمنٹن کے ایک ہسپتال میں ۷۵ برس کی عمر میں وفات

☆ یکم نومبر ۱۹۸۹ء میت ربوہ لائی گئی۔ حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت خلیفہ المسیح الرابع کی اجازت سے بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں تدفین۔

قطرے سے گہر ہونے تک

حضرت ملک صاحب کی ابتدائی زندگی کے حالات تحصیل علم اور قبول احمدیت

(مکرم نصیر احمد صاحب انجم۔ مدیر اعلیٰ تشحیذ الاذہان)

ضلع خوشاب میں دلفریب اور سحر انگیز وادی "وادی سون سکیسر" ہے۔ جسے خطہ روم سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہاں چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ ہے انواع و اقسام کے پھولدار اور پھلدار پودے اور درخت دکھائی دیتے ہیں ان ہرے بھرے پہاڑوں میں رہنے والے لوگوں کے حوالے بھی پہاڑوں سے ہیں پوری وادی میں ایک ہی نسل "اعوان" کے لوگ آباد ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

اس حسین و جمیل اور سرسبز وادی کا ایک گاؤں "کھوتکہ" ہے جسے اب احمد آباد کہا جاتا ہے جو حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کی جنم بھومی ہے۔ جہاں آپ ۱۱ نومبر ۱۹۱۴ کو پیدا ہوئے۔ (تاریخ پیدائش کا یہ سن الفضل مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۹ میں درج ہے جبکہ دفتر وصیت کے ریکارڈ کے مطابق آپ کا سن پیدائش ۱۹۱۲ ہے۔ (مدیر)

☆ پیدائش اور ابتدائی حالات

☆ حصول علم

آپ کے والد محترم کا نام مکرم دوست محمد صاحب اور دادا کا نام مولوی امام الدین صاحب کھوتکوی تھا جو پنڈدادنخان میں واقع للہ شریف کے پیر حافظ غلام نبی صاحب کے خلیفہ تھے۔ مولوی امام الدین صاحب نے اپنے پیر اور سلسلہ نقشبندیہ کے بارے میں ایک فارسی کتاب مقامات طیبین بھی تصنیف کی تھی آپ ایک عالم اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ علم سے محبت تو ملک صاحب کو ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کے دادا مولوی امام دین صاحب اپنے علم و فضل اور بزرگی کی وجہ سے علاقہ بھر میں معروف تھے۔ علم فقہ پر گہری نظر تھی اور اپنے طریقہ (نقشبندیہ مجددیہ) کی تمام کتب پر دسترس رکھتے تھے اور کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ حضرت ملک صاحب نے بھی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے

قریب ایک استاد سے حاصل کی اس کے بعد ملک صاحب موصوف کاوہ اور تمن ضلع کیمل پور میں صرف و نحو اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے آپ کے استاد فاضل دیو بند تھے۔ بعد ازاں آپ مزید اپنی تعلیم کی پیاس بجھانے کے لئے جامعہ عباسیہ بہاول پور آگئے۔ آپ دارالعلوم رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں بھی تعلیم پاتے رہے۔

گویا احمدیت قبول کرنے سے قبل آپ پختہ عالم بن چکے تھے اور ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق ابھی آپ بہاول پور میں زیر تعلیم تھے اور مشہور "مقدمہ بہاول پور" کی تیاری میں اپنے اساتذہ اور علماء کی مدد کرتے تھے اس تیاری کے دوران کا ایک دلچسپ واقعہ بھی قارئین خالد کے لئے حضرت ملک صاحب کے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں :۔

"بہاول پور کی کونسل میں وزرا کے سامنے جامعہ عباسیہ کے شیخ الجامعہ نے یہ ثابت کرنے کے لئے پیش ہونا تھا کہ مرزائی کافر ہیں۔ یہ بہاولپور کے مشہور مقدمہ کی ابتداء ہو رہی تھی بیان کی تیاری میں اساتذہ کے علاوہ بعض طلباء بھی مدد دے رہے تھے اور حضرت مسیح موعود... کی مختلف کتابوں سے اعتراض جمع کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ انہیں طلباء میں مولوی رحمت اللہ صاحب نامی ایک طالب علم تھے جو اچھا ادبی مذاق رکھتے تھے اس وقت ان کے سامنے خطبہ الہامیہ یا اعجاز المسیح اس وقت نام یاد نہیں بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتابوں میں سے کوئی کتاب تھی جسے وہ پڑھ رہے تھے اچانک انہوں نے ایک ادبی چٹخارا لیا اور بے اختیار ان کے منہ سے نکلا یار! مرزا صاحب کی عربی عبارت کے بعض حصے تو ایسے غضب کے شاندار ہوتے ہیں کہ انسان پھڑک جاتا ہے جسطرح سے اس طالب علم کے منہ سے یہ فقرہ بے اختیار نکل گیا تھا اسی طرح ایک پاس بیٹھے ہوئے دوست کے منہ سے بھی بے اختیار ہو کر یہ فقرہ نکلا۔ ہت تیرے کی! کیا مرزا کی باتیں تجھ پر بھی اثر کر رہی ہیں؟ لیکن میرے دل میں یہ سوال پھر چکر لگانے لگا۔ کیا اس مقدس فضاء میں کسی کی اچھی بات کا داد دینا بھی گناہ ہے۔"

☆ مزید تحصیل علم

۱۹۳۸ کے اوائل میں حضرت مصلح موعود نے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ مروجہ علوم دینیہ مثلاً فقہ ' حدیث اور منطق وغیرہ میں وسعت نظر پیدا کرنے کے لئے دیگر علماء سے بھی استفادہ ضروری ہے۔ چنانچہ حضور کی ہدایت پر چند منتخب واقفین اس غرض کے لئے دہلی اور دوسرے شہروں میں بھجوائے گئے۔ حضور کی ہدایت یہ بھی تھی کہ کسی ایسے عالم سے فقہ اور حدیث کے علوم متداولہ پڑھے جائیں جو شیخ الہند مولوی محمد الحسن صاحب کا شاگرد ہو اسی گروہ میں محترم ملک صاحب بھی شامل تھے۔ چنانچہ آپ دیو بند سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے اور مدرسہ فتح پوری کے مولوی محمد

ابراہیم صاحب بلیاوی سے اکتساب علم کیا۔ یہاں کچھ عرصہ آپ بخاری شریف اور فقہ اور اصول فقہ کی مشہور کتب "ہدایہ" اور "مسلم الثبوت پڑھتے رہے۔ چند ماہ بعد بعض مخالفین احمدیت نے مولانا صاحب کو یہ بتاکر کہ یہ احمدی ہیں دق کرنا شروع کر دیا۔ تاہم آپ ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قریباً سال بھر آپ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے رہے۔

☆ احمدیت کی مخالفت میں پیش پیش

جس انداز سے ملک صاحب کی تربیت ہوئی تھی اور جس ماحول میں آپ رچے بسے ہوئے تھے وہ خالص مولویانہ ماحول تھا چنانچہ ملک صاحب کا یہ دور جب آپ لاہور میں قیام پذیر تھے احمدیت کی مخالفت اور مخاصمت سے بھرپور تھا۔ یہاں مجلس احرار نے ایک مجلس "سیف الاسلام" بنا رکھی تھی۔ جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ نیلا گنبد کے علاقے میں اگر احمدی کوئی جلسہ کریں تو اسے درہم برہم کرتے ہوئے اپنی خدمت دینی کا ثبوت دیا جائے۔ پمفلٹ شائع کرکے احمدیت کی مخالفت کی جائے اور نیز یہ کہ علاقہ بھر سے چندہ جمع کرکے مجلس احرار کی مالی اعانت بھی کی جائے۔ ملک صاحب اس مجلس کے جنرل سیکرٹری تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ نیلا گنبد کے چوک میں احمدی جلسہ کر رہے تھے تو انجمن کے کارکن ایک نقارہ لے کر وہاں پہنچ گئے۔ اور جلسہ کی طرف منہ کرکے بجانا شروع کر دیا لوگ شور سن کر ادھر متوجہ ہوئے تو یہی "خادمان اسلام" جلسہ میں گھس گئے اور ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا چنانچہ جلسہ گڑبڑ کی نظر ہوگیا۔ اور اس طرح ان کارکنان نے اپنی "اسلام دوستی" کا ٹھوس ثبوت فراہم کر دیا۔

فرقہ بندی کا اژدھا ہمیشہ ہی زہر پھیلاتا رہا ہے۔ تاریخ اسلام کا یہ باب نہایت المناک اور احساس دل پر تازیانے لگاتا ہے کہ معمولی اختلافات کو انانیت اور جاہ طلبی کا مسئلہ بنا کر سینکڑوں معصوم جانوں سے کھیلا گیا اور معاشرے کے امن کو ملیامٹ کر دیا گیا۔

۱۹۳۳ میں مسجد وزیر خان میں بریلوی اور دیوبندی مسالک کے مابین مناظرہ طے پایا جس کی خوب تشہیر ہوئی اور یہ مناظرہ خمیری اور فیطری روٹی کے نام سے مشہور ہوا (یہ اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ فتح کرنے آیا تو وہاں کے عیسائی فرقے اس بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ عشائے ربانی میں مسیح نے جو روٹی کھائی تھی وہ خمیری یا فیطری) ملک صاحب مرحوم اس وقت مسجد میں موجود تھے اور جب مناظرہ حسب معمول ہنگامے کی نذر ہوا تو خانہ خدا میں مارکٹائی شروع ہوگئی اور جب ایک بریلوی پہلوان نے ایک بریلوی ہی کو پیٹ ڈالا تو اس نے

امام مسجد سے شکایت کی۔ ملک صاحب کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ ہوا تھا۔ آپ نے اسکی تائید کی۔ اس پر اسی پہلوان نے موقع پاکر ملک صاحب کو دبوچ لیا اور تھپڑ اور مکے رسید کرتے ہوئے کہا " نکالو اس دیو بندی بے ایمان کو ہماری مسجد سے" ملک صاحب جان بچاکر مسجد سے باہر نکل آئے اور لبوں پر یہ آیت تھی۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو لوگوں کو مسجد سے روکتا ہے۔

یہ واقعہ گزر گیا اسکے کچھ عرصہ بعد انجمن سیف الاسلام کو خبر ملی کہ لاہور میں اس یونیورسٹی کے دفاتر میں جو مسجد ہے وہاں احمدی باقاعدگی سے جمعہ پڑھتے ہیں۔ اس انجمن کو "یہ خدمت" سونپی گئی کہ احمدیوں کو وہاں سے بے دخل کرکے اس مسجد پر قبضہ کیا جائے چنانچہ ملک صاحب اپنے چند جیالوں کے ساتھ ڈنڈوں سے مسلح ہو کر جمعہ سے قبل وہاں پہنچ گئے اور ملک صاحب نے خطبہ جمعہ شروع کر دیا اور اپنے خطاب سے لوگوں کے لہو کو گرمانے لگے۔ جب احمدی احباب معمول کے مطابق آئے تو یہاں نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ بہر حال احمدی انتظار کرنے لگے کہ انکے بعد ہم نماز جمعہ ادا کرلیں مگر ان جیالے رضاکاروں نے گرج کر کہا "نکالو ان بے ایمان مرزائیوں کو" احمدی حالات کی نزاکت بھانپ گئے اور باہر باغ میں نماز جمعہ ادا کر کے واپس ہوئے۔

اس واقعہ نے ملک صاحب کی طبع سلیم پر کیا اثرات مرتب کئے آپ کے اپنے الفاظ میں سنیئے

"چند احمدی مسجد میں داخل ہوئے انہیں سب اجنبی صورتیں دکھائی دیں کچھ حیران ہوئے لیکن جلد ہی سمجھ گئے کہ ماجرا کیا ہے؟ ایک نے کہا اچھا ہم بعد میں جمعہ پڑھ لیں گے میرے ساتھی جنہیں میں اپنے ساتھ مرمت کی ہی غرض سے لایا تھا ان کی نسیں پھولنے لگیں ان کے نتھنوں کا اتار چڑھاؤ صاف یہ ظاہر کر رہا تھا کہ غصہ میں وہ آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔ ایک رضا کار نے گرج کر کہا بے ایمان کافرو نکل جاؤ ہماری مسجد سے۔ رضا کار کے الفاظ میرے کان میں گونجے، "پہلوان کی آواز دھکے دے کر نکالو اس بے ایمان دیو بندی کو" مسجد وزیر خان کا سارا واقعہ میری آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ میرے حواس معطل ہو چکے تھے۔ زبان گنگ تھی کیا آج خود میں بھی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ کا مصداق تو نہیں بن رہا یہ خیال ایک حقیقت بن کر میرے سامنے آکھڑا ہوا آگے چلنا دشوار تھا۔ اس لئے بیٹھ گیا بڑی مشکل سے دوسرا خطبہ ختم کیا اور نماز شروع ہوگئی میرے ساتھی اور دوسرے نمازی حیران تھے کہ ملک صاحب کو اچانک کیا ہوگیا۔"

۱۹۳۴ کے آخر میں جب احرار نے قادیان میں کانفرنس کی اور بلند بانگ مگر کھوکھلے دعووں سے قادیان کی تباہی کی پیشگوئیاں کیں ان دعووں کی قلعی کھولنا اس وقت مقصود نہیں اور اسکی چنداں ضرورت بھی نہیں کیونکہ اس کے بعد ۶۰ سالہ تاریخ نے احرار کے منہ پر اتنے طمانچے مارے ہیں جتنی تھپکیاں خدا نے جماعت پر انعامات و اکرام کرکے اپنی فعلی شہادت سے دیں ہیں۔ بہر حال ملک صاحب اس کانفرنس میں شریک ہوئے اور دراصل آپ اس کانفرنس کا ہی ایک

شیریں پھل تھے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں آپ کو قادیان کا اندرونی پاکیزہ ماحول دیکھنے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر دعا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

☆ احمدیت کی آواز آپ کے کانوں میں

احمدیت ایک سچائی ہے۔ احمدیت ایک خوشبو ہے اور اس دل کو ضرور معطر کرکے فرحت انگیز بنا دیتی ہے جسکے حواس سلامت ہوں جس میں احساس جاگتا ہو۔ ذیل میں چند مثالیں قارئین خالد کے ملاحظہ کے لئے پیش ہیں کہ کس طرح احمدیت نے ملک صاحب کے صاف دل میں نفوذ کیا اور کیسے اس زرخیز زمین پر اپنی جڑیں پیوست کیں لیکن ان مثالوں کو پڑھ کر میرا ذہن اس طرف بھی منتقل ہوا کہ ۴۰ کے عشرے میں جماعت کے جوانوں اور بالخصوص پڑھے لکھے جوانوں میں جذبہ دعوت الی اللہ کسطرح جوش زن تھا۔ وہ ایک جنون سر پر سوار رکھتے تھے جسکا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے۔ حضرت ملک صاحب الفضل ۱۸ جولائی ۱۹۸۹ میں رقمطراز ہیں۔

"۱۹۴۴ کا واقعہ ہے کہ ایک دن انجمن "سیف الاسلام" نیلا گنبد کے دفتر میں پیغام آیا کہ پرانی انار کلی میں ایک درزی کام کرتے ہیں۔ مرزائی آکر اسے گفتگو کے بہانے تنگ کرتے رہتے ہیں اس کی روک تھام کی جائے۔ چنانچہ انجمن کے صدر اور خاکسار وہاں گئے۔ دیکھا کہ ملک صلاح الدین صاحب وہاں بیٹھے مصروف گفتگو ہیں (ملک صاحب کا نام بعد میں معلوم ہوا) ان سے کہا گیا کہ یہ ناواقف ہیں اگر گفتگو کرنی ہے تو ہم سے کیجئے ملک صاحب نے جواب دیا کہ مغرب کا وقت قریب ہے مجھے جلد جانا ہے۔ اس وقت گفتگو نہیں کر سکتے۔ بعد میں وہ رابطہ کریں گے۔ چنانچہ دوسرے دن ان کا نمائندہ آیا کہ گفتگو کے لئے وقت اور جگہ کا تعین کیا جائے۔ طے پایا کہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں کسی جگہ بیٹھ کر گفتگو ہوگی۔ وقت بعد نماز عصر ہوگا۔ بارہ بارہ آدمی فریقین کے شریک ہوں گے۔ چنانچہ وقت پر فریقین پہنچ گئے پہلے ملک صلاح الدین صاحب بولے اور بعد میں ملک عبدالرحمان صاحب خادم نے ان کی جگہ لے لی۔

انجمن "سیف الاسلام" کی طرف سے انجمن کے صدر مولوی عبدالحق صاحب نے گفتگو کی۔ گفتگو تو تو اور میں میں کی نذر ہوگئی جیسا کہ عام طور پر مناظرانہ گفتگو میں ہوا کرتا ہے لیکن بعد میں احمدیوں نے ہم بارہ "مسلمانوں" کو گھیر لیا احمدی کافی تعداد میں آگئے تھے۔ کیونکہ احمدیہ ہوسٹل قریب ہی الفیض مزنگ روڈ میں تھا۔ اس میں رہنے والے احمدی طالب علم بکثرت آگئے تھے ان میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (بعد میں قدرت ثانیہ کے مظہر ثالث) بھی تھے ہم میں سے ایک ایک کے گرد تین تین چار چار احمدی جمع تھے اور ہمارا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ آخر بصد مشکل پیچھا چھوڑا کر ہم اپنی رہائش گاہ تک پہنچے رات کو جب بستر پر لیٹا تو اس خیال نے بے چین کر دیا کہ یہ دہریت کی فضا میں پڑھنے

والے کالج کے طالب علم اپنے دینی مسلک کی اشاعت میں اتنے سرگرم کیوں ہیں جب کہ ہم جو دین کا علم سیکھ رہے ہیں ایسا جذبہ نہیں رکھتے جب گفتگو ہو رہی تھی تو ملک عبد الرحمان صاحب خادم نے یا کسی اور طالب علم نے مجھے کہا کہ ہم نزدیک ہی الفیض میں رہتے ہیں۔ آپ کبھی ہوسٹل آئیں تو زیادہ بہتر ماحول میں گفتگو ہو سکے گی۔ چنانچہ خاکسار نے الفیض میں جانا شروع کر دیا۔ کبھی کبھی ادھر جانکلتا جس دوست کے پاس بیٹھتا وہ کچھ کھانے کے لئے یا پینے کے لئے پیش کرتا تو خاکسار صاف انکار کر دیتا۔ خاکسار کا خیال یہ تھا کہ یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کھانے کے لئے آ جاتا ہے۔ احمدی دوستوں کا خیال تھا کہ یہ ہمارے کھانے یا شربت کو پلید سمجھتا ہے اسی لئے نہیں کھاتا بہر حال خیال اپنا اپنا۔ اسی طرح کچھ مدت خاکسار احمدیہ ہوسٹل جاتا رہا۔ اس دوران جن دوستوں نے خاکسار پر خاص توجہ دی۔ ان میں سے ملک صلاح الدین صاحب، ملک عبد الرحمان صاحب خادم اور راجہ محمد اسلم صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔"

مگر اس سے بہت عرصہ قبل ملک صاحب کے کان لفظ مرزائی سے آشنا ہو چکے تھے۔ کوہستان کی سالٹ رینج کے اس دور افتادہ گاؤں میں اگرچہ احمدیت ابھی آشکار نہیں ہوئی تھی۔ (شاید آج بھی یہ علاقے کنواریوں کی طرح دولہے کے انتظار میں ہو) تاہم جیسے بلند پرواز پنکھ پکھیرو فضاؤں کو چیرتے ہوئے دور دراز علاقوں میں جا بسیرا کرتے ہیں اسی طرح حضرت مسیح موعود کا پیغام یہاں پہنچ چکا تھا۔ اس علاقہ کے ایک بزرگ رفیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام مولوی غلام نبی صاحب کی پنجابی نظموں کی ایک کتاب "خوان یغماء" ہے۔ حضرت ملک صاحب کی والدہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں اس کتاب کے خوبصورت اشعار پڑھ رہی تھی تو کسی بڑے نے مجھے پڑھتے دیکھ کر وہ کتاب مجھ سے چھین لی کہ یہ تو مرزائی کافر کی کتاب ہے۔ میں دم بخود ہو گئی کہ ایسے پر مغز اور خالص دینی اشعار کہنے والے بھی کافر ہو جاتے ہیں۔ (گویا ان کی فطرت کا اقرار تھا کہ ایسے لوگ کافر نہیں ہیں) ملک صاحب کی والدہ صاحبہ نے یہ قصہ ملک صاحب کو بچپن میں سنایا تو اسطرح پہلی دفعہ ملک صاحب کے کانوں میں احمدیت کا لفظ میں پڑا۔

اسی طرح گاؤں کے بزرگ چوپال میں حقے کی گردش پر محفل جمایا کرتے تھے۔ ان سے ملک صاحب نے بعض اوقات سنا کہ ہمارے ملک میں کچھ لوگ ہیں جنہیں مرزائی کافر کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کے اخلاق اچھے ہیں۔ یہ نمازیں پڑھتے ہیں اور کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور خلق خدا کی غم خواری و ہمدردی سے سرشار ہیں یوں ملک صاحب کو بچپن سے "مرزائیت" سے ایک گونہ آشنائی ہو چکی تھی۔

جب ملک صاحب کیملپور میں علم حاصل کر رہے تھے تو آپ کے استاد کے پاس ایک سکول ماسٹر آیا اس نے بتایا کہ پہلے یہاں سکول انسپکٹر ہندو تھا جس سے ہم مسلمان مدرسین بہت نالاں تھے۔ مگر اب ایک مسلمان انسپکٹر آ رہا ہے اور سنا ہے وہ بہت انصاف پسند ہے۔ مولوی صاحب تو آگ بگولہ ہو گئے اور کہنے لگے پہلا انسپکٹر تو تمہارے حقوق پر ڈاکہ ڈالتا ہے یہ ایمان پر ڈاکہ ڈالے گا۔ کیونکہ یہ مرزائی ہے اور اپنے عقائد کی دعوت دینا اس کا شیوہ زندگی ہے۔

ذرا سوچئے ملک صاحب کے دل کی کیفیت کیا ہوگی۔ وہ ضرور سوچتے ہوں گے یہ مرزائی کیا چیز ہیں گھر میں والدہ کو ان سے کلی اجتناب کی تلقین ' دارے میں بزرگوں کا اقرار کہ یہ لوگ "تکسب المعدوم" کے مصداق ہیں مگر ہیں کافر اور اب استاد کا خوف ...... یہ سب کیا ہے؟ یہ مرزائیت کوئی ہوا ہے۔ کوئی جادو ہے؟ اور پھر مرزائی قوم لوگوں سے کیسے اپنی بات منوا لیتے ہیں۔ یہ سارے سوالات بچے اور نوجوان سیف الرحمان کے ذہن میں اٹھتے ہوں گے لیکن ان کے جوابات دینے والا کوئی نہ تھا۔ یونہیں دن گزرتے گئے۔ ملک صاحب جب قریبا بیس برس کی عمر کو پہنچے تو مزید تعلیم کے لئے جامعہ عباسیہ بہاول پور آ گئے اس دوران کا یہ واقعہ ہے۔ ایک دفعہ آپ ڈاک خانہ گئے وہاں کلرک نے پوچھا کہ کہاں پڑھتے ہو؟ آپ نے بتایا کہ جامعہ عباسیہ میں عربی پڑھتا ہوں۔ اس پر اس کلرک (یہ کلرک مولانا محمد منور صاحب کے والد ماجد تھے) نے بتایا کہ قادیان میں بھی عربی کے بڑے بڑے ماہر ہیں اور قادیان کی تو کیا بات ہے؟ وہاں تو نور برستا ہے۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب ملک صاحب کی آنکھیں کسی مرزائی کو دیکھ رہی تھیں چنانچہ احمدیت کے خوف اور نفرت بھرے معاشرے میں پروان چڑھے ہوئے ملک صاحب نے فورا جواب دیا "جیسے تمہارے چہرے پر نور برستا ہے" (ان صاحب کا رنگ ذرا سانولا تھا) اور استہزار کرتے ہوئے وہاں سے لوٹ آئے۔ لیکن جب باہر نکلے تو اس کلرک کی بات نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ خیالات میں آپ یہ سوچنے پر مجبور ہوئے۔ کہ آخر وہ کیا چیز ہے کوئی روح ہے۔ جس نے اس دنیا دار ملازم کے دل میں بھی دعوت الی اللہ کی ایک جوت جگا رکھی ہے۔ ہمارے ماحول میں تو ایسا نہیں ہے ہمارے اساتذہ نے کبھی ہمیں ایسی تعلیم نہیں دی اسی طرح کے جذبات ملک صاحب کے قلب و ذہن میں اس وقت بھی پیدا ہوئے تھے۔ جب احرار کانفرنس کے دوران آپ قادیان دیکھنے کے لئے شہر میں جا پہنچے۔ اور کسی راہ گیر سے (یہ میاں نظام الدین صاحب ٹیلر ماسٹر تھے) پوچھا کہ مرزائیوں کے دفاتر کہاں ہیں؟ انہوں نے جوابًا کہا آپ دیکھنا چاہتے ہیں آیئے میں آپ کو دکھاؤں اور پھر تفصیلاً قادیان کے جملہ اہم مقامات اور دفاتر دکھائے۔ اور جب یہ رفاقت منٹوں سے گھنٹوں میں ڈھل گئی تو ملک صاحب کی سوچوں کا دھارا بدل گیا۔ اور بجا طور پر آپ نے یہ تاثر لیا "یہ بوڑھا عمر رسیدہ بزرگ نامعلوم اپنے کس کام جا رہا تھا لیکن میری راہنمائی کے لئے وقف ہوگیا میں تھک گیا لیکن یہ نہیں تھکا یہ جذبہ کیا ہے اور کتنا عجیب ہے۔(بحوالہ الفضل ۱۹ جولائی ۱۹۸۹)

جب ملک صاحب لاہور میں قیام پذیر تھے تو کچھ عرصہ آپ ایک ہوٹل بھی چلاتے رہے اس اثنا کا واقعہ ہے کہ ایک احمدی گاہک آئے اور کہنے لگے کہ یہ شہرت سن کر آیا ہوں کہ یہاں خالص دیسی گھی استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال کھانے کے بعد ان سے مذہبی گفتگو ہونے لگی اور ملک صاحب نے حسرت کا اظہار کیا کہ اب وہ خدا کہاں جو دعاؤں اور پکاروں کا جواب دیا کرتا تھا۔ وہ صاحب کہنے لگے کیوں نہیں آج بھی وہی کلیم خدا ہے اور اپنے پیاروں کو جواب سے نوازتا ہے اور پھر احمدیت کے بارے میں بتایا اس واقعہ نے بھی ملک صاحب کے دل پر اثر کیا۔ اس طرح مسلسل پے در

پے واقعات نے اس پتھر میں کئی شگاف پیدا کر دیئے تھے۔ اور اس کی تراش خراش کر کے اسے سنگ پارس بنانے کا فیصلہ آسمان پر صادر ہو چکا تھا غرض یہ کہ آپکی قسمت سنورنے کے قریب تھی۔ قرآن نے بتایا ہے کہ بسا اوقات کئی پتھروں سے چشمے ابل ابل پڑتے ہیں۔ اور کئی پتھر دل خشیت الٰہی سے جا گرتے ہیں۔ پس ملک صاحب کی زندگی میں بھی یہ وقت آن پہنچا تھا

ایک پتھر کی بھی تقدیر بدل سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ قرینے سے تراشا جائے

☆ قبول احمدیت

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

۱۹۳۴ میں احرار کانفرنس کی غرض سے آپ قادیان گئے وہاں قادیان کی سیر کے دوران آپ بہشتی مقبرہ بھی گئے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر نظر پڑی تو آپ کے دل میں بے اختیار یہ خیال گزرا "یہ قبر جس شخص کی ہے وہ ہر لحاظ سے بہت بڑا شخص ہے اگر یہ سچا ہے تو اس سے پہلے خاکسار نے ایسے شخص کی قبر نہیں دیکھی جس سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوا ہو اور اسے اپنا مامور بنایا ہو اور اگر یہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے تو اس سے پہلے میں نے ایسے شخص کی قبر بھی نہیں دیکھی جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہو اے اللہ میں نہیں جانتا کہ حقیقت کیا ہے جو بھی حق ہے اس کی طرف میرے قلب کو مائل کر دے۔ میرے گناہ راستی کی طرف جانے میں روک نہ بن سکیں"

(الفضل ۱۸ جولائی ۱۹۸۹)

یہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا رائیگاں نہ گئی بلکہ عرش پر سے ہوتی ہوئی جلد ہی قبولیت کے سامان لے کر نازل ہوئی۔ چنانچہ ملک صاحب لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ہر دن اور ہر واقعہ مجھے احمدیت کی طرف مائل کرتا گیا۔ ایک غیر محسوس قوت تھی جو مجھے حصار احمدیت کے قریب تر کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ بختوں اور نصیبوں والی ساعت آن پہنچی جب آپ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے کے اصرار پر جلسہ سالانہ ۱۹۳۵ کے موقع پر قادیان آئے اور حضرت مصلح موعود کی پر معارف اور پر بصیرت تقریر سنی اب کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہ پتھر پگھل چکا تھا۔ چنانچہ یکم جنوری ۱۹۳۶ کو آپ حضرت مصلح موعود کے ہاتھ پر بیعت کر کے احمدی ہو گئے۔ فالحمد للہ علی ذلک اور اس طرح ملک صاحب کی بیعت کی اطلاع جب آپ کے والد صاحب کو پہنچی تو آپ فوراً قادیان پہنچ گئے اور ملک صاحب کو کہنے لگے ابھی میرے ساتھ چلو ایک لمحہ وہاں رکنے کے روادار نہ تھے حضرت مولانا شیر علی صاحب نے انہیں سمجھایا کہ اب تو گاڑی نکل چکی ہے۔ آج میرے مہمان رہیں کل روانہ ہو جائیں چنانچہ والد صاحب مان گئے شام کو
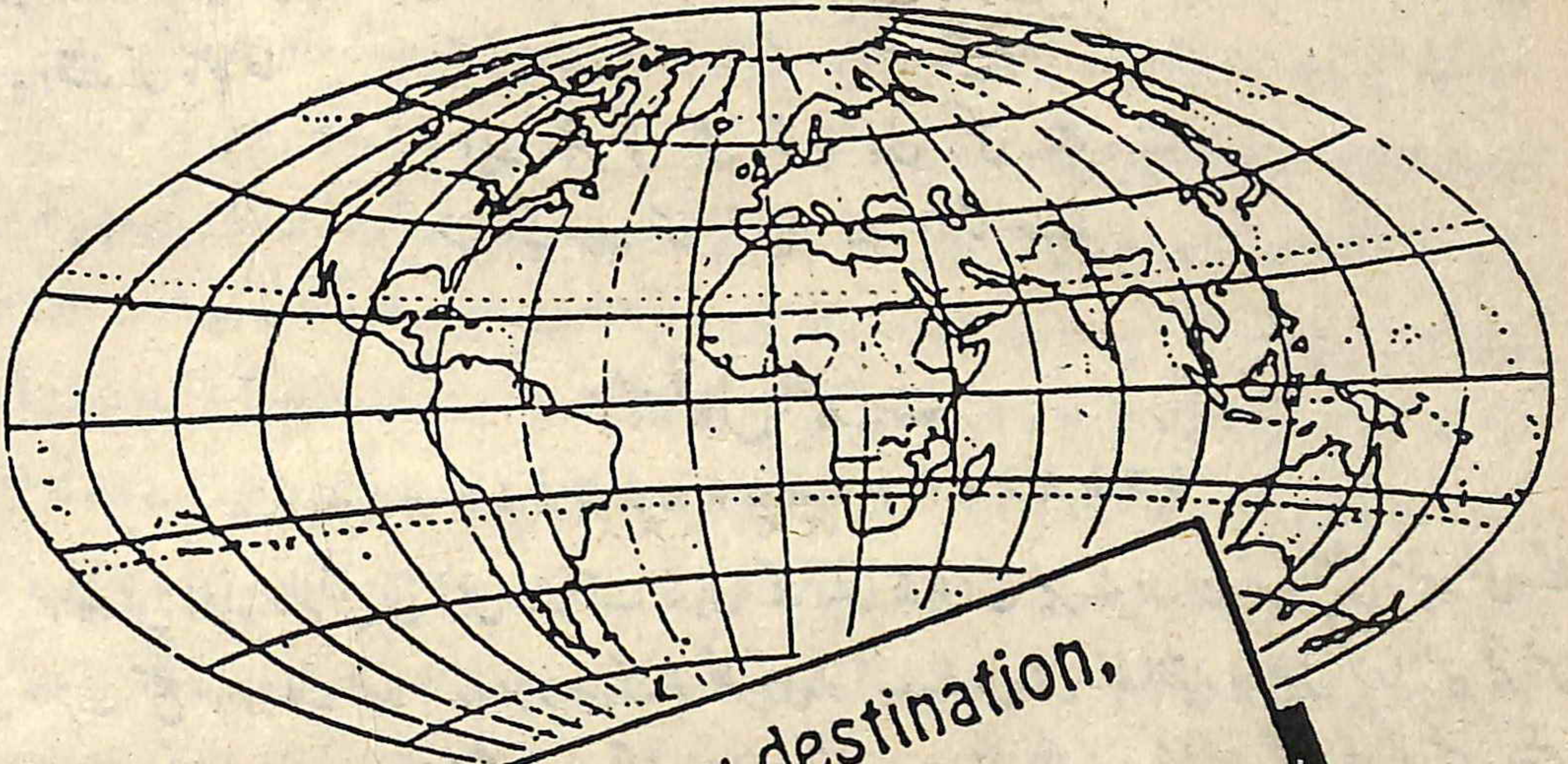
تو پھر پتھر سے کیوں چشمے نکلتے ہیں

ایک داعی الی اللہ کے شیریں ثمر کی داستان

(مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے، قادیان)

احمدیہ ہوسٹل اس وقت فیروز روڈ پر الفیض کوٹھی میں قائم تھا اور کالج کے طلباء کی تربیت کے لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی گاہے تشریف لاتے اور بعض دفعہ وہاں قیام بھی فرماتے تھے۔ یہ قیام طلباء کے ازدیاد ایمان کا موجب بنتا تھا۔ خاکسار ۱۹۳۳ء میں ہوسٹل کے متصل مزنگ میں حضرت دین محمد صاحب (رفیق) کے ایک دوست کے ہاں بی۔اے انگلش کی تیاری کے لئے چند ماہ ٹھہرا تھا۔ اور نمازوں کے لئے اور جماعتی تقریبات کیلئے ہوسٹل میں شریک ہوتا تھا۔ ان طلباء میں اس وقت حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث) اور محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب) بھی تعلیم کے لئے قیام رکھتے تھے۔

حضرت مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ روس بطور مربی لاہور میں متعین ہوئے انہوں نے ہوسٹل کے طلباء کو جمع کر کے تحریک کی کہ ہر طالب علم دعوت الی اللہ کرے اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سیکرٹری مقرر ہوئے۔ جنہوں نے مجھ سے بھی پوچھا کہ میں ہفتہ میں کتنا وقت دعوت الی اللہ کے لئے دوں گا۔ میں نے جتنا بتایا اسے انہوں نے کہا کم ہے اور خود ہی تین گھنٹے مقرر فرما دیئے۔

لاہور میں میری ذاتی واقفیت مطلقاً نہ تھی انار کلی میں واقع ایک دوکاندار سے ایک مرتبہ میں تبلیغی باتیں کرنے لگا۔ اس نے کہا کہ میں تو دین سے واقف نہیں۔ البتہ میرے دو بھائی دینی تعلیم رکھتے ہیں۔ ان سے گفتگو کرنا مناسب رہے گا۔ چنانچہ مقررہ دن اور وقت پر میں دکان پر پہنچا تو محترم ملک سیف الرحمان صاحب اور ان کے ساتھی مولوی محمد یعقوب صاحب آئے۔ گفتگو سے معلوم ہوا کہ "دینی بھائی" مراد تھی یہ دونوں اس وقت نیلا گنبد میں زیر تعلیم تھے۔ طے ہوا کہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں فلاں روز اتنے بجے وہ تینوں آئیں گے اور ہم دو افراد آئیں گے۔

اس زمانہ میں میرے علم میں یہ بات آئی تھی کہ مکرم محترم ملک عبدالرحمان صاحب خادم کو احمدی ہونے کی وجہ

سے ایم۔ اے عربی میں فیل کر دیا گیا تھا اور اب وہ لاء کالج میں داخل تھے۔ اس زمانہ میں مخالفین کے پبلک جلسوں کے مقابل نیلا گنبد وغیرہ میں جماعت احمدیہ کے بھی جلسے منعقد ہوتے تھے۔ جن میں محترم ملک عبدالرحمان صاحب خادم کی بارعب اور برجستہ اور مدلل تقریروں کی دھاک مخالفین پر بیٹھی ہوئی تھی۔

محترم ملک عبدالرحمن صاحب خادم کا کمرہ اس ہوسٹل میں گیٹ کے متصل تھا اور یہ وسیع کمرہ سلسلہ کے لٹریچر اور بخاری شریف وغیرہ حوالہ جات کے لئے کتب سے بھرا ہوا تھا۔ اور اصل شغل آپ کا تبلیغ تھا۔ میں نے محترم خادم صاحب سے ذکر کیا کہ یہ طے ہوا ہے اور گفتگو صرف قرآن مجید سے ہوگی۔ ملک صاحب نے کہا کہ یقیناً وہ زیادہ تعداد میں آئیں گے اس لئے ہم بھی زیادہ افراد چلیں گے اور میں درمیان میں بات کر کے خود گفتگو شروع کر دوں گا۔

چنانچہ وقت پر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب' محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب' محترم خادم صاحب اور بعض اور سٹوڈنٹس کے ساتھ خاکسار اس گراؤنڈ میں پہنچا۔ ملک سیف الرحمان صاحب بھی پانچ افراد کے ساتھ آئے۔ میں نے گفتگو شروع کی۔ چند فقرات کے سوال و جواب کے بعد محترم ملک عبدالرحمن صاحب خادم نے کوئی بات کر دی جس سے گفتگو کرنے والا ان کی طرف متوجہ ہو گیا اور ان سے بات ہونے لگی۔ چند منٹ کے بعد مخالف گروہ میں سے ایک نے ملک صاحب کو پہچان لیا اور گفتگو کرنے والے کو آہستہ سے کہا کہ یہ تو ملک عبدالرحمن صاحب خادم ہیں۔ اس پر مرعوب ہو کر گفتگو کرنے والے نے گفتگو ختم کر دی اور پھر ہمارے احباب انفرادی طور پر ایک ایک سے گفتگو کرنے لگے۔

میں محترم ملک سیف الرحمان صاحب سے بات کر رہا تھا۔ اب مغرب کا وقت ہو گیا تھا اور ہم سب واپس جانے لگے۔ میں نے ملک سیف الرحمان صاحب سے کہا کہ احمدیہ ہوسٹل نزدیک ہی ہے آپ وہاں بے شک الگ نماز ادا کر لیں اس کے بعد مزید گفتگو کرنے کا موقعہ مل جائے گا انہوں نے کہا کہ آپ لوگ تو قتل کرنے کی دھمکی دے کر احمدی بنا لیتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ اس طرح بنائے گئے احمدی کیا احمدیت کی خاطر اپنی جانیں' اموال اور اولاد قربان کر سکتے ہیں۔ اور مدت العمر کے لئے بیرون ملک میں دعوت الی اللہ کے لئے اپنے اہل و عیال سے جدا رہنے کی قربانی کر سکتے ہیں؟ اس بات سے ان کو اطمینان ہو گیا اور وہ انفرادی طور پر مجھ سے ملاقات کرتے رہے۔ اور پھر میری تحریک پر آپ جلسہ سالانہ پر قادیان آئے اور محلہ دارالفضل میں خاکسار کے پاس ٹھہرے۔ اور خاکسار نے محترم خادم صاحب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل ہلالپوری اور دیگر احباب سے ملاقات کرائی۔ نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیرینہ واقف کار جناب حکیم ملاوامل جی سے بھی ملاقات کرائی اور میں نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارے میں کچھ بتائیں۔ ملاوا جی کہنے لگے مرزا صاحب پکے مسلمان تھے۔ میں نے کہا کہ کچھ اور تفصیل سے بتائیں وہ اپنی دکان سے اتر کر جا رہے تھے۔ کہنے لگے کہ میں نے فلاں احمدی کے بیٹے کے ولیمہ پر پہنچنا ہے جلدی میں ہوں "میں نے کہا ہے کہ مرزا جی پکے مسلمان تھے۔" اس میں ساری باتیں آ

جاتی ہیں۔

محترم ملک سیف الرحمن صاحب نے مجھ سے تذکرہ لیا اور اسے بطور فال کھولا تو اس میں ۲ ستمبر ۱۹۰۱ء کی یہ رؤیا نکلی

"سب سے بہتر اور تیز تر وہ تلوار ہے جو تیری تلوار میرے پاس ہے" (تذکرہ صفحہ ۴۱۰)

اس پر انہیں اطمینان ہو گیا اور انہوں نے بیعت کر لی۔

حضرت ملک سیف الرحمن صاحب نے بیعت کے بعد مجھ سے ذکر کیا کہ ۱۹۳۴ء کے مجلس احرار کے قادیان میں منعقدہ جلسہ سالانہ میں میں بھی شامل ہوا تھا۔ اس وقت شدید مخالفت کی وجہ سے چوہدری افضل حق صاحب مفکر احرار نے منہ در منہ لاہور میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو تحدی سے کہا تھا کہ ہم آپ کی شدید مخالفت کا بیڑا اٹھائیں گے۔ ایسی شدید مخالفت جو آج تک نہیں ہوئی اور جماعت احمدیہ کا استیصال کر دیں گے۔ اور یہ بھی ان کے عزائم میں تھا کہ منارہ المسیح کو گرا دیں اور مزار مبارک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اکھیڑ کر نعش مبارک کو باہر دور پھینک دیں گے۔ معاذ اللہ' اس وقت اس جماعت (احرار) نے قادیان میں اور پنجاب بھر میں بہت تکلیف دہ حالات جماعت کے لئے پیدا کر دئے تھے۔ انہی ایذاء رسانیوں کا ثمرہ جماعت احمدیہ کو تحریک جدید کی مبارک تحریک کی صورت میں ملا۔ جس سے دنیا بھر میں "غلبہ دین حق" کی مہم کا آغاز ہوا۔ اور اس کے شیریں ثمرات اب تو ظاہر و باہر ہیں۔

اور اب تک احرار کی مخالفت اپنی موت آپ مر چکی ہے۔ گو ایسی مخالفتیں اپنا رنگ بدلتی رہتی ہیں۔ لیکن احراری لیڈر جو چیلنج کرتے تھے کہ ان کی مقبولیت زیادہ ہے ان کی قیادت ختم ہو گئی۔ اور جیسا کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک خطبہ میں فرمایا تھا کہ احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکل جائے گی۔ چند دن کے اندر ہی شہید گنج والا واقعہ ہوا جو احراری ٹولہ کی قیادت اور ناموس کا بیڑا غرق کرنے کا موجب ہوا ان کا کردار جیسا ناپسندیدہ تھا اس پر خود دیگر مسلمانوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہمیشہ کے لئے تاریخ میں محفوظ ہو گیا ہے۔

بہرحال ملک صاحب نے لاہور واپس جا کر عرب ہوٹل نزد اسلامیہ کالج ریلوے روڈ جو انہوں نے انفراداً یا اشتراکاً کھول رکھا تھا اسے چھوڑ دیا۔ پھر قادیان چلے آئے۔ پوچھنے پر ہمیشہ بتلاتے تھے کہ ان کا مسجد نیلا گنبد کا ساتھی مولوی محمد یعقوب احمدیت کا شدید معاند ہے۔ ان کی والدہ محترمہ نے ان کو شادی کے لئے بلایا' ہونے والے سسرال نے کہا کہ شادی کے مجمع میں آپ کہہ دیں کہ میں احمدی نہیں۔ شادی کے بعد آپ دلہن کو بے شک قادیان لے جائیں اور جماعت احمدیہ میں شامل کرا دیں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ ملک صاحب نے کہا کہ اگر کفر اختیار کرنے پر اس وقت میری جان نکل جائے تو گویا کفر پر میری موت ہو گی۔ شادی کی خاطر میں ایسا غلط قدم اٹھانے کو ہر گز تیار نہیں۔ سو آپ رشتہ ترک کر کے قادیان واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین بیوی دی جو دین کی خدمت کرتی رہیں۔ اور صالح اولاد دی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

اس خط کا عکس آپ ٹائیٹل صفحہ ۲ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

مَوْتُ الْعَالِمِ ـ مَوْتُ الْعَالَم

امیر و مشنری انچارج کینیڈا کے نام حضرت امام جماعت کا مکتوب جس میں حضرت ملک صاحب کی وفات پر تعزیت کا اظہار فرمایا ہے

پیارے عزیزم نسیم مہدی

امیر جماعتِ احمدیہ کینیڈا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگرچہ استاذی المکرم حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کا وصال کینیڈا میں ہوا مگر یہ کسی ایک ملک کی جماعت کا نقصان نہیں بلکہ جماعتِ احمدیہ عالمگیر کا نقصان تھا۔ کون کسی سے تعزیت کرتا۔ وہی تعزیت کرنے والے اور وہی تعزیت کے مستحق تھے۔ ان کی موت ایک عالِم کی نہیں بلکہ ایک عالَم کی موت تھی۔ یوں تو ہر ذی شعور کی موت ایک عالَم کی موت ہوتی ہے مگر عالَم عالَم میں بہت فرق ہے۔ کیڑی کا عالَم اَور ہے اور سلیمانؑ کا عالَم اَور تھا حضرت ملک صاحب مرحوم کا عالَم بھی بہت وسیع تھا۔

میری طرف سے جماعتِ کینیڈا سے تعزیت کے علاوہ اُن کے سب اعزاء و اقارب سے تعزیت کر دیں جو کینیڈا میں رہتے ہوں۔

اللہ انہیں صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی خوبیوں کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ مرحوم کی رُوح کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً گروہ میں داخل فرمائے۔ والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

اضطراب کے ایام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمتِ اقدس میں ملک صاحب کا ایک مکتوب

(اِس خط کی فوٹو کاپی فراہم کرنے پر ادارہ "خالد" مؤرخِ احمدیت مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا ممنون ہے)
فجزاھم اللہ احسن الجزاء

◎

بحضور حضرت امام المتقین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاکسار اپنے علاقہ کے ایک معزز نقشبند خاندان کا رکن ہے۔ بندہ نے ابتدائی تعلیم مختلف جگہوں میں پائی۔ امسال امتحان مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی میں شامل ہوا اور خدا کے فضل اور حضور کی دعاؤں کی برکت سے اچھے نمبروں پر کامیاب ہوا۔ خاکسار پچھلے سالوں میں بغرض تعلیم لاہور میں مقیم رہا۔ قیام میں احمدیت کی مخالفت کا اتفاق ہوا۔ اس غرض کے لئے حلقہ نیلہ گنبد لاہور میں ایک انجمن سیف الاسلام نامی بنائی گئی جس کی سیکرٹری شپ کی خدمات خاکسار کے سپرد کی گئیں۔ چونکہ اس وقت احرار نے احمدیت کے خلاف بہت کچھ شور مچا رکھا تھا اور اس شور و غوغا کے آغاز کی وجہ سے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول تھی اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انجمن کے ماتحت جلسے اور ٹریکٹ وغیرہ شائع کرکے احمدیت کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنے کی "ناکام کوشش" کی گئی۔ نیلہ گنبد کے بعض احمدیوں کو حلقہ کے لوگوں نے تنگ کرنا شروع کیا۔ اگر احمدیہ کے سامنے والے گراؤنڈ میں کوئی تبلیغی جلسہ کرنا چاہتے تو انجمن کی طرف سے اسے درہم برہم کرنے کی ہر جائز و ناجائز کوشش کی جاتی۔ اسی اثناء میں بعض احمدی دوستوں نے خاکسار کو احمدیت کے اصول میں غور و فکر کرنے کی ترغیب دی۔ چونکہ خاکسار کے لئے اس صورت میں احمدیت کی مخالفت کا یہ پہلا موقع تھا اس لئے اس ترغیب پر خاکسار نے کسی قدر گہری نظر سے عقاید احمدیت اور اس کی ترقی اور احراری کوشش کے مفید یا غیر مفید نتائج کے متعلق غور و خوض شروع کر دیا۔

احرار کانفرنس منعقدہ قادیان میں شمولیت کی تیاری کی گئی اور اس طرح قادیان اور اس کی ترقی کو پہلی دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بہشتی مقبرہ اور لوگوں کے پھیلائے ہوئے اتہامات کو دیکھا اور کسی قدر تعجب آیا مگر پھر "حالات مملکت خویش خسرو" کے پیش نظر اپنے دل کو جہالت کا طعنہ دے کر "حامیانِ دین و مفتیان شرعِ متین" کی صداقت کا معتقد رہنے پر مجبور کیا مگر تا بکے؟ دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اسی حالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر جا کر عجز و انکسار کے ساتھ دربار خداوندی میں دیدۂ پرنم سے اس طرح دعا شروع کی خدایا تو جو علیم و خبیر ہے اور دلوں کے ہر سربستہ راز کو جانتا ہے اور اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے ہدایت کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ آج تیرا ایک گنہگار بندہ بھی تجھے ایک درخواست کرنے کی جرأت کرتا ہے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اے خدائے قدوس یہ شخص جس کے قائم کردہ سلسلے کو مٹانے کے لئے آج ہم قادیان کی سرزمین میں آئے ہیں اس کے متعلق دو ہی باتیں متصور ہو سکتی ہیں اگر یہ سچا ہے تو اس زمانہ میں تیرا سب سے پیارا اور سب سے زیادہ محبوب ہے۔ پس میرے گناہوں کی پاداش میں اس کے فیوض سے مجھے محروم نہ رکھیو اور اگر یہ جھوٹا ہے تو وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ کی وعید خداوندی کی رو سے اس زمانے کا (خاکم بدہن) بدترین شخص اور سب سے بڑا ظالم ہے۔ سو اس کے شرور سے مامون و محفوظ رکھیو۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْم آنکھیں پر اشک ہو گئیں۔ دوستوں سے نظر بچا کر آنسو پونچھ لئے اور بات کو ادھر ادھر ٹلا دیا۔ دعا کے بعد جلسہ گاہ میں واپس آیا اور "علماء کرام" کی "پر معارف تقریریں" سنیں۔ رات گزاری اور دوسرے دن لوگوں کے ساتھ فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے واپس لاہور چلا آیا۔ دن، دنوں کے بعد ہفتے، ہفتوں کے بعد مہینے گزرتے گئے "امیر شریعت" صدر احرار کانفرنس پر سرکار کی طرف سے مقدمہ چلائے جانے کی افواہیں ادھر ادھر مشہور ہونے لگیں۔ آخر ایک صبح اخبار میں بایں عنوان "مولانا" کی گرفتاری کی خبر پڑھی۔ "امیر شریعت" حضرت مولانا منصوری سے گرفتار کر لئے گئے۔ سرکار کی "قادیانیت نواز" پالیسی پر اظہار غیض و غضب کے لئے بعد نماز عشاء بیرون دہلی دروازہ "ایک عظیم الشان" جلسے کے انعقاد کا اعلان کیا گیا۔ جلسے کی کارروائی دیکھنے کے لئے لوگ جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ خاکسار بھی "اسلام کی فتح" کی دعائیں کرتا ہوا شامل جلسہ ہوا۔ "علماء اسلام و راہنمایان احرار" نے لوگوں کو تسلیاں دیں۔ اسلام کی فتح اور کفر کی شکست کی پیشگوئیاں کی گئیں۔ مقدمہ لڑنے کا ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ مقدمہ کے اخراجات کے پیش نظر چندہ کی اپیل کی گئی۔ انجمن سیف الاسلام کی طرف سے بھی ہر جمعہ مسجد نیلا گنبد میں اس اپیل کی یاد دہانی کرائی جاتی اور چندہ اکٹھا کر کے جو کبھی بیس روپیہ اور کبھی تیس روپیہ ہوتا تھا دفتر مجلس احرار میں بھیج دیا جاتا۔ "حضرت امیر شریعت" ضمانت پر رہا ہو کر لاہور تشریف لائے۔ اہالیان شہر نے "مجاہد اسلام" کا شاندار استقبال کیا۔ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت نے بڑے زور سے پیشگوئی کی کہ لوگو! اب قادیانیت کے آخری سانس ہیں۔ اس کا جنازہ میرے کندھوں پر اٹھے گا۔ اس کا آسمان پر فیصلہ ہو چکا ہے۔ عنقریب قادیانیت کا قلعہ پاش پاش ہو جائے گا۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اصول جنگ

سے واقفیت رکھنے والے "جرنیل اسلام" کے ان بلند و بانگ دعاوی سے کسی قدر متعجب ہوئے مگر پھر ان کو سمجھایا اور "امیر شریعت" کی "زبان مبارک" سے نکلے ہوئے کلمات کے حرف بحرف پورا ہونے کی دعائیں کرتے ہوئے گھر واپس آئے۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ جمعۃ الوداع کو تاریخ مقدمہ تھی۔ جلسوں اور اخبارات کے ذریعہ اپیل کی گئی کہ لوگ کثرت کے ساتھ جمعۃ الوداع کے موقعہ پر گورداسپور پہنچیں اور اپنے "مجاہد" کی شان و شوکت کے اظہار کے لئے زبردست مظاہرہ کریں۔ بہاولپور سے مقدمہ بہاولپور کے بیانات کی نقلیں لے کر جامعہ عباسیہ کے پروفیسر صاحب بھی آئے۔ چونکہ خاکسار ان کا شاگرد رہ چکا تھا اس لئے وہ مجھے بھی اپنے ہمراہ گورداسپور لے گئے۔ تاریخ مذکورہ پر محترمی جناب مولوی غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل نے بطور گواہ پیش ہونا تھا۔ چونکہ وقت بہت تھوڑا تھا اور ابھی اعتراضات کا مسودہ پوری طرح تیار نہیں ہوا تھا اس لئے کرایہ پر لائے ہوئے "علماء کرام" کو کہا گیا کہ رات کے اندر اندر مسودہ مکمل کر دیا جائے۔ خاکسار نے بھی اعتراضات کے جمع کرنے پر اپنی محدود طاقت کے مطابق حصہ لیا۔ غرض رات بھر بیدار رہ کر اعتراضات کا مسودہ تیار کر لیا گیا۔ مگر غفلت شعار وکیل نے سستی کی اور وہ مسودہ کا مطالعہ نہ کر سکا۔ اس لئے دوسرے دن مجسٹریٹ کی عدالت میں گواہ پر وہ اعتراضات نہ ہو سکے اور آئیں بائیں میں وقت ختم ہو گیا۔ جمعۃ الوداع کے عظیم الشان اجتماع پر لوگوں سے امیر شریعت تسلیم کرنے کی بیعت لی گئی جس کی ضرورت ان الفاظ میں بیان کی گئی کہ خلیفہ محمود اپنے مریدوں کے بل بوتے پر سرکار کو مرعوب کئے ہوئے ہے۔ تم بھی میرے مرید بن جاؤ تاکہ میں اپنے آپ کو عدالت میں ممتاز صورت میں پیش کر سکوں۔ یہاں صرف دستی بیعت کر جاؤ۔ گھر جا کر خدا کی راہ میں ایک آنہ کی قربانی کر کے بذریعہ کارڈ بیعت کی اطلاع بھیج دینا۔ بڑے زور و شور سے بار بار اس کے لئے وعدے لئے گئے۔ وعدہ وفائی کے اجر اور بے وفائی کے زجر کا زبردست وعظ کیا گیا۔ چونکہ خاکسار کو "امیر شریعت" کی ہمراہی کا پہلی دفعہ اتفاق ہوا تھا اس لئے اپنے آپ کو سعادت مند سمجھتے ہوئے۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

کے خیال سے اس موقع سے متمتع ہونے کا ارادہ کیا تاکہ اشغالِ امیر کو حرزِ جان بنا کر ان پر عمل کرنے کی بھی سعادت کی جائے۔ آنکھوں نے کچھ دیکھا دل نے جو عقیدت کے پر پیچ جال میں اسیر ہو چکا تھا۔ آنکھوں کو دھوکہ خوردہ قرار دیا اور وجد کے عالم میں جھوم جھوم کر گانے لگا۔

بمَے سجادہ رنگیں کُن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زِ راہ و رسمِ منزل ہا

آخر کسی قدر تذبذب کی حالت میں لاہور واپس آیا اور تحریک احرار کے نتائج کا بڑی بے صبری کے ساتھ انتظار کرنے لگا۔ "امیر شریعت" کے بلند و بانگ دعاوی ایک خاص امید کے ساتھ اخبارات کے کالم دیکھنے پر مجبور کرتے۔ نظریں عاشق بے تاب کی طرح جو اپنے گم شدہ محبوب کی تلاش میں نہایت بے صبری کے ساتھ جلدی جلدی نظر جما کر ادھر ادھر مجنونانہ وار دیکھتا ہے۔ اسلام کی فتح اور کفر کی شکست کی خبریں تلاش کرتیں مگر عیاں کوئی ہوتی تو نظر آتی۔ بڑے بڑے زبردست "قادیانیت شکن" عنوان مگر اندر طبل بلند بانگ کا نظارہ آخر ایک پریشانی اور اضطراب کے عالم میں يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ

خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْر کی حالت طاری ہو کر آئندہ کی امید میں اخبار کا ورق ہاتھ سے گر پڑتا اور لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ کی یاد پریشانی کو مبدل بہ مسرت کر دیتی اسی اثناء میں ایک واقع یہ پیش آیا کہ دفاتر پنجاب یونیورسٹی کے احاطہ میں ایک مسجد تھی جس میں ادھر ادھر سے احمدی جمع ہو کر نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ دفاتر کے غیر احمدی ملازمین نے اس شور و غوغا سے متاثر ہو کر انجمن کے دفتر میں ایک آدمی بھیجا کہ جمعہ پڑھانے کے لئے ہمیں ایک آدمی دیا جائے جو احمدیت کے عقائد کی تردید بھی کر سکے اور ساتھ ہی چند آدمی جمعہ کے موقع پر ہمراہ لے آئے تاکہ اگر احمدی فساد کرنا چاہیں تو موقع پر کام آئیں۔ چنانچہ خاکسار حسب تجویز جمعہ پڑھانے کے لئے گیا احمدی جب جمعہ پڑھنے کے لئے آئے تو وہ خاموش ہو کر باغ میں چلے گئے اور انتظار کرنے لگے کہ جب غیر احمدی جمعہ پڑھ لیں تو ہم بعد میں پڑھ لیں گے لیکن اختتام جمعہ کے بعد بعض شرارت پسند ملازمین نے کہا کہ مولوی صاحب ابھی احمدی باہر انتظار میں بیٹھے ہیں اس لئے آپ وعظ شروع کر دیں تاکہ وہ ناامید ہو کر چلے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ غرض اسی طرح متواتر خاکسار جمعہ پڑھانے جاتا رہا اور اس طرح احمدیوں کو وہاں جمعہ پڑھنے سے روک دیا گیا لیکن اس کا ایک اثر یہ ہوا چونکہ خاکسار کو ہر جمعہ تقریر کرنی پڑتی اور راہ ہدایت کی بڑے زور و شور سے تلقین کی جاتی مگر بندہ کی اپنی عملی حالت نہایت خراب اور گندہ تھی۔ اس لئے آہستہ آہستہ اندر ہی اندر ضمیر نے ملامت کرنی شروع کی آخر کار حالت یہاں تک پہنچی کہ تقریر کرتے کرتے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ کا مضمون آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا اور عالم اضطراب میں تقریر رک جاتی اور ایک لفظ تک کہنا محال ہو جاتا۔ اس حالت کو دوسرے بھی محسوس کرتے اور کہتے آپ پہلے تو بہت اچھی تقریر کرتے تھے مگر اب یہ کیا رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس اثر کے پیش نظر خاکسار نے عملی حالت کی سدھار کی جانب توجہ کی۔ مگر اس دشوار گذار وادی میں داخل ہوتے ہی گھبراہٹ اور اضطراب نے قدم پکڑ لئے۔ اور ایک قدم آگے بڑھانا محال ہو گیا۔ وہ عادات قبیحہ جو مدت العمر معمول رہنے کے باعث طبیعت ثانیہ بن چکی تھی کامیابی میں سخت روک ثابت ہوئیں اور اپنے آپ کو اس وادیٔ پر پیچ سے ناآشنا پا کر ناامیدی کے سیاہ بادل دل کو اور زیادہ مضطرب کرنے لگے اور دہریت کے خیالات مردہ خور گدھ کی طرح سر پر منڈلانے لگے اپنی طاقت اور رسائی کے مطابق اپنے ہم عقیدہ بدرقہ اور انہی کی تلاش کی مگر ہر طرف سے یہی جواب آیا کہ اس پر فتن زمانہ کے شرور سے محفوظ رہنے کے لئے اولیاء اللہ نے کنج گمنامی اختیار کر لیا ہے۔ ایک احمدی دوست نے مشورہ دیا کہ چند شروط کے ساتھ حضرت کی خدمت اقدس میں دعا کے لئے عریضہ تحریر کرو چنانچہ اس کی تجویز کردہ شرائط کے ساتھ گو وہ خاکسار کو ناپسند تھیں ایک عریضہ حضور کی خدمت میں تحریر کر دیا جس کا جواب سیکرٹری صاحب کی طرف سے یہ آیا "حضور نے بعد ملاحظہ عریضہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ طریق نہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کا ہے اور نہ ہی ہمارا اس کے لئے آپ کسی اور کو تلاش کریں"۔ یہ جواب پا کر ایک زبردست نکتہ سمجھ میں آیا مگر اس کے ساتھ اپنی بدقسمتی پر رنج بھی ہوا کیونکہ بعض قسمت والوں کی خطا بھی ان کی سعادت اور کامیابی کا موجب بن جاتی ہے۔

اگرچہ یہ جواب بعد میں ایک زبردست پیشگوئی ثابت ہوا کیونکہ آسمان پر ان شرائط کے خلاف فیصلہ ہو چکا تھا جیسا کہ بعد میں ظہور میں آیا۔ اگر دعا کی جاتی تو اس کے معنی ہوتے کہ خدا کے بندوں کی دعائیں نعوذباللہ لغو بھی ہوتی ہیں۔ انہیں دنوں خاکسار نے تعلیم کو ملتوی کر کے لاہور میں ایک متوسط درجہ کا ہوٹل جاری کیا۔ انتظامی نقص کی وجہ سے تقریباً ہزار روپیہ بندہ پر قرض ہو گیا اور خسارہ پا کر مجبوراً اس کو بند کرنا پڑا۔ اور اس طرح شدید پریشانی کا ایک اور سبب پیدا ہو گیا۔ ادھر یہ حالات رونما تھے ادھر مسجد شہید گنج کا شاخسانہ شروع ہو گیا اور اصحاب فیل کی طرح احرار کی تمام کوششیں ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔ اتنی عزت کے بعد یکلخت انتہائی ذلت آنکھیں رکھنے والوں کے لئے سرمۂ عبرت ثابت ہوئی۔ کہاں احمدیت کو فنا کرنے کے دعاوی اور کہاں یہ انتہائی ناکامی۔ سمجھنے والے اس راز کو سمجھ گئے۔ احرار نے لاکھ ہاتھ پاؤں مارے مگر ہوا وہی جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ہر جتن کیا مگر بگڑی بات بنائے نہ بنی۔ صاف ساماں نظر آنے لگا۔

قادر کے کاروبار نمودار ہو گئے
کافر جو کہتے تھے گرفتار ہو گئے

جب جماعت احمدیہ کے سالانہ اجتماع سن 35 کی تیاریاں شروع ہوئیں اور اشتہارات کے ذریعہ تاریخ انعقاد کا اعلان کیا گیا تو مذکورہ بالا احمدی دوست نے خاکسار کو بھی اس مبارک تقریب سے مستفید ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ جلسہ میں شامل ہونے کے لئے تاریخ مقررہ پر خاکسار قادیان پہنچ گیا۔ جلسہ کی کارگزاری، دعاؤں کے رقت انگیز نظارے، حضور کی پر اثر تقریریں اور عید الفطر کا پر معارف خطبہ ایسے امور نہ تھے جو متلاشیٔ حق کے لئے کفایت نہ کرتے دل میں صداقت کا نور چمکا اور بعد از نماز ظہر (بیعت) مبارک میں حضور کے دست مبارک پر گزشتہ گناہوں سے توبہ اور آئندہ ہر قسم کے ذنوب سے بچنے کی کوشش کا اقرار کرتے ہوئے جماعت احمدیہ میں شمولیت کی سعادت حاصل کی۔ بیعت کے بعد جب لاہور واپس آیا اور نیلا گنبد کے احمدی دوستوں کو جن کو انجمن کے ہاتھوں تکلیف پہنچ چکی تھی میری بیعت کا علم ہوا تو انہوں نے بعض ارکان انجمن کو بتایا کہ تمہاری انجمن کا سیکرٹری خدا کے فضل سے احمدی ہو گیا ہے۔ تمہیں بھی اس موقع سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ نیلا گنبد کے دوستوں میں غیض و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرح سے بندہ کو دق کرنا شروع کیا اور نیلا گنبد پر میرا آنا جانا محال کر دیا۔ اور تو ان سے کوئی تدبیر بن نہ آئی جھٹ میرے گھر خط لکھا کہ تمہارا لڑکا احمدی ہو گیا ہے جلد از جلد اس کے پاس پہنچو اور اس کو اس "ارتداد" سے بچاؤ۔

خط کا پہنچنا تھا کہ تمام خاندان میں ماتم بپا ہو گیا عزت گئی۔ اتنی مدت کی تعلیمی کوشش اکارت گئی۔ مریدین میں شکوک شبہات کے جاری ہو جانے کا ڈر، کہ وہ گھرانہ جو ہدایت کا مدعی تھا خود ہی گمراہی اور ضلالت کے سیلاب میں بہہ گیا۔ پھر ہمارا کہاں ٹھکانہ۔

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

یہ خیالات تھے اور بس رونا تھا۔ اس عرصہ میں بندہ بغرض تیاری امتحان مولوی فاضل لاہور سے واپس قادیان چلا آیا۔ میرے والد بزرگوار سیدھے قادیان پہنچے۔ آئے تو اور خیالات کے ساتھ تھے مگر یہاں کچھ اور سامان دیکھا۔ دل متاثر

ہوا اور مجھے ہمراہ چلنے پر مجبور کئے بغیر واپس وطن چلے گئے۔ لوگوں نے حالات دریافت کئے۔ جو دیکھا تھا سچ سچ بیان کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ بھڑوں کے چھتے کی طرح دشمنوں نے آلیا۔ مشہور کر دیا کہ ڈھڈی شریف کا سجادہ نشین مرزائی ہو گیا اور قادیان سے ہو آیا ہے۔ لاکھ تردید کی مگر لوگوں نے ایک نہ سنی۔ یہی کہے گئے تم نے ان کے اچھے کاموں کی تعریف کیوں کی۔ آخر خاندان کے دباؤ میں آکر انہوں نے خاکسار کو خرچ بھیجنا بند کر دیا اور گھر چلے آنے کے تہدیدی خطوط لکھے۔ بندہ نے چند دن قادیان میں تکلیف سے گزارے اور گرتے پڑتے امتحان دے دیا۔ چونکہ خاکسار نے تبلیغ کے لئے دو ماہ وقف کئے ہوئے تھے اس لئے امتحان کے بعد تحریک جدید کے ماتحت محض خدا کے بھروسہ پر اپنے وطن میں چلا آیا۔ یہ علاقہ احمدیت سے بالکل اجنبی تھا۔ اس لئے گھر والوں نے آتے ہی میرے سمجھانے کے لئے مولوی بلوائے۔ مناظرہ ہوا اور مولوی صاحبان نہایت ناکامی کے ساتھ کفر اور بائیکاٹ کا فتویٰ لگاتے ہوئے واپس تشریف لے گئے۔ ادھر ادھر کے گاؤں میں ملائے علاقہ نے اعلان کرا دیا کہ یہ علاقہ ابتداء سے ایک ہی طریقہ (نام نہاد اہل سنت والجماعت) پر ثابت ہے۔ فلاں جگہ ایک احمدی آیا ہوا ہے۔ اس کے خیالات سے ہر ایک کو ہوشیار رہنا چاہیئے اور اپنے گاؤں میں اس کو داخل نہ ہونے دیا جائے۔ غرض گھر اور باہر سخت مخالفت شروع ہے۔ گھر والے ہر وقت دق کرتے رہتے ہیں۔ صرف والد صاحب درپردہ ہمدردی رکھتے ہیں مگر خاندان کی مخالفت کے سامنے ان کی ایک پیش نہیں جاتی۔ بعض سعید الفطرتؑ احمدیت کی اکثر صداقتوں کے قائل ہیں مگر انہیں بھی اجنبیت شکوک و شبہات کے تلاطم میں لٹکائے ہوئے ہے۔ ادھر خاکسار گزشتہ جرموں کے باقیات سے سخت پریشان رہتا ہے۔ اپنی بدقسمتی پر ہر وقت نالاں ہے۔ سیدنا! کتنا بدقسمت ہے وہ شخص جو تمام مخالفتوں اور تکلیفوں کو نظرانداز کرتے ہوئے ایک سچائی کو قبول کرتا ہے مگر پھر بھی شیطانی غلبہ قدم قدم پر اس کو ٹھکراتا اور بھٹکاتا ہے۔ وہ حسرت بھری نظروں سے لیلائے مقصود کو سامنے دیکھتا ہے مگر اس تک پہنچنے کی سکت نہیں پاتا۔ ہر لحظہ اور ہر لمحہ یہی محسوس کرتا ہے کہ خدائی توفیق ابھی پورے جوش کے ساتھ شیطانی لشکر کی شکست کے لئے نازل نہیں ہوئی یا ابھی وہ بدقسمت اس قابل نہیں ہوا کہ اسے اس نعمتِ غیر مترقبہ سے نوازا جائے۔ وجہ کچھ بھی ہو محرومی ابھی تک سر پر کھڑی ہے اور نہایت ڈراؤنی صورت بنائے تاک میں ہے کہ موقع ملے اور وہ حملہ کرے۔

جن دنوں خاکسار نے بیعت کی تھی انہیں دنوں بندہ نے خواب دیکھا کہ موجیں مارتا ہوا ایک سمندر رہے۔ جس میں ایک پہیوں والی کشتی ہے۔ جس پر حضور سوار ہیں اور میں بھی اس کشتی میں سوار ہوں۔ ایک پہاڑی کے ساتھ وہ کشتی جا لگی اور پہیوں کے بل پہاڑ پر چلنے لگی۔ تھوڑی دور جا کر آپ کشتی سے اترے اور ایک نکڑ سے چڑھ کر دوسری طرف درختوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔ خاکسار اس نکڑ سے چڑھنا چاہتا ہے مگر جس پتھر کو ہاتھ ڈالتا ہے وہی اکھڑ جاتا ہے۔ اسی پریشانی میں میری آنکھ کھل گئی۔ اسی طرح جن دنوں مرزا یعقوب بیگ صاحب فوت ہوئے خاکسار نے خواب میں دیکھا کہ حضور ایک کمرہ میں قالین پر بیٹھ کر تکیہ لگائے کچھ لکھ رہے ہیں۔ دوسری طرف جناب مفتی صاحب یا جناب مولوی شیر

علی صاحب (اس وقت اچھی طرح یاد نہیں) بیٹھے ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب لاہوری روتے ہوئے کمرہ میں آتے ہیں اور مفتی صاحب یا مولوی شیر علی صاحب کے پاس بیٹھ کر روتے ہوئے کہتے ہیں میں تو برباد ہوگیا۔ خدا کے لئے میرے ساتھ صلح کرو۔ وہ مولوی صاحب کو صلح کی شرائط بتاتے ہیں جو اس وقت اچھی طرح یاد نہیں۔ حضور جب مولوی صاحب کی آواز سنتے ہیں تو قلم کو لب مبارک کے ساتھ لگا کر ذرہ سا تبسم فرماتے ہوئے مولوی صاحب کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس کے بعد بندہ کی آنکھ کھل گئی۔ لَاَدْرِیْ مَا تَعْبِیْرُہُمَا۔ غرض حالات پریشان ہیں

فَاَشْکُوْا اِلَی اللّٰہِ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّۃَ حِیْلَتِیْ

اس ساری کہانی اور قصہ کا مدعا دعاء مستجاب کی التجا ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلے اور عرش معلی کو جا ہلائے۔ "گر قبول افتد زہے عزو شرف"

خاکسار محمد سیف الرحمان احمدی مقیم کھوتکہ ڈاکخانہ سوڈھی جے والی تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا

حضرت ملک سیف الرحمٰن

معرکۂ حق و باطل میں سپاہِ وقف کا
اِک سپاہی تھا نڈر اور سیف تھا رحمان کی

اِس قدر مضبوط رشتہ تھا سپہ سالار سے
فرماں برداری ہی تھا ایمان۔ ہر فرمان کی

مسندِ مُفتی ہو یا ہو جامعہ کی منصبی
ہر جگہ پھیلائی اس نے روشنی ایمان کی

وہ غم و آلام سے ایسے گلے ملتا رہا
ناز برداری کرے جیسے کوئی مہمان کی

آسماں سے جب بلاوہ آگیا تو اُڑ گیا
خوشنوا بُلبل مسیحِ پاک کے بُستان کی

والہ و شیدا خلافت کا دمِ آخر رہا
لاج رکھی اُس نے قدسی عہد کی پیمان کی

عبدالکریم قدسی

درویش صفت

ثقہ اور ٹھوس عالمِ دین
حضرت امام جماعت احمدیہ کا ایک مکتوبِ گرامی

پیاری آپا شوکت　　　　السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ میرے آپا شوکت لکھنے سے آپ کو اتنی خوشی ہوگی تو اب تک کئی بار لکھ چکا ہوتا۔ اللہ آپ کو ہمیشہ ایسی خوشیاں نصیب فرمائے جو آکے نہ جانے والی ہوں۔

ملک صاحب نے آپ کو کبھی بتایا نہیں کہ اپنے سب اساتذہ میں سب سے زیادہ مجھے ملک صاحب سے قلبی تعلق رہا اور یہ تعلق وقت کے گزرنے سے کم نہیں ہوا۔ ویسے بھی ایک ثقہ اور ٹھوس عالم دین کے اعتبار سے جس کی سوچ متوازن اور افراط تفریط سے پاک ہے میرے دل میں ان کا بہت احترام ہے۔ اس لئے ضرورت کا تقاضہ بھی ہے اور دل بھی چاہتا ہے کہ بشرط صحت میرے پاس رہیں تاوقتیکہ کہ تقدیر الٰہی واپسی کا فیصلہ فرمائے لیکن اس میں ایسی جلدی بھی نہیں۔ ضروری ہے کہ ہر قسم کی چھان بین اور تشخیص کے بعد ہر ممکن علاج کروا کر جس حد تک جسم مرمت اور صحت بحال ہو سکتی ہے مقدور بھر کوشش کر دیکھیں۔ بعد ازاں آپ کی اجازت سے بلکہ آپ راضی ہوں تو آپ کو ساتھ لے کر یہاں آجائیں۔

آپ سے یہ کس نے کہا ہے کہ آپ ربوہ کے درویشوں میں شامل نہیں۔ آپ اور ملک صاحب تو مستقل اور پکے درویش اور درویشنی ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جو اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کے مصداق شہروں میں بھی اپنی درویشی ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ مجھے تو آپ کے بچوں میں بھی درویشی کی صفت صاف دکھائی دیتی ہے۔

اللہ آپ کا گھر ہمیشہ خوشیوں سے معمور رکھے اور دونوں جہانوں کی حسنات سے نوازے۔ خدا حافظ

والسلام۔ خاکسار

"مرزا طاہر احمد"

اہل پاکستان آج کل خصوصی دعاؤں کے محتاج ہیں۔ ان کی طرف سے دل سخت بے قرار رہتا ہے۔ اللہ مجھے ان کے دکھوں کی آزمائش سے بچائے۔ آمین

نوٹ:۔ آج کل تو ربوہ کی بہار بھی یہاں کی خزاں سے بہت زیادہ اداس ہے۔

واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا
انا فتحنا لك فتحا مبينا
ولقد نصركم الله ببدر وانتم اذلة

MIRZA TAHIR AHMAD
HEAD OF THE AHMADIYYA COMMUNITY
IN [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

لنڈن
16.11.1363
1984

پیاری آپا شوکت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ میرے آپا شوکت لکھنے سے آپ کو اتنی خوشی ہوگی تو اب تک کئی بار لکھ چکا ہوتا ۔ اللہ آپ کو ہمیشہ ایسی خوشیاں نصیب فرمائے جو آکے نہ جانے والی ہوں ۔

ملک صاحب نے آپ کو کبھی بتایا نہیں کہ اپنے سب اساتذہ میں سب سے زیادہ مجھے ملک صاحب سے قلبی تعلق رہا اور یہ تعلق وقت کے گزرنے سے کم نہیں ہوا ۔ ویسے بھی ایک ثقہ اور مخلص عالم دین کے اعتبار سے جس کی سوچ متوازن اور افراط و تفریط سے پاک ہے میرے دل میں ان کا بہت احترام ہے ۔ اس لئے ضرورت کا تقاضہ بھی ہے اور دل بھی چاہتا ہے کہ بشرط صحت میرے پاس رہیں تاوقتیکہ کہ تقدیر الٰہی واپسی کا فیصلہ فرمائے ۔ لیکن اس میں ایسی جلدی بھی نہیں ۔ ضروری ہے کہ ہر قسم کی چھان بین اور تحقیق کے بعد ہر ممکن علاج کروا کر جس حد تک حسب ضرورت اور صحت بحال ہو سکے

~~[crossed out]~~ مقدور بھر کوشش کر رہی ہیں

بعد ازاں آپ کی اجازت سے بلکہ آپ راضی ہوں
تو آپ کو ساتھ لے کر یہاں آ جائیں

آپ سے یہ کس نے کہا ہے کہ آپ
ربوہ کے درویشوں میں شامل نہیں۔ آپ اور
ملک صاحب تو مستقل اور پکے درویش اور درویشنی ہیں
اور ان لوگوں میں سے ہیں جو اینما تولوا فثم وجہ اللہ
کے مصداق شہروں میں بھی اپنی درویشی ساتھ لئے پھرتے
ہیں۔ مجھے تو آپ کے بچوں میں بھی درویشی کی صفت
صاف دکھائی دیتی ہے۔

اللہ آپ کا گھر ہمیشہ خوشیوں سے معمور
رکھے اور دونوں جہان کی حسنات سے نوازے
خدا حافظ!

والسلام
خاکسار
مرزا طاہر

اہل پاکستان آج کل خصوصی دعاؤں کے محتاج ہیں
ان کی طرف سے دل سخت بے قرار رہتا ہے۔
اللہ مجھے ان کے دکھوں کی آزمائش سے
بچائے۔ آمین

(نوٹ) آجکل تو ربوہ کی بہار بھی یہاں کی خزاں سے بہت زیادہ اداس ہے۔

ایک عالِم کی رحلت ۔ ایک عالَم کی موت

(مکرم حافظ مظفر احمد صاحب)

وہ وادی سون (خوشاب) کے ایک معزز نقشبندی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ بچپن سے ہی علم کا بے حد شوق تھا۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کرنے کے بعد حصول علم کی پیاس آپ کو کشاں کشاں لاہور میں لے آئی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب احمدیت کے خلاف احرار کی شورش زوروں پر تھی۔ آپ بھی مخالفت کی اس رو میں شامل ہوگئے اور چونکہ مقصد سے لگن کی خوبی آپ میں خوب پائی جاتی تھی اس لئے جلد ہی اس مخالفانہ مہم میں بھی ایک ممتاز مقام حاصل کرلیا اور انجمن سیف الاسلام نیلہ گنبد لاہور کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوگئے۔ اس انجمن کے ماتحت جماعت کے خلاف جلسے منعقد کئے جاتے اور مخالفانہ لٹریچر شائع کرتے۔ عوام کو مشتعل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی۔ احمدیوں کے جلسے درہم برہم کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جاتی۔

محترم ملک صاحب طبعاً شریف النفس اور سعید الفطرت انسان تھے۔ آپ نے احمدیت کے خلاف اپنے ہم مسلک دوستوں کو جائز و ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرتے دیکھا تو ان کی یہ روش دل میں کھٹکی۔ پھر احرار کانفرنس میں شرکت کے لئے قادیان جانا ہوا۔ وہاں کی ترقی بچشم خود دیکھی اور بہشتی مقبرہ وغیرہ کے بارے میں عوام الناس میں پھیلائی گئی خلاف واقعہ باتوں کی قلعی کھل گئی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر جاکر پرنم آنکھوں سے یہ دعا کی "مولیٰ! اگر یہ شخص سچا ہے تو میرے گناہوں کی پاداش میں مجھے اس کے فیوض سے محروم نہ رکھنا"۔

معلوم ہوتا ہے کہ صدق دل سے نکلی ہوئی یہ دعا بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت پاگئی۔ لاہور واپس آئے۔ ایک طرف احرار کو دن بدن اپنے بلند بانگ دعاوی میں ناکام ہوتے دیکھا اور طبیعت میں ایک مایوسی پیدا ہوئی تو دوسری طرف ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے آپ کے ضمیر کو جنجھوڑ کر رکھ دیا۔ واقعہ یوں ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کے احاطہ کی ایک مسجد میں احمدی نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ محترم ملک صاحب کو وہاں پر غیر احمدیوں کو نماز جمعہ پڑھانے کے لئے دعوت دے کر احمدیوں کو زبردستی وہاں جمعہ پڑھنے سے روکا گیا۔ اس واقعہ کا جو ردعمل آپ کی مرنجاں مرنج طبیعت پر ہوا وہ

آپ ہی کی زبانی سننے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں

"خاکسار کو ہر جمعہ تقریر کرنا پڑتی اور راہ ہدایت کی بڑے زور و شور سے تلقین کی جاتی مگر...... آہستہ آہستہ اندر ہی اندر ضمیر نے ملامت کرنی شروع کر دی۔ آخر کار حالت یہاں تک پہنچی کہ...... لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ...... کا مضمون آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا اور عالم اضطراب میں تقریر رک جاتی اور ایک لفظ تک کہنا محال ہو جاتا...... اس اثر کے پیش نظر خاکسار نے عملی حالت کے سدھارنے کی جانب توجہ کی مگر اس دشوار گزار وادی میں داخل ہوتے ہی گھبراہٹ اور اضطراب نے قدم پکڑ لئے ...... دہریت کے خیالات مردار گدھ کی طرح سر پر منڈلانے لگے"۔

ان حالات میں بعض احمدی دوستوں نے ملک صاحب کو احمدیت کی تعلیم پر غور و فکر کی دعوت دی تو آپ نے گہری نظر سے عقائد احمدیت کا مطالعہ اور جماعت کی ترقی اور احراری کوششوں کے مفید یا غیر مفید نتائج پر غور شروع کیا اور سیدنا حضرت مصلح موعود سے خط و کتابت شروع کی بالآخر ۱۹۳۵ء کے جلسہ سالانہ میں احمدی احباب کی دعوت پر قادیان آئے تو سیدنا حضرت مصلح موعود کی تقاریر اور عیدالاضحیہ کا خطبہ اور جلسہ کا روحانی ماحول آپ کے اندر ایک انقلاب برپا کرنے کا موجب بن گئے۔

☆ فقہ اور حدیث کے عالم

حضرت ملک صاحب بہت وسیع اور گہرے عالم تھے۔ علم صرف و نحو پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ اس موضوع پر آپ کی تصنیف "قواعد الصرف" اس مشکل مضمون کو آسان بنا کر دکھانے کی ایک عمدہ مثال ہے۔ علم فقہ میں بھی آپ کو گہری دسترس حاصل تھی۔ سیدنا حضرت مصلح موعود کی دور بین نگاہ نے آپ کے جوہر قابل کو شناخت کرکے علم فقہ میں آپ کو تخصص کروانے کا فیصلہ کیا اور آپ نے دیگر علماء کے ساتھ اس غرض کے لئے دلی کا سفر کیا۔ آپ مدرسہ فتحپوری دہلی کے مدرس مولوی ابراہیم بلیانوی صاحب سے سند یافتہ تھے۔ ذاتی طور پر بھی مطالعہ کا شوق تھا۔ چنانچہ جلد ہی آپ نے جماعت میں اس علم کا لوہا منوالیا۔ چنانچہ حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کی وفات پر جون ۱۹۴۷ء میں آپ کو مفتی سلسلہ احمدیہ کے فرائض تفویض ہوئے اور ۱۹۵۲ء میں حضور نے مجلس افتاء کا جب از سر نو احیاء فرمایا تو اس کمیٹی کے صدر مکرم ملک سیف الرحمان صاحب اور سیکرٹری مولانا جلال الدین صاحب شمس قرار پائے۔ بعد ازاں ۱۹۶۱ء میں جب حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب مجلس افتاء کے صدر نامزد ہوئے تو ملک صاحب سیکرٹری مقرر ہوئے۔

علم فقہ کی ایک اہم بنیاد حدیث رسول ﷺ ہے۔ حدیث پر بھی آپ کی وسیع اور گہری نظر تھی۔ چنانچہ ہمارے

موجودہ امام جب وقف جدید میں تھے تو ان کی خواہش پر "حدیقۃ الصالحین" کا قریباً چھ صد احادیث کا جو مجموعہ محترم ملک صاحب نے تیار فرمایا تھا اور جس کا آخری ایڈیشن اب ایک ہزار احادیث پر مشتمل ہے مگر ان عناوین باب کا تنوع ایسا ہے جو آپ کی وسعت نظر اور علمی بصیرت کی خوب نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں اللہ کی ذات و صفات اسلام و ایمان کے ارکان' عبادات' اخلاق فاضلہ اور اخلاق سیئہ اور دیگر معاشرتی آداب و مسائل پر مشتمل عناوین کا اہتمام تو آپ نے دیگر حدیث جمع کرنے والے بزرگان کی طرح فرمایا ہی ہے۔ ایسے عناوین جن کی پہلے دور میں بھی ویسی ہی ضرورت تھی جیسی کہ آج ہے مگر پہلے محدثین کی نظر اس طرف نہیں گئی جو آپ نے اپنی کتاب میں شامل کئے۔ مثال کے طور پر چند ایسے اہم مگر جدت پسندانہ عناوین یہ ہیں۔ وحی و الہام و کشوف۔ رضائے الٰہی۔ نعماء جنت۔ امام کی حفاظت۔ شوریٰ اور مقننہ۔ صحبت صالحین۔ حکومت اور پبلک کی ذمہ داریاں۔ استنباط مسائل کے بارہ میں راہ نما اصول۔ وقار عمل۔ تفریح و مزاح اور ورزش۔ شعر و شاعری۔ حکومت اور عہدہ کی طلب۔ ریاکاری۔ تکلف۔ نقالی۔ وہم پرستی وغیرہ۔ ہرچند کہ ان مضامین پر احادیث تو پہلے سے موجود تھیں مگر شاید ان ضروری عناوین کو ایسی اہمیت نہیں دی گئی یا فقہی مسائل پر زور دینے کے باعث محدثین کی توجہ ان روزمرہ کی ضرورت پر مشتمل عناوین کی طرف نہیں گئی جنہیں ملک صاحب کی اس دوربین نگاہ نے ڈھونڈ نکالا۔

کتاب کے دیباچہ میں آپ نے ضرورت و اہمیت حدیث پر ایک نہایت مدلل نوٹ تحریر فرمایا اور بظاہر مشکل اصطلاحات حدیث کا آسان زبان میں تعارف کروایا ہے۔ اس طرح حدیث اور کتب حدیث کی اقسام نیز مصنفین صحاح کے حالات پر مشتمل ایک مختصر اور جامع نوٹ بھی قلمبند فرمایا ہے۔ مزید برآں تازہ ایڈیشن میں صحابہ اور تابعین کے طبقات کے تفصیلی تعارف کا اضافہ کردیا ہے تاکہ حدیث کی سند کی حیثیت کے بارہ میں ایک عام قاری کے لئے بھی بہتر رنگ میں وضاحت ہوسکے۔

☆ علم کلام میں وسعت

قدیم علم کلام پر آپ کی وسعت نظر کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ بیماری کے آخری سالوں میں کینیڈا میں قیام کے دوران حضور ایدہ اللہ نے کسی خط میں ذکر فرمایا کہ مختلف مسالک فکر اور فلسفہ و منطق کے مختلف نظریات جاننے کے لئے ایسے مقالہ کی ضرورت ہے جس کے مطالعہ سے اسلامی فکر و نظر کی تاریخ کھل کر سامنے آجائے۔ اس پر محترم ملک صاحب نے جواباً عرض کیا کہ اس مسئلہ کے بارہ میں انہیں یادداشت تازہ کرنے کے لئے بعض کتب کا ازسرنو

مطالعہ کرنا ہوگا اور پھر آپ نے کچھ ہی عرصہ میں خود ہی وہ تحقیقی مقالہ دو صد فولز کیپ صفحات پر مشتمل مرتب کر کے حضور کی خدمت میں پیش کردیا جسے حضور نے نہایت سیر حاصل اور پر مغز مقالہ قرار دیا اور اس میں مزید کچھ اضافے کی خواہش کی تو ملک صاحب نے مزید اڑھائی صد فولز کیپ صفحات تحریر فرمائے جس میں آئمہ فقہ و حدیث کے مختصر سیرت و سوانح اور کام وغیرہ بیان فرمائے۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے فقہ میں آپ کو تخصص کروایا گیا تھا۔ پرانی فقہ پر آپ کی گہری نظر تھی۔ فقہ کے اپنے ایک متخصص شاگرد کو ایک مکتوب میں قیمتی ہدایات دیتے ہیں اس سے آپ کے وسعت مطالعہ کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"پرانی کتب میں سے "بدایۃ المجتہد لابن حزم" "اعلام الموقعین" لابن قیم، "بدائع الصنائع" اور "بحرالرائق" کا بغور مطالعہ فائدہ بخش ہوگا"۔ شرح الوقایہ کا حاشیہ جو "عمدۃ الرعایہ" کے نام سے مولانا عبدالحئی لکھنوی کا مرتب کردہ ہے وہ بھی پرانے انداز فقہ کو سمجھنے کے لئے خاصہ مفید ہے۔ حضور کے ارشادات کے مطابق زمانہ نے حالات کو زیر و زبر کر دیا ہے اس لئے اب نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ ہاں! امام غزالیؒ کی کتاب "المستصفیٰ" کا مطالعہ بھی ضرور کریں۔ بڑی عمدہ سہل العبارہ کتاب ہے اور پرانے اصول فقہ کا انسائیکلوپیڈیا۔ نئی کتابوں میں سے مجھے "فلسفۃ التشریع الاسلامی" اور "الاشرۃ" کا دیباچہ پسند ہے۔ اس طرح حضرت ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب "الانصاف" اور "عقد الجید" بھی قابل مطالعہ کتابیں ہیں۔ مسائل کے لحاظ سے "فقہ مذاہب اربعہ" اگر مکمل مل سکے تو اس کا مطالعہ جاری رکھیں"۔

(مکتوب ملک صاحب از ایڈمشن ۸۶-۱۲-۸ بنام عبدالماجد طاہر صاحب)

☆ فتاویٰ میں وسعت نظر

محترم ملک صاحب کے فقہی مضامین ہوں یا فتاویٰ ان میں بھی ایک وسعت نظر اور عالمی سوچ غالب نظر آتی ہے جو تنگ نظر فقیہوں سے ہٹ کر ایک عالم ربانی کی شان اور ایک عالمگیر دین کا مزاج ہے۔ مثلاً رمضان کے روزے جیسے سادہ موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

"ایک عظیم الشان کلام اور دائمی مذہب کی بنیاد جس عبادت پر رکھی گئی ہے وہ روزہ تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ روزہ ایک ایسا بابرکت سورج ہے جس کی شعاعیں انسانیت کی تکمیل کا باعث ہیں اور اس کی فرحت بخش حرارت حق کی تلاش کے بیج کو نمو عطا کرتی ہے اور ان شعاعوں کی روشنی میں ہی وہ بڑھتی، پھیلتی اور پھولتی ہے۔ کٹھن راہیں آسان سے آسان تر نظر آتی ہیں اور منزل مقصود پا کر تخلیق انسانیت کا مقصد اکمل بالکل صاف سامنے نظر آنے لگتا

ہے"۔

پھر یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہ جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

"توبہ کے سلسلہ میں اصل چیز ندامت ہے جو دل کی گہرائیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ کیفیت انسان کے اندر پیدا ہو جائے لیکن اس میں ساٹھ روزے رکھنے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کی استطاعت نہ ہو تو اسے اللہ کے رحم اور فضل پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اس صورت میں استغفار ہی اس کے لئے کافی ہوگا"۔

اور اس کی تائید میں آپ اسوہ رسول ﷺ سے وہ واقعہ پیش کرتے ہیں جس میں ایک ایسے ہی روزہ توڑنے والے مجبور شخص کو دربار رسول ﷺ سے صدقہ کرنے کے لئے کھجور کی ٹوکری ملی تھی اور اس کی اس درخواست پر کہ خود اس سے بڑھ کر مدینہ میں کوئی غریب نہیں رسول اللہ ﷺ نے ہنس کر فرمایا تھا کہ جاؤ یہ کھجوریں اپنے اہل کو کھلادو۔

اسی ضمن میں آپ آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہ امور جن کے متعلق عوام سمجھتے ہیں کہ ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے پچھنے لگوانا، قے کرنا، دن کو سرمہ لگانا، معمولی آپریشن کرانا، کلورو فارم سونگھنا، ان باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ انہیں پسند نہیں کیا گیا۔ ان کے علاوہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، خوشبو لگانا، داڑھی اور سر میں تیل لگانا، بار بار نہانا، آئنہ دیکھنا، مالش کرانا، پیار سے بوسہ لینا ان میں سے کوئی فعل بھی منع نہیں...... جنابت کی حالت میں اگر نہانا مشکل ہو تو نہائے بغیر کھانا کھا کر روزہ کی نیت کر سکتا ہے"۔ (روز نامہ الفضل ۱۸ تا ۲۰ جون ۱۹۵۰ء)

اب یہ وہ سادہ مسائل ہیں جن کے بارہ میں نیم ملا سختی کرکے دین کا حلیہ بگاڑنے اور اس پر تشدد کا الزام روا رکھنے کا موجب بنتے ہیں۔

حج اور عیدِ قربان کے موضوع پر خامہ فرمائی کرتے ہوئے بھی یہی وسیع الخیالی سامنے آتی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"عظیم الشان مذہب کی عظیم الشان تقریبات میں حج اور عید قربان کی تقریب کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور اس قومی عبادت کے ساتھ اسلام کی وسیع تاریخ وابستہ ہے"۔

عید الاضحیہ کی قربانی سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"جو مسلمان صاحب نصاب ہے (یعنی اس کے پاس اس قدر مال ہے جس سے زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے) اس کے لئے قربانی ضروری ہے۔ پھر جو لوگ دور کے دیہات سے عید کی نماز میں شامل ہونے کے لئے آتے ہیں ان کے لئے اجازت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو سورج نکلنے کے بعد اپنی قربانی ذبح کرلیں کیونکہ اگر وہ عید کی نماز سے واپس جاکر قربانی ذبح کریں تو اس میں انہیں بہت دیر ہو جائے گی اور عید کے کھانوں میں قربانی کے گوشت کو شامل کرنے سے محروم ہو جائیں گے"۔ (۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء)

ایک مجتہد اور فقیہہ

علم فقہ میں تخصص کے حوالہ سے محترم ملک صاحب نے جماعت میں اس علم کی ترویج کے لئے نہایت عمدہ خدمات انجام دینے کی توفیق پائی۔ ۱۹۵۲ء میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر بیت المبارک میں ہفتہ میں دو روز آپ فقہ کا درس دیتے رہے۔ احمدیہ فقہ کی تدوین کے سلسلہ میں بھی آپ کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ فی الوقت عبادات اور مناکحات پر مشتمل فقہ کی دو جلدیں مرتب ہو کر شائع ہو چکی ہیں ان کے ابتدائی مسودات محترم ملک صاحب مرحوم کی ذاتی توجہ اور نگرانی میں تیار ہوئے اور فقہ کمیٹی کے مشوروں کے بعد امام وقت کی منظوری سے شائع ہوئے۔ آپ نے کئی متخصصین علم فقہ میں تیار کئے اور علم فقہ کے لئے جماعت کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ جماعت میں علم فقہ کا تعارف کروانے کے لئے آپ نے کئی مضامین لکھے۔ جو آپ کی گہری علمی بصیرت اور وسیع النظری کی خوب عکاسی کرتے ہیں۔ ملائیت زدہ دقیانوسی سوچ سے قطع نظر آپ کی سوچ نئے دور کے تقاضوں کے مطابق ایک معتدل اور مستقیم سوچ تھی۔ ایک بالغ نظر فقیہانہ فکر!

فقہ کی تدوین اور اس کا مختصر تاریخی جائزہ" کے زیر عنوان ایک مضمون کے آخر میں آپ نے کیا خوب نتیجہ نکالا ہے۔

شریعت کے دائمی احکام جن کا تعلق عقائد' عبادات' معاد' اخلاق اور معاملات سے ہے ان کے علاوہ دوسرے درجہ کے امور جن میں شریعت کا کوئی واضح منصوص ارشاد موجود نہیں اور جنہیں اجتہادی احکام کا نام دے سکتے ہیں ان کے بارے میں تبدل و تغیر کی بحث کرتے ہوئے کیا مدلل خلاصہ تحریر فرماتے ہیں۔

"چونکہ احکام اسلامی کی بنیاد مصالح عباد پر ہے اور ان سے معاشرہ کی اصلاح مقصود ہے اس لئے زمانہ اور ملک کے اختلاف کی وجہ سے اگر مصالح بدل جائیں عادات میں تبدیلی آ جائے تو ان مصالح اور عادات پر مبنی احکام بھی بدل جائیں گے۔"

(مجلہ الجامعہ جلد ا شمارہ ۲)

اصول فقہ کی تدوین (مطبوعہ ماہنامہ خالد نومبر ۵۴) اور اصول فقہ کا مختصر تعارف (مجلہ الجامعہ جلد ا شمارہ ۲) اسلام میں اجتہاد اور اس کی شرائط کے موضوع پر بھی آپ نے الگ الگ مضامین تحریر فرمائے۔ جن سے فقہ پر آپ کی وسیع نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

"علم فقہ یا اسلامی قانون بنا بنایا اور گھڑا گھڑایا ہمیں نہیں ملا بلکہ اس میں تدریج ترقی ہوئی پہلے یہ مختصر سرمایہ تھا اور پھر ضرورت زمانہ کے پیش نظر اس میں بیش بہا اضافے ہوئے اس لئے ماضی میں اگر اس میں اضافے ہوئے اس کی شکلیں بدلیں تو اب کیوں ایسا نہیں ہو سکتا اور کس طرح اس میں اضافہ تبدیلی ناممکن ہو گئی نہیں ایسا نہیں آج بھی نئے اجتہاد کے دروازے کھلے ہیں اور نئے راستے ہمت والوں کو پکار پکار کر اپنی طرف آنے کے لئے بلا رہے ہیں۔ شرط قرآن حکیم کا فہم و تقاضہ وقت کا صحیح اندازہ ہے۔"

(ماہنامہ خالد دسمبر ۱۹۵۸ء)

اسی تعلق میں ایک اور مضمون آپ نے اسلامی قانون اور زمانہ کی تبدیلی کے عنوان سے رقم فرمایا۔ اس میں آپ نے گزشتہ فقہاء اور تاریخ فقہ سے مثالوں کی روشنی میں واضح فرمایا کہ:-

اسلامی قانون اپنی روح اور بنیاد کے لحاظ سے اگرچہ غیر مبدل ہے۔ لیکن اپنی تفصیلات' ظاہری صور کے لحاظ سے معاشرہ کی ضروریات اور

اس کی اعلیٰ ترقیات کے تقاضوں کے مطابق انتہائی چمکدار بھی ہے۔ آپ نے "اسلام کا نظام شہادت" اور "عورت کی شہادت" کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا موقف کے موضوع پر مضامین تحریر فرمائے۔ جو غیر مطبوعہ ہیں۔ "رجم کی سزا اور اسلام" پر بھی آپ کا ایک غیر مطبوعہ مقالہ موجود ہے۔

ذبیحہ اہل کتاب کے موضوع پر آپ نے جولائی ۱۹۵۴ء میں مضمون رقم فرمایا اور ۱۹۶۴ء میں مجلہ الجامعہ شمارہ نمبر ۴ میں ایک انگریز نو مسلم کے چند سوالوں کے جواب دیتے ہوئے "اسلام میں لونڈی کے مسئلہ" کی وضاحت فرمائی ہے۔

آپ ایک احسان شناس اور باوفا انسان تھے۔ تخصص کے زمانہ میں کچھ عرصہ دلی میں جناب محمد ابراہیم صاحب بلیاوی استاد دیوبند سے فقہ و حدیث کی تعلیم پائی تھی۔ ان کی وفات پر "البدر" قادیان (۱۴ مارچ ۱۹۶۸ء میں ان کے ذکر خیر پر مشتمل مضمون لکھا جو آپ کی وفا اور احسان شناسی کا مظہر ہے۔ آپ نے لکھا کہ

مولانا مرحوم نے کسی دباؤ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بڑی جرات اور محبت سے قریباً سال بھر تک ہمیں استفادہ کا موقع دیا۔ لیکن کچھ دیر بعد کچھ شرارت پسند لوگ نواب زادہ لیاقت علی خان (جو ان دنوں دہلی او قاف کمیٹی کے صدر تھے) کے پاس گئے اور شکایت کی کہ مدرسہ فتحپوری میں دو مرزائی طالب علم پڑھتے ہیں نواب زادہ صاحب نے مولانا کو بلایا اور اسی بارہ میں بات چیت کی تو مولانا نے کہا کہ میں ان کو حدیث رسول سننے سے کیسے منع کر سکتا ہوں" پھر جب مدرسہ میں بوجوہ پڑھانے میں روک پیدا ہوئی تو گھر پر پرائیویٹ طور پر ملک صاحب اور ان کے ساتھی کو پڑھاتے رہے۔ فقہ کے ایک ثقہ اور مستند عالم ہونے کے لحاظ سے محترم ملک صاحب کو مختلف جلسہ سالانہ پر بعض اہم دینی مضامین پر تقریر کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ یہ تقاریر ایک مفید علمی سرمایہ ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

روز مرہ کے فقہی مسائل (نماز، روزہ، طلاق خلع وراثت) (تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۷۸ء)

فلسفہ زکوۃ (تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۷۹ء مطبوعہ "الفضل" ۶۔ جنوری ۱۹۸۰ء)

آداب معاشرۃ الاسلامیہ (تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء مطبوعہ "الفضل" ۷ جنوری ۱۹۸۱ء)

الغرض محترم ملک صاحب کے علم و فضل کی بات ہو یا حسن خلق کی آپ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے اور آپ کے احسانات کا دامن بہت وسیع تھا۔ جامعہ کے زمانہ طالبعلمی میں اس عاجز کی علمی تربیت اور تخصص حدیث کے اہتمام میں محترم ملک صاحب کی کاوشوں کو بہت دخل تھا۔ آپ کا معاملہ محض ایک استاذ یا پرنسپل جامعہ کا ہی نہیں بلکہ ایک شفیق اور ہمدرد محسن کا تھا۔ مگر اس وقت ملک صاحب کے عالم حسن معاشرت کا تذکرہ مقصود نہیں کہ اسبارہ میں آپ کی وفات پر الفضل میں مختصراً کچھ تحریر کر چکا ہوں۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں بلکہ محترم ملک صاحب مرحوم کے عالم علم کا تذکرہ مقصود ہے اور ہمارے پیارے امام نے آپ کی وفات حسرت آیات پر کیا خوب اور کیا سچ فرمایا۔

"ان کی موت ایک عالم کی نہیں ایک عالم کی موت ہے مگر عالم عالم میں بہت فرق ہے کیڑی کا عالم اور ہے اور سلیمان کا عالم اور تھا۔ حضرت ملک صاحب مرحوم کا عالم بھی بہت وسیع تھا۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ محترم ملک صاحب کی نیک صفات اور اعلیٰ اقدار ہمیں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دارالافتاء

اور

حضرت ملک سیف الرحمن صاحب

مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ

(ظہیر احمد خان صاحب معاون مفتی سلسلہ)

روز تخلیق آدم سے اب تک جب بھی خدا تعالیٰ نے اپنی شریعت کو انسان کے لئے نافذ فرمایا علم اور تعلیم کو اس کا جزو لازم قرار دیتے ہوئے اس کے متعلق متعدد راہنما اصول بیان فرمائے۔ چنانچہ قرآنی ارشادات
وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (بقرہ: ۳۲) اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (العلق: ۲) اور اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق: ۴ تا ۶) وغیرہ اس پر شاہد ناطق ہیں۔
انہیں ہدایات کے پیش نظر انبیاء اپنے پیروکاروں کو علم و تعلیم کا حکم دیتے رہے۔ حضرت موسیٰ نے اپنے حواریوں کو خدا تعالیٰ سے ملنے والی الواح کو سمجھنے اور اس کی تعلیم کو حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔ ہمارے آقا و مولا سیدنا حضرت اقدس خاتم الانبیاء نے اپنے مقام اور مرتبہ کے مطابق اس حکم کو بھی اپنے صحابہ کے لئے انتہا تک پہنچا دیا۔ چنانچہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ اور طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اور اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ جیسے آپ کے اقوال زریں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔
علم کے متعدد شعبوں اور درجوں میں سے ایک شعبہ تَفَقُّهٌ فِي الدِّيْنِ ہے یعنی دین سے متعلق سمجھ بوجھ حاصل کرنا۔ اسی سے لفظ فقہ اور فقیہ مرکب ہیں۔ اور اصطلاح میں علم فقہ انسان کے دینی اعمال کے ظاہری پہلوؤں پر بحث کا نام ہے۔ اور اس علم کی مہارت رکھنے والے کو اصطلاحاً فقیہ کہا جاتا ہے۔ اور اس علم کی روشنی میں لوگوں کے سوالات کے جوابات کا نام فتویٰ اور جواب دینے والے شخص کو مفتی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔
اس علم کے حوالے سے یہاں پر جس شش جہت بزرگ شخصیت کا تذکرہ کیا جائے گا وہ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ ہیں۔ قبل اس کے کہ اس بزرگ ہستی کا دارالافتاء کے حوالہ سے تذکرہ کیا جائے

اختصار کے ساتھ دارالافتاء سلسلہ عالیہ احمدیہ کا تعارف مناسب ہوگا۔

☆ دارالافتاء کا قیام

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں اور پھر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے زمانے میں اس کا باقاعدہ شعبہ قائم نہ تھا بلکہ احباب کے استفتاء کا جواب پہلے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاول خود فرماتے رہے۔ دارالافتاء کا پہلی دفعہ قیام سیدنا حضرت فضل عمر المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی کے عہد مبارک میں عمل میں آیا۔ چنانچہ یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو حضور نے ایک فرمان مبارک کے ذریعہ اعلان فرمایا:۔

"تمام احباب جماعت احمدیہ کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے کہ ضروریات سلسلہ کے پورا کرنے کے لئے قادیان اور بیرونجات کے احباب سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ سلسلہ کے مختلف کاموں کے سرانجام دینے کے لئے چند ایسے افسران مقرر کئے جائیں جن کا فرض ہو کہ وہ حسب موقع اپنے متعلقہ کاموں کو پورا کرتے رہیں اور جماعت کی تمام ضروریات کے پورا کرنے میں کوشاں رہیں..... جماعت کی ضروریات افتاء کو مدنظر رکھ کر افتاء کے لئے مولوی سید سرور شاہ صاحب مکرمی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور مکرمی حافظ روشن علی صاحب ..... کو مقرر کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ احباب ان لوگوں کے کام میں پوری اعانت کریں گے..... اور ان کی تحریرات کو میری ہی تحریرات سمجھیں گے۔" (بحوالہ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۲۴۲)

اس ارشاد مبارک کے مطابق ۱۹۱۹ء میں افتاء کی ذمہ داری تین بزرگوں پر ڈالی گئی۔ اور حضور انور نے تینوں بزرگوں کو فتاوی دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ تاہم افتاء کا زیادہ تر کام حضرت مولانا حافظ روشن علی صاحب ہی سرانجام دیتے رہے۔ ۲۳ جون ۱۹۲۹ کو حضرت حافظ صاحب اس دنیا فانی سے انتقال فرما گئے۔ آپ کی وفات کے بعد افتاء کا کام حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کے سپرد ہوا۔ چنانچہ تاریخ احمدیت میں لکھا ہے:۔

"حضرت حافظ روشن علی صاحب کی وفات کے بعد افتاء کی اکثر و بیشتر ذمہ داری حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کے کندھوں پر آپڑی جسے آپ عمر بھر کمال خوبی و خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔"

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ششم صفحہ ۲۷)

۱۹۳۱ء سے فتاوی کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جانے لگا۔ چنانچہ دارالافتاء میں مفتیان کرام سلسلہ عالیہ احمدیہ کے فتاوی کا جو ریکارڈ موجود ہے۔ اس میں حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کا پہلا فتوی ۲۳ اگست ۱۹۳۱ کا اور آخری فتوی ۳۱ مئی ۱۹۴۷ کا درج ہے اس طرح تقریباً سولہ سال کے عرصہ میں آپ نے دو ہزار دو صد اکاون فتاوی جاری فرمائے۔

حضرت مصلح موعود ـــــ وبزرگانِ سلسلہ کے ساتھ ایک یادگار تصویر
(کرسیوں پر) بیٹھے ہوئے دائیں جانب حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جامعہ احمدیہ کے سٹاف کے ساتھ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی جامعہ احمدیہ تشریف آوری کے یادگار مناظر
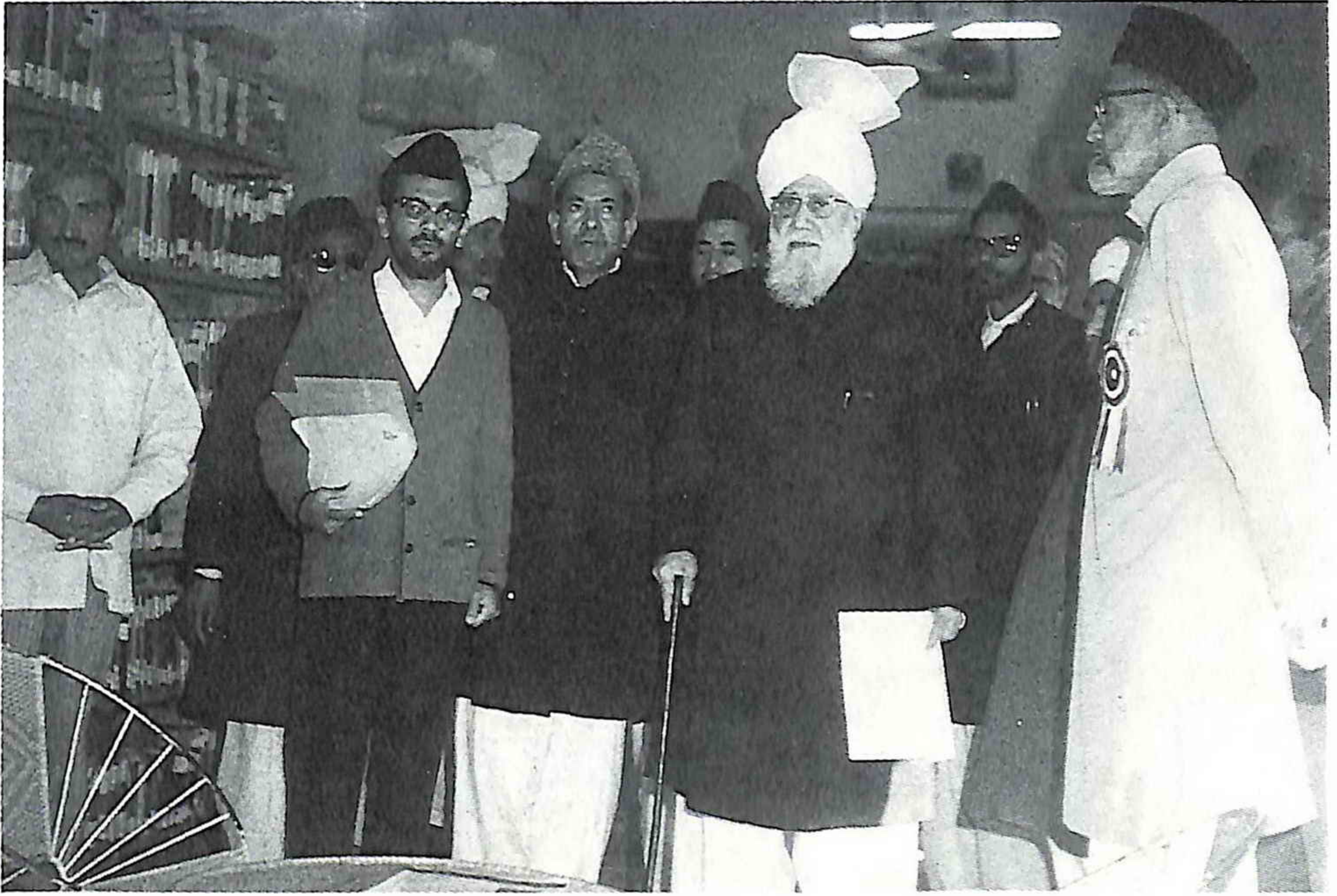
جامعہ احمدیہ کی لائبریری کے توسیعی منصوبہ کا جائزہ لیتے ہوئے
(دائیں سے بائیں) ملک سیف الرحمٰن صاحب، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ، مکرم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب، مکرم سیّد میر محمود احمد صاحب ناصر، مکرم حمید احمد صاحب خالد (انچارج لائبریری)
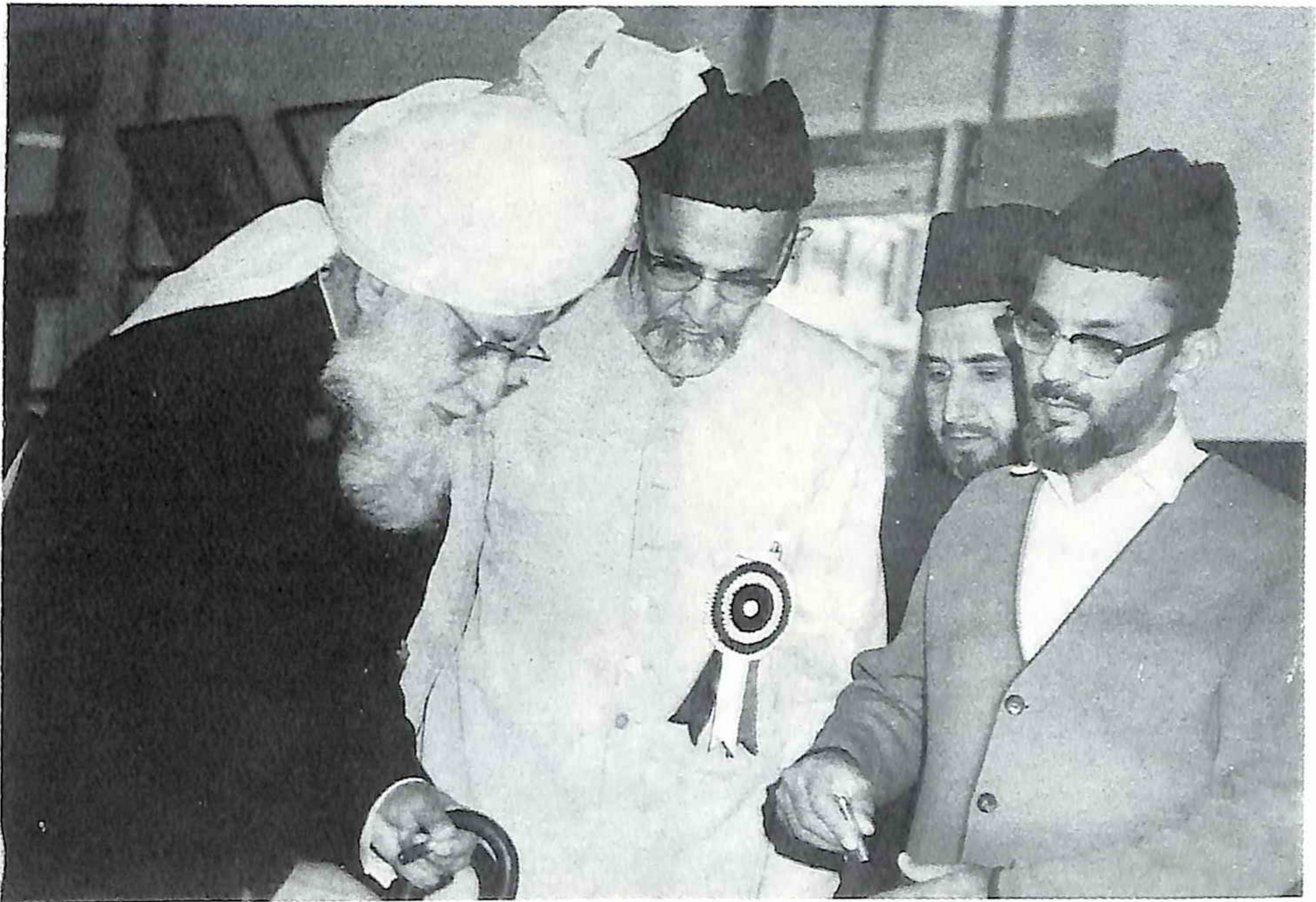
جامعہ احمدیہ کے دو پرنسپل اپنے آقا رحمہ اللہ کے ساتھ
(تصویر میں موجودہ نائب پرنسپل قریشی نور الحق صاحب تنویر بھی نمایاں ہیں)

☆ افتاء کمیٹی کا قیام

دارلا فتاء کے حوالے سے یہاں پر ضمناً یہ بات بھی بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت مصلح موعود نے فقہ اسلامی کے مختلف مسائل پر غور و فکر کرنے کیلئے ۱۹۴۳ کے آخر میں افتاء کمیٹی کا قیام فرماتے ہوئے اس کے حسب ذیل ابتدائی ممبران نامزد فرمائے:۔

☆ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب (مفتی سلسلہ)، ☆ حضرت میر محمد اسحاق صاحب ☆ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری

اگلے سال ۱۹۴۴ میں حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی وفات پر اس کمیٹی کے ممبران میں حضور نے حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی اور حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب جٹ کا اضافہ فرمایا اور کمیٹی کا صدر حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کو اور سیکرٹری حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کو مقرر فرمایا۔ (تاریخ احمدیت جلد نہم صفحہ ۴۵۴، ۴۵۵)

جون ۱۹۴۷ء کو حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب مفتی سلسلہ کی وفات کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعود نے حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کو مفتی سلسلہ کے اہم منصب پر فائز فرمایا۔

☆ دارالافتاء اور حضرت ملک سیف الرحمان صاحب

حضرت ملک صاحب معزز اور دینی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کو دینی علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اس شوق کے تحت آپ نے مختلف دینی علوم حاصل کئے۔ اور پھر آغوش احمدیت میں آنے کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعود کی ذاتی توجہ اور راہنمائی میں آپ نے اس علم کو خوب صیقل کیا۔ گویا آپ ایک قیمتی پتھر تھے جسے سیدنا حضرت مصلح موعود جیسی جوہر شناس شخصیت نے پہچانا اور پھر اس قیمتی پتھر کی ایسی تراش کی کہ اسے ہیرا بنا دیا۔ اس تراش کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ حضور انور نے سلسلہ کے بزرگ علماء کے قائمقام تیار کرنے کے لئے جن طلباء کو حصول علم کے لئے مختلف مدرسوں میں بھجوایا ان میں سے ایک حضرت ملک سیف الرحمان صاحب بھی تھے۔ چنانچہ حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب کی وفات کے بعد ۶ جون ۱۹۴۷ء کو جو خطبہ جمعہ حضور نے ارشاد فرمایا اس میں آپ نے فرمایا:۔

"مجھے کئی سال سے یہ فکر تھا کہ جماعت کے پرانے علماء اب ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یکدم جماعت کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑے اور جماعت کا علمی معیار قائم نہ رہ سکے۔ چنانچہ اس کے لئے میں نے

آج سے تین چار سال قبل نئے علماء کی تیاری کی کوشش شروع کر دی تھی۔ کچھ نوجوان تو میں نے مولوی صاحب سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مولوی صاحب کے ساتھ لگا دیئے اور کچھ نوجوان باہر بھجوا دیئے۔ تاکہ وہ دیو بند وغیرہ کے علماء سے ظاہری علوم سیکھ آئیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور قدرت کی بات ہے کہ ان علماء کو واپس آئے صرف ایک ہفتہ ہوا ہے۔ جب وہ واپس آ گئے تو مولوی صاحب فوت ہو گئے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت تک وفات نہ دی جب تک کہ علم حاصل کر کے ہمارے علماء واپس نہیں آ گئے۔ اتنی دیر تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی تائید و نصرت کرتا ہے اور خود اس کا قائم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن تک ہماری جماعت کے ایک چوٹی کے عالم کو فوت نہیں ہونے دیا جب تک کہ نئے علماء کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔"

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد دہم صفحہ ۶۹۴)

اس کے بعد سیدنا حضرت فضل عمر نے مفتی سلسلہ کے اہم عہدے پر حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کو قائم فرمایا۔ حضور انور کے فیصلہ سے یہ بات ظاہر و باہر ہو گئی کہ آپ کے نزدیک افتاء کے امور میں حضرت سید سرور شاہ صاحب کی قائمقامی کا حق حضرت ملک صاحب احسن طور پر ادا کر سکتے تھے۔ چنانچہ بعد کے حالات نے اس بات کو سو فیصد سچا ثابت کر دیا اور حضرت ملک سیف الرحمان صاحب نے حقیقت میں حضرت سید سرور شاہ صاحب کی جانشینی کا حق ادا کر کے عرب شاعر کے اس شعر کو اپنے اوپر منطبق کر لیا۔

اذا سید منا خلا قام سید
قوول لما قال الکرام فعول

آپ مفتی سلسلہ کے اہم جماعتی عہدہ پر قریباً بیالیس سال تک فائز رہے۔ اور اپنی مجتہدانہ شش جہت علمی شخصیت کے جوہر دکھاتے رہے۔ آپ نے اس عرصہ میں (دارالافتاء میں موجود ریکارڈ کے مطابق جس میں بعض سالوں کے فتاویٰ درج بھی نہیں) تقریباً ساڑھے پانچ ہزار فتاویٰ جاری فرمائے۔ ان فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپ صرف علم فقہ کے ہی ماہر نہ تھے بلکہ آپ بہت سے علوم کا مجموعہ تھے۔ قرآن کریم پر آپ کی گہری نظر تھی، تفسیر القرآن کے آپ ماہر تھے، احادیث مبارک کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے، عربی ادب کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھے، آئمہ فقہاء کی کتب کا گہرا اور وسیع مطالعہ ہونے کے سبب ان کی آراء و دلائل ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہتے تھے۔ مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ان پرانے فقہاء کی آراء اور دلائل کو من و عن آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کر لیا کرتے تھے۔ بلکہ اپنی خدا داد عقل اور روحانی فراست سے جسے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ اور سیدنا حضرت مصلح موعود کی حسن تربیت نے جلا بخشی تھی، بھرپور استفادہ فرماتے چنانچہ ان تمام

امور کا آپ کے فتاویٰ میں بھرپور اظہار دکھائی دیتا ہے۔

مفتی سلسلہ کی اہم ذمہ داری کے علاوہ دارالافتاء کے حوالہ سے جو خدمات آپ نے سرانجام دیں ان کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش ہے:۔

☆ ۱۹۴۹ء میں حکومت پاکستان کے فنانس ڈیپارٹمنٹ نے ایک "زکوۃ کمیٹی" قائم کی جس نے فریضہ زکوۃ کے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لئے ۳۹ سوالات مرتب کر کے مختلف انجمنوں اور اداروں کو بھجوائے اور ان کی ایک نقل حضرت امام جماعت احمدیہ کو بھی بھجوائی ان سوالات کے جوابات مرتب کرنے کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعود نے علماء جماعت احمدیہ کی جو ایک کمیٹی تشکیل فرمائی اس میں حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کو شامل فرمایا۔ چنانچہ اس کمیٹی نے جو جوابات مرتب کئے وہ بعد میں تشریح الزکوۃ کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

☆ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ فقہی مسائل پر غور و فکر کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعود نے ۱۹۴۳ء میں افتاء کمیٹی قائم فرمائی تھی۔ ۱۹۴۸ء میں حضور نے اس کمیٹی کو مجلس افتاء کا نام دیا اور پھر ۱۹۵۲ء میں اس کا از سر نو احیاء فرمایا اور دور نو کے پہلے صدر حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مقرر ہوئے۔

اس مجلس کی اہمیت حضور انور کے اس ارشاد سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے جو حضور نے اس کمیٹی کے احیاء کے بعد ۱۱۔جنوری ۱۹۵۲ء کے اخبار "الفضل" میں بطور اعلان شائع فرمایا۔ اس میں آپ نے فرمایا:۔

"جیسا کہ جلسہ پر اعلان کیا گیا تھا فقہی مسائل پر یکجائی غور کرنے اور فیصلہ کرنے کیلئے جماعت احمدیہ کی ایک کمیٹی مقرر کی جاتی ہے۔ تمام اہم مسائل پر فتویٰ اس کمیٹی کے غور کرنے کے بعد شائع کیا جائے گا۔ ایسے فتاویٰ خلیفہ وقت کی تصدیق کے بعد شائع ہونگے اور صرف انہیں امور کے متعلق شائع ہوں گے جن کو اہم سمجھا گیا ہو۔ ایسے فتاویٰ جب تک انکے اندر کوئی تبدیلی نہ کی گئی ہو یا تنسیخ نہ کی گئی ہو جماعت احمدیہ کی قضاء کو پابند کرنے والے ہوں گے اور وہ ان کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکے گی۔ ہاں وہ انکی تشریح کرنے میں آزاد ہو گی۔ لیکن اگر وہ تشریح غلط ہو تو یہی مجلس فتویٰ دہندہ اس تشریح کو غلط قرار دے سکتی ہے...... خاص امور کے متعلق خلیفہ وقت اس انجمن کا اجلاس اپنی نمائندگی میں کروائے گا۔ لیکن عام طور پر یہ کمیٹی اپنا اجلاس اپنے مقررہ صدر کی صدارت میں کیا کرے گی لیکن اسکے فیصلوں کا اعلان خلیفہ وقت کے دستخطوں سے ہوا کرے گا۔ اور ایسے ہی فیصلے سند سمجھے جایا کریں گے۔ سردست اس کمیٹی کے صدر جامعہ المبشرین کے پرنسپل ملک سیف الرحمان صاحب ہوں گے۔ اور اسکے سیکرٹری مولوی جلال الدین صاحب شمس۔ (مرزا محمود احمد خلیفہ المسیح الثانی ۵۲۔۱۔۷) (بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۱۵ صفحہ ۴۹۔ ۵۰)

بعد میں اس کمیٹی کے صدر مختلف وقتوں میں مختلف بزرگ مقرر ہوتے رہے۔ اور حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے سپرد اس مجلس کی سیکرٹری شپ ہوئی جسے تا وقت وفات آپ نہایت خوش اسلوبی سے نبھاتے رہے۔

☆ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے عرصہ صدارت کے دوران مجلس افتاء نے ۱۹۵۲ میں حکومت پاکستان کے قائم کردہ میرج اینڈ فیملی لاز کمیشن کے تیار کردہ سوالنامہ کا تفصیلی جواب سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر حکومت پاکستان کو بھجوایا۔ یہ سوالنامہ مع جواب مجلس افتاء الفضل مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۵۲ میں شائع ہوا۔

☆ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے دور صدارت اور پھر سیکرٹری شپ کے دوران (دارالافتاء کے ریکارڈ کے مطابق) مجلس افتاء نے ۴۲ اہم مسائل پر غور و فکر اور چھان بین کی۔ جنہیں حضرت خلیفہ المسیح کی توثیق حاصل ہوئی۔ اگرچہ ان میں سے ہر مسئلہ الگ اہمیت کا حامل ہے۔ تاہم بطور مثال مسئلہ سود' عید اور جمعہ کا اجتماع' غیر معمولی علاقہ جات میں نماز کے اوقات' ذبیحہ اہل کتاب کا مسئلہ' تبرکات حضرت مسیح موعود علیہ السلام' سفر میں روزہ' مسئلہ انشورنس' انسانی اعضاء کی پیوند کاری اور کلالہ کی وراثت کا مسئلہ قابل ذکر ہیں۔

☆ ۱۹۷۶ میں سیدنا حضرت خلیفہ المسیح الثالث نے جماعت احمدیہ کے مسلک کے مطابق مسائل فقہ کو مدون کرنے کے لئے نو اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی قائم فرمائی۔ جس کے صدر محترم مرزا عبد الحق صاحب اور سیکرٹری حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کو مقرر فرمایا۔

اس کمیٹی نے عبادات اور مناکحات سے متعلق جماعتی مسلک کے مطابق دو الگ الگ عناوین پر کتابیں شائع کیں جو فقہ احمدیہ کے نام سے معروف ہیں۔ ایک جلد میں نماز روزہ' حج اور زکوۃ سے متعلق جماعتی مسلک تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری جلد میں نکاح' طلاق' خلع اور وارثت سے متعلق احکامات بیان کئے ہیں۔

☆ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب ایک مجتہد عالم تھے۔ آپ زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر مختلف مسائل کو اپنی سوچ کے دائرہ میں لاتے رہتے تھے۔ اور ان پر غور و خوض فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۸۸ میں آپ نے زکوۃ کے بارہ میں مختلف پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے ایک سوالنامہ حضور انور ایدہ اللہ تعالی کی خدمت اقدس میں پیش کیا اور درخواست کی کہ اس پر تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ حضور ایدہ اللہ تعالی نے آپ کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے ان مسائل پر تحقیق کے لئے کمیٹی تشکیل دی۔

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کی اشد خواہش تھی کہ ان مسائل پر تحقیق آپ کی زندگی میں ہی مکمل ہو جائے اور جب یہ تحقیق مجلس افتاء میں پیش ہو تو مجلس افتاء کے ان اجلاسات میں آپ بھی شریک ہوں۔ آپ کی اس خواہش کے پیش نظر حضور انور ایدہ اللہ نے کمیٹی کو یہ ہدایت کی کہ ان مسائل پر تفصیلی مواد مکمل ہونے پر اسے مجلس افتاء میں پیش کیا جائے اور مجلس کے ایسے اجلاسات میں ملک سیف الرحمان صاحب بھی شریک ہوں۔

مگر تحقیق مکمل ہونے سے پہلے ہی آپ کو رفیق اعلی کی طرف سے بلاوا آگیا اور آپ اس ندا پر لبیک کہتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔

آپ کی ان چند خدمات کا تذکرہ آپ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے کافی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یکم جنوری ۱۹۳۶ سے ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۹ تک آپ کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک سانس وقف کے تقاضوں کے مطابق

صرف ہوا اور آپ شب و روز خدمت دینیہ میں ہی مصروف رہے۔ عین عالم شباب میں آپ کو قبول احمدیت کی توفیق ملی اور پھر چند سال بعد آپ نے اپنے آپ کو وقف کے لئے پیش کر دیا۔ لہٰذا آپ کی جوانی آپ کا بڑھاپا آپ کی صحت کی زندگی اور آپ کے بیماری کے ایام گویا آپ کی تمام حالتیں دین کے کاموں کے لئے ہی وقف تھیں۔ خاکسار کو وہ ایام بہت اچھی طرح یاد ہیں جب آپ کو مختلف عوارض کے ساتھ ساتھ شوگر کا عارضہ بھی لاحق تھا۔ اور اس کی وجہ سے آپ کے پاؤں اور ہاتھ متورم ہو جایا کرتے تھے۔ مگر آپ ان متورم اور زخمی پاؤں اور ہاتھوں کے ساتھ جامعہ احمدیہ میں طلباء سے بہت پہلے اسمبلی میں پہنچ جایا کرتے تھے۔ وہ وقت بھی یاد ہے کہ حضور انور کی طرف سے کوئی ارشاد موصول ہونے پر اپنی تمام تکالیف بھلا کر اس کی تعمیل میں منہمک ہو جایا کرتے تھے۔ اور اپنے متورم ہاتھ سے بہت زیادہ تکلیف اٹھا کر تحریر کا کام کیا کرتے تھے۔

ہم نہ تو آپ کی تمام خدمات کا تذکرہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ البتہ اپنے خدا کے حضور یہ دعا ضرور کر سکتے ہیں۔ کہ اے اللہ تعالیٰ ہمارے اس بہت ہی پیارے شفیق اور بزرگ استاد کو ان خدمات سے بہت بڑھ کر اجر عطا فرما اور جس طرح اس دنیا میں اسے ایک پتھر سے ہیرا بنا دیا۔ آخرت میں بھی اس ہیرے کو اپنے اور اپنے پیاروں کے قرب میں جگہ عطا فرمانا وہاں پر بھی یہ ہیرا تیرے پیاروں سے روشنی حاصل کر کے چمکتا دمکتا رہے۔ آمین۔

بقیہ از صفحہ 25

اس تعلق کی وجہ سے آپ کا مجھ سے محبت کا تعلق رہا۔ ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر قادیان تشریف لائے تو خاکسار کے ہاں ہی قیام رکھا اور ہمارے گھر کے لئے خوشی کا موجب بنے۔ خاکسار ربوہ جاتا تو ملاقات سے بے حد خوش ہوتے اور ہر طرح اعزاز و اکرام کرتے۔

جماعت احمدیہ کی عالمگیر ضروریات کے لئے بلند پایہ علماء تیار کرنے کا واحد ادارہ جامعہ احمدیہ ہے۔ آپ اس کے پرنسپل رہے۔ حضور نے آپ کو اپنی فراست مومنانہ سے مفتی سلسلہ احمدیہ بھی مقرر فرمایا اور آپ اس منصب جلیلہ پر تا آخر فائز رہے۔ حضور نے مجلس افتاء بھی قائم فرمائی۔ احمدی فقہا' اور قانون دانوں کی عرقریزی سے فقہ احمدیہ مدون ہو کر جماعت احمدیہ میں نافذ ہو چکی ہے۔ آپ ان خدمات جلیلہ اور منتخب احادیث النبی ﷺ کے ترجمہ و تشریح بنام حدیقۃ الصالحین کی تالیف سے زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔ آپ منکسر المزاج' نرم خو۔ بے نفس۔ بے ضرر' کم گو' ہمدرد اور خلیق تھے۔ آپ کی وفات پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ کلمات تحسین تاریخ احمدیت میں سنہری حروف میں رقم کئے جانے کے قابل ہیں۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ وارفع درجاتہ فی اعلی علیین۔ آمین

حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کا

تبحّرِ علمی

(مکرم مرزا محمد الدین صاحب ناز اُستاذ الصرف و النحو جامعہ احمدیہ)

سون سکیسر کے علاقہ سے بوجہ مجبوری حالات بھاگتی ہوئی ایک ننھی سی جان لاہور کی گلیوں میں طالب علمی کا لبادہ اوڑھے ایک مجروح دل احرار کی یورش میں شمولیت اختیار کرنے والی ایک مضطرب روح! ـــ کسے معلوم تھا کہ تقدیر ازلی اس کے مقدر کو ایسا سنوار دے گی کہ اسی دنیا میں بوقت وفات وہ نفس مطمئنہ کے جلیل القدر رتبہ کو پالیگا۔ اور جہاں ایک طرف وہ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کی مدھ بھری لے سننے کے لئے بیتاب ہوگا وہاں دوسری طرف وہ اپنی قوم کی محرومی پر حسرت بھری نگاہوں سے یہ پیغام دینے کے مقام پر علی وجہ البصیرۃ قائم ہوگا۔ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ (اے کاش! میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ خدا نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے معزز لوگوں میں شمار فرما دیا ہے۔)

خاکسار کو یہ فخر ہے کہ ایسی جلیل القدر ہستی کے شاگرد ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

استاذی المحترم حضرت ملک سیف الرحمان صاحب اس لحاظ سے بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ امام وقت سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے استاد ہونے کا اعزاز ملا اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سیٹلائٹ پر چار دانگ عالم میں آپ کی تعریف فرما کر امر بنا دیا۔ حضور انور نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۔ نومبر ۱۹۸۹ء میں آپ کے بارہ میں فرمایا۔

"وہ ایک نہایت ہی نیک انجام کو پہنچے........ ملک صاحب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی علم عطا فرمایا۔ غیر معمولی فراست عطا فرمائی۔ غیر معمولی اطاعت کی روح عطا کی اور ایسا حسین ذہن اور قلب کے درمیان توازن عطا کیا کہ جو شاذ شاذ بندوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک بہت ہی دلربا وجود تھے۔ میں ان کے ساتھ مختلف تعلق رکھتا رہا ہوں خصوصیت کے ساتھ جامعہ کے زمانے میں شاگرد کی حیثیت سے جب میں نے ان کو دیکھا تو ان کے وجود کی عظمت مجھ پر ظاہر ہونی شروع ہوئی۔ نہایت منکسر المزاج، لیکن بہت گہرا علم رکھنے والے اور بہت

ہی اپنے طلبہ سے شفقت کا سلوک کرنے والے اور اتنے ذہین کہ مشکل سے مشکل مسائل کو اس طرح سمجھاتے تھے کہ کم سے کم مجھے تو پھر کبھی دوبارہ کتاب اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی...... چونکہ ایسے متبحر علماء دنیا میں کم کم پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کے خلا کو بھرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصے تک جماعت کو یہ خلا ضرور محسوس ہوگا"

(بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۹۔ نومبر ۱۹۸۹ء)

اس مختصر اقتباس میں آپ کی سیرت کا خلاصہ آگیا ہے۔ شفقت و رحمت کا مجسمہ، نرم خو، نرم گفتار۔ متبحر عالم ہونے کے باوجود منکسر المزاج، طریق تدریس بڑا عمدہ، دلنشین اور گہرا اثر کرنے والا، شخصیت حسن اخلاق کے باعث دلربا۔ حسین ذہن اور قلب کے درمیان توازن رکھنے والا روشن دماغ مفکر۔ مختلف علوم فقہ، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، تفسیر وغیرہ کے ماہر مدبر، جسمانی اور روحانی اولاد کے بہترین مربی۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے علم کی خوشبو تمام ملکوں میں پھیلی۔ آپ نے بحیثیت استاذ جامعہ احمدیہ ربوہ اور بعد ازاں بطور پرنسپل جامعہ جو مربیان تیار فرمائے وہ اس علم کی روشنی کو لیکر اندرون پاکستان قریہ قریہ اور بیرون پاکستان ملک ملک میں پھیلانے کا باعث بنے۔ اور اپنے بچوں کی تربیت بھی ایسی کی کہ حضور انور فرماتے ہیں۔

"انجام ایسا نیک کہ ساری اولاد، سات بچے ہیں چار بیٹیاں اور تین بیٹے سارے ہی اللہ کے فضل سے نہایت مخلص اور فدائی احمدی۔ سلجھے ہوئے با اخلاق لوگ...... جب بھی سنا ہے تعریف سنی ہے کہ خدا کے فضل سے صف اول کے خدمت کرنے والے ہیں۔"

☆ مختلف علوم کے ماہر استاد

آپ مختلف علوم کے ماہر استاد تھے۔ تفسیر قرآن میں ایک خاص ملکہ تھا۔ علم حدیث میں آپ کی قابلیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ نے کتاب "حدیقۃ الصالحین" مرتب فرمائی جو اپنی حسن ترتیب اور تشریحی ترجمہ کے لحاظ سے بہت افادیت کی حامل ہے اور آپ کے علمی ذوق کے ساتھ ساتھ حضرت رسول اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کی محبت کو ظاہر کرتی ہے۔

آپ کا طریق تدریس بڑا پیارا تھا شفقت اور پیار سے سمجھاتے۔ کلاس میں آکر چند مثالیں تحریر فرماتے اور پھر ان کا حل ایسے انداز میں بیان فرماتے کہ وہ ذہن میں اترتا چلا جاتا۔ کبھی طلبہ کو تحریص کے انداز میں کوئی مسئلہ حل کرنے کے لئے بیان فرماتے اور طلبہ کی حوصلہ افزائی فرماتے مجھے یاد ہے کہ ایک کلاس کو انہوں نے "الناس" کا صیغہ حل کرنے

کے لئے فرمایا کہ جو حل کرے گا اسے انار کلی لاہور کے قصر شیریں کی مٹھائی کھلاؤں گا۔ چنانچہ استمداد سے طلبہ کے مسئلہ حل کرنے پر انہیں یہ انعام عنایت فرمایا۔ اس طرح مختلف دلچسپ انداز سے طلبہ کو مسائل ذہن نشین کرانے میں آپ کو خاص دسترس حاصل تھی۔ حضور انور فرماتے ہیں۔

"ملک صاحب کو چونکہ خدا نے دماغ کا سلیقہ عطا کیا تھا اس لئے آپ صرف و نحو کو اس طرح نظام کے طور پر سمجھتے تھے اور اس طرح سمجھانے کی اہلیت رکھتے تھے کہ از خود وہ چیز یاد ہونی شروع ہو جاتی تھی۔ ملک صاحب نے جس حد تک فقہ کی تعلیم دی یا بعض علوم کی دوسری شاخوں میں جہاں ملک صاحب نے پڑھایا اس حصہ میں مضمون خوب سمجھ آ گیا۔ کسی محنت کی ضرورت نہیں پڑی۔"

صرف و نحو کے تخصص میں تو آپ خاکسار کے نگران بھی تھے اس وقت ان کی علمی وسعت کا علم ہوا کہ مشکل ترین کتابوں اور الجھے ہوئے مسائل کو آپ بے ساختہ انداز میں بغیر استمداد حل فرما دیتے۔ علم الصیغہ میں آپ کو کافی مہارت تھی۔ صرف و نحو کے دیگر مسائل اور علم فقہ میں جماعتی سطح پر آپ کو نمایاں مقام حاصل رہا۔ اور اس حیثیت میں غیر از جماعت علمی حلقوں میں بھی آپ نہ صرف متعارف تھے بلکہ ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

علم فقہ میں مسالک اربعہ اور دیگر شاخوں کی ٹھوس علمیت کے علاوہ موجودہ زمانے کے تقاضوں کے ہم آہنگ مسائل بیان کرنے کے لئے فکر میں روشنی تھی۔ قدامت پسند نہیں تھے۔ نہ ہی اندھا دھند تقلید کے قائل۔ مسائل کا نئے علوم کی روشنی میں استخراج آپ کا خاصہ تھا۔ وسعت علمی ایسی کہ حوالوں کے حوالے یاد ہیں اور یہی وسعت علمی تھی جس نے آپ میں وسعت فکری اور روشن خیالی پیدا کی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ آپ جماعت کے ایک بڑے نازک اور اہم عہدے مفتی سلسلہ احمدیہ پر تادم واپسیں فائز رہے۔

☆ مصنف "قواعد الصرف"

علم فقہ کی طرح علم صرف و نحو میں آپ کا علمی پایہ مسلم تھا۔ علم الصیغہ' قوانین الصرف میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ ایک لمبا عرصہ جامعہ احمدیہ ربوہ میں صرف و نحو کے استاد رہے آپ نے طلبہ کی تدریس اور سہولت کی خاطر ایک نصابی کتاب "قوانین الصرف" لکھی جس کو بعد ازاں نظر ثانی کر کے "قواعد الصرف" کے عنوان سے شائع کیا گیا اور اس میں حصہ دوم کا اضافہ بھی کیا گیا۔

قواعد الصرف حصہ اول میں تقریباً وہ تمام قواعد درج کئے گئے ہیں جو علم الصرف میں مختلف صیغوں کی مروجہ ترکیب میں استعمال ہوتے ہیں۔ پہلے علم الصرف کا عمومی تعارف ہے۔ قواعد کی ابتداء ابدال کے قواعد سے کی ہے جو

تعداد میں سولہ ہیں۔ ابدال قواعد کے مطابق حروف صحیحہ میں تبدیلی کا نام ہے۔ مثلاً باب افتعال' باب تفعل اور باب تفاعل کے فاء کلمہ میں بعض حروف آنے سے تاء افتعال میں تبدیلی ہو جاتی ہے یا تاء تفعل اور تاء تفاعل فاء کلمہ کی جنس بن جاتی ہیں۔ جیسے اضطراب دراصل اضتراب ہے اور تاء طاء بن گئی ہے۔ تیس کے قریب قواعد اعلال ہیں۔ اعلال' قواعد کے مطابق حروف علت میں تبدیلی کو کہتے ہیں۔ عربی میں حروف علت الف' و' ی ہیں۔ یہ مختلف تراکیب میں باقی حروف کی طرح اپنی اصلی حالت قائم نہیں رکھ سکتے۔ عموماً (بعض استثناء کے ساتھ) زبر کے بعد یہ حروف الف بن جاتے ہیں۔ زیر کے بعد ی بن جاتے ہیں اور پیش کے بعد واؤ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح الف کے بعد حرف علت عموماً ہمزہ بن جاتا ہے وغیرہ مزید برآں قواعد ادغام (ایک حرف کا دوسرے ہم جنس حرف میں مدغم ہو جانا) اور قواعد مہموز (ہمزہ کے قواعد) بیان کئے گئے ہیں۔ اس طرح قواعد الصرف حصہ اول کل اکہتر قواعد پر مشتمل ہے جس میں تقریباً صرف کی تمام تبدیلیاں آگئی ہیں جن کی مطابقتی یعنی موافق اور احترازی یعنی مخالف مثالوں سے وضاحت کی گئی ہے۔

قواعد الصرف حصہ دوم میں علم الصرف کے تحت آنے والے دیگر عنوانات پر بحث ہے مثلاً اسمائے صفات کی بناوٹ' جمع قلت و کثرت کے اوزان۔ اسم تصغیر اور اس کے بنانے کے اصول' اسم منسوب اور اس کے بنانے کے اصول' تنوین اور اس کی اقسام قلب مکانی' وقف' امالہ وغیرہ کی وضاحت مثالوں سے بیان کی گئی ہے۔ خاکسار کے نزدیک محترم ملک صاحب کے دیگر کارناموں میں سے یہ ایک اہم علمی کارنامہ ہے اور اس موضوع پر اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو اتنی تفصیلات کے ساتھ شائع ہوئی۔ یہ کتاب آپ کے قواعد عربی میں گہری بصیرت پر دلالت کرتی ہے۔

عربی ادب (کلاسیک) کا مطالعہ بڑا وسیع اور گہرا تھا۔ ہم چند اساتذہ نے آپ سے عربی ادب (لٹریچر) پڑھنے کی درخواست کی جو آپ نے بصد خوشی قبول فرمائی۔ آپ نے عربی کی ایک مشکل کتاب اس رنگ میں پڑھائی کہ گویا عربی لٹریچر پر آپ کو عبور حاصل ہے۔

☆ صاحب طرز ادیب

آپ ایک صاحب طرز ادیب بھی تھے۔ آپ کی تحریر میں ادب کی چاشنی کیوجہ سے خوب جاذبیت تھی۔ روانی اور بے ساختہ پن تھا۔ آپ نے ایک لمبا عرصہ مجلہ الجامعہ کی ادارت کو بڑی محبت' لگن اور توجہ سے باحسن رنگ نبھایا۔ اور آپ کے عرصہ ادارت کے مجلات میں ایسے قیمتی مضامین ہیں جو جماعت کے علمی ذخیرہ کا گرانقدر سرمایہ ہیں۔ آپ نے مجلہ الجامعہ کے "حضرت مصلح موعود نمبر" کو جس عمدگی اور حسن ترتیب سے پیش کیا وہ بھی آپ کے اعلیٰ علمی و ادبی ذوق کا آئینہ دار ہے۔

مختلف فقہی مسائل کے استخراج اور متنوع علمی استدلال پر آپ کے سیر حاصل مضامین جیسے یتیم پوتے کا دادا کے ترکہ میں حصہ، نماز، روزہ اور حج کے مسائل، سود وغیرہ بھی جماعت کی بیش قیمت متاع ہے۔ اور آپ کی فکری کاوشوں کی عکاسی کرتے ہیں۔

طبیعت میں سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ساتھ خوش مزاجی اور زندہ دلی کا حسین امتزاج تھا۔ پر ذوق لطائف کو بہت پسند فرماتے۔ نظمیں اور اچھی غزلیں اچھی آواز میں سننے کا شوق تھا۔ بعض ایسے پروگرام عموماً چاندنی رات میں دریائے چناب کے کنارے یا اس کی بہتی لہروں پر اٹھلاتی کشتی میں ہوا کرتے تھے۔

آپ طلبہ کے علمی ذوق کو بڑھانے میں کوشاں رہے۔ چھوٹی چھوٹی تحقیق پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور آگے بڑھنے کی ترغیب دلاتے۔ پاکستان کے کئی نامور مفکرین کو جامعہ آنے کی دعوت دی تا طلبہ میں روشن دماغی کو جلاء ملے۔

الغرض آپ کی وفات موت العالِم موت العالَم کے مصداق تھی۔ اور حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے درج ذیل الفاظ میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

"ایسے تبحر علماء دنیا میں کم کم پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کے خلاء کو بھرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ یقین کے ساتھ کیا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصے تک جماعت کو یہ خلا ضرور محسوس ہوگا"۔

خدا تعالیٰ علم کے ان میناروں کی روشنی آئندہ نسلوں میں پیدا کرتا چلا جائے تا جماعت کا مستقبل نور علم کے لحاظ سے درخشندہ تر اور تابندہ تر ہوتا چلا جائے۔ (آمین)

بقیہ از صفحہ 21

حضرت مصلح موعود کا درس قرآن سنا حضور نے سورۃ البقرہ کی آیت وما کفر سلیمان .... کی بے نظیر تفسیر فرمائی معارف کا ایک بحر بیکراں تھا جو حضرت مصلح موعود کے نطق پر رواں تھا۔ جب والد صاحب نے درس سنا تو اگلے روز کہنے لگے بیٹا تم یہاں رہ سکتے ہو۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم بے دینی کے نرغے میں پھنس گئے ہو۔ یہاں تو دین ہی دین کا چرچا ہے نمازیں ہیں، قرآن کریم کا درس ہے۔ واپس جا کر والد صاحب نے لوگوں کو بتایا کہ وہاں بیت الحمد نمازیوں سے بھری رہتی ہیں۔ اور قرآن کریم کا درس ہوتا ہے ماحول سراسر دینی ہے اس لئے میں نے اپنے بیٹے کو رہائش کی اجازت دے دی ہے۔ (بحوالہ الفضل ۲۴ مئی ۱۹۸۹)

قارئین کرام ملک صاحب کی داستان دلچسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی اور ہمیں یہ سبق سکھاتی ہے کہ مسلسل کوشش اور مؤثر دعوت الی اللہ سے بڑے بڑے معرکے سر ہو جاتے ہیں دلیل اور پیار اور محبت ہمیشہ غالب آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی فراست، غیر معمولی اطاعت کی رُوح عطا کی تھی

ایسے متبحر علماء دُنیا میں کم کم پیدا ہوتے ہیں !

(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا حضرت ملک صاحب کو خراج تحسین)

بیت الفضل لندن میں ۳ نومبر ۸۹ء کو خطبہ جمعہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس کے بعد میں ایک ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ایک غم کی خبر بھی ہے مگر رضائے باری تعالیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ غم جدائی کا تو ہے لیکن اپنی ذات میں، جن کی وفات کا میں ذکر کرنے لگا ہوں وہ ایک نہایت ہی نیک انجام کو پہنچے اور کسی پہلو سے بھی ان کی اس وفات کے اوپر کسی کے لئے بھی شکوے کی کوئی جا نہیں ہے۔ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ جو ۲۵ اکتوبر کو دو بجے کینیڈا میں وفات پا گئے ہیں۔ ان کی وفات کا اعلان کرتے ہوئے ان کا مختصر سا ذکر خیر کرنا چاہتا ہوں۔ ملک صاحب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی علم عطا فرمایا۔ غیر معمولی فراست عطا فرمائی۔ غیر معمولی اطاعت کی روح عطا کی اور ایسا حسین ذہن اور قلب کے درمیان توازن عطا کیا کہ جو شاذ شاذ بندوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک بہت ہی دلربا وجود تھے۔ میں ان کے ساتھ مختلف تعلق رکھتا رہا ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ جامعہ احمدیہ کے زمانے میں شاگرد کی حیثیت سے جب میں نے ان کو دیکھا تو ان کے وجود کی عظمت مجھ پر ظاہر ہونی شروع ہوئی۔ نہایت منکسر المزاج لیکن بہت گہرا علم رکھنے والے اور بہت ہی اپنے طلباء سے شفقت کا سلوک کرنے والے اور اتنے ذہین کہ مشکل سے مشکل مسائل کو اس طرح سمجھاتے تھے کہ کم سے کم مجھے تو پھر کبھی دوبارہ کتاب اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ان سے جو کچھ میں نے پڑھا وہ آسانی سے یاد ہوتا چلا گیا۔ مثلاً صرف اور نحو شروع میں انہوں مجھے پڑھائی اور باوجود اس کے کہ صرف و نحو کو عربی جامعات میں بہت ہی مشکل مضمون سمجھا جاتا ہے اور لوگ رٹے لگاتے ہیں اور صرف کے متعلق تو کہتے ہیں کہ اس کے لئے کتے کا دماغ چاہئے یعنی یہ مولویوں نے محاورہ بنایا ہوا ہے۔ جس طرح کتا بھونکتا رہتا ہے اس طرح ایک لفظ بار بار بھونکنا شروع کر دو۔ تو پھر صرف یاد ہوتی ہے۔ لیکن ملک صاحب کو چونکہ خدا نے دماغ کا سلیقہ عطا کیا تھا اس لئے آپ اس کو اس طرح نظام کے طور پر سمجھتے تھے اور اس طرح سمجھانے کی اہلیت رکھتے تھے کہ از خود وہ چیز یاد ہونی شروع ہو جاتی تھی۔ کبھی کسی رٹا لگانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی چونکہ جب میں نے حضرت (فضل عمر۔ ناقل)

کے حکم پر جامعہ سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر کے اندر ہی مولوی فاضل کا امتحان دیا تو باقی طلباء جو مولوی فاضل کے تھے وہ اکثر صرف و نحو میں فیل ہوا کرتے تھے اور امتحان قریب آنے کی وجہ سے بہت رٹے لگاتے تھے اور مجھے اس حصہ کو پڑھنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ ملک صاحب سے پڑھا ہوا تھا۔ پھر ملک صاحب نے جس حد تک فقہ کی تعلیم دی یا بعض علوم کی دوسری شاخوں میں جہاں ملک صاحب نے پڑھایا اس حصہ میں مضمون خوب سمجھ آ گیا کسی محنت کی ضرورت نہیں پڑی۔ یاد رکھیں جہاں استاد محنت کرنے والا ہو جہاں استاد کا شعور روشن ہو اور وہ اپنے مضمون کے نظام کو سمجھتا ہو اور اس کی روح سے واقف ہو۔ اس کے طلباء کو بہت کم محنت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جتنا زیادہ محنت کرنے والا طالب علم ہے وہ ضروری نہیں کہ استاد کے اوپر حرف آئے لیکن اکثر صورتوں میں معلوم ہوتا ہے کہ استاد کا کوئی قصور نہیں۔ بہرحال ملک صاحب کے متعلق تو میں ذاتی گواہ ہوں کہ یہ نہیں کہ ہر لیکچر پر محنت کرتے تھے۔ جب انہوں نے پڑھا تھا تو اس توجہ کے ساتھ پڑھا تھا اور اس محنت کے ساتھ پڑھا تھا کہ ان کے دماغ میں اس مضمون کا جہان روشن ہو چکا تھا۔ پھر اسی روشنی سے انہوں نے باقیوں کو، اپنے طلباء کو حصہ دیا اور وہ مضمون آسان ہوتے چلے گئے۔ جامعہ احمدیہ کو بھی ملک صاحب کی ان صفات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے علوم کی تعلیم اور تدریج میں اس نکتے کو سمجھنا چاہئے اور ملک صاحب کا یہ فیض ان کے بعد بھی ہمیشہ جامعہ میں جاری رہنا چاہئے۔ تمام اساتذہ یہ کوشش کریں کہ اس طرح اپنے طلباء کو پڑھائیں کہ طلباء اس مضمون کو عقلاً، ذہناً خود بخود جذب کرتے چلے جائیں اور ان کے شعور کا ایک ایسا حصہ بن جائے کہ پھر اس کے بعد ان کو خاص غیر معمولی محنت کی ضرورت نہ پڑے۔ بعض نئے لفظوں کو یاد کرنے کے لئے ہمیں ضرور محنت کرنی پڑتی ہے مگر یہ ضمنی باتیں ہیں۔ بعض تاریخیں یاد کرنی پڑتی ہیں۔ بعض سی کوئنس Sequence بعض دفعہ یاد کرنے پڑتے ہیں یعنی آگے پیچھے کون سی چیز پہلے تھی کون سی بعد میں۔ معمولی توجہ سے یہ چیزیں یاد ہو جاتی ہیں لیکن اگر اچھا پڑھانے والا ہو تو جلدی یاد ہو جاتی ہیں۔ بہرحال میں ملک سیف الرحمان صاحب کا ذکر کر رہا تھا۔

جب مکرم ملک صاحب پہلی مرتبہ قادیان آئے ہیں اور غالباً یہ ۳۴-۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے۔ مجلس احرار جب زوروں پر تھی اور ان جلوسوں میں سے بعض کی راہنمائی کرنے والے تھے جو نہایت ظالمانہ گند بکتے ہوئے قادیان پر حملہ آور تھے اور یہ دعوی لے کر قادیان پر یلغار کی تھی کہ ہم قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ ملک صاحب کی زندگی کے حالات کچھ الفضل میں پیچھے شائع ہوئے ہیں۔ ممکن ہے آپ میں سے بعضوں نے پڑھے ہوں اور بعضوں نے نہ پڑھے ہوں۔ اگر نہیں پڑھے تو وہ پڑھنے چاہئیں۔ بڑے دلچسپ حالات ہیں۔ ان سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح خدا نے ان کو ذہنی ارتقاء نصیب فرمایا اور اب دیکھیں کہ کیسا نیک اور پاک انجام ہے کہ اگر خدانخواستہ اسی حالت میں اپنی باقی زندگی بسر کرتے تو ایک نہایت غلیظ گند بکنے والے ملاں کے طور پر مرتے جس کی زندگی کا مقصد، جس کے اسلام کی خدمت کا تصور سوائے اس کے کچھ نہیں کہ سارا دن گند بولو اور گالیاں دو اور غلاظتیں پھیلاؤ اور دشمنیاں پیدا کرو اور خدا کے بندوں کے قتل و غارت کی تعلیم دو اور (بیوت الذکر۔ ناقل) کو منہدم

کرنے کی تلقین کیا کرو۔ کیسا بد انجام ہے۔ اس انجام سے نکال کر اندھیروں سے خدا ان کو روشنی میں لے آیا اور یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مجلس احرار سے آنے کے باوجود اپنی زبان میں بعد میں ایسے پاکیزہ ہوئے کہ کبھی ساری زندگی کسی سے سخت کلامی نہیں کی۔ نرم رو اور نرم گفتار تھے اور طلباء کے طور پر بھی ہم جانتے ہیں کہ ہم سے بہت غلطیاں ہوئیں۔ بعض دوسرے اساتذہ بعض دفعہ زبان کی سختی بھی کیا کرتے تھے۔ بعض اساتذہ ایسے بھی تھے جن کے منہ سے بعض دفعہ ایسے کلمے بھی نکل جاتے تھے جنہیں طلباء گالی کہہ دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ گالی نہیں حقیقت ہے مگر بہر حال وہ گالی کے قریب قریب مضمون پہنچ جایا کرتا تھا لیکن ملک صاحب کی زبان سے کبھی کسی نے کبھی ساری زندگی ایسا کلمہ نہیں سنا جس کے متعلق آپ کہہ سکیں کہ اس نے دل پر بوجھ ڈالا ہے۔ پس یہ روحانی پاک تبدیلی ہے جو خدا تعالیٰ نے ان کی ذات میں فرمائی اور انجام ایسا نیک کہ ساری اولاد' سات بچے ہیں۔ چار بیٹیاں اور تین بیٹے۔ سارے ہی اللہ کے فضل سے نہایت مخلص اور فدائی احمدی' سلجھے ہوئے بااخلاق لوگ اور دنیا میں بھی ہر جگہ بہترین زندگی گزارنے والے اور اچھے مناصب پر فائز' اچھی جگہ بچیوں کی شادیاں ہوئی ہیں اور ان بچوں میں سے کسی کے خلاف کبھی کوئی شکایت نہیں سنی بلکہ جب بھی سنا ہے تعریف سنی ہے کہ خدا کے فضل سے صف اول کے خدمت کرنے والے ہیں۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۹ سال سے کچھ اوپر تھی اور آخری کام جو انہوں نے وفات سے پہلے کیا وہ مجھے ایک خط لکھا دعا کا جو مجھے ان کی وفات کے بعد ملا۔

بہت دعاؤں کے مستحق ہیں اور چونکہ ایسے متبحر علماء دنیا میں کم کم پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کے خلاء کو بھرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ عرصے تک جماعت کو یہ خلاء ضرور محسوس ہو گا۔ اس لئے اس عرصے میں ہماری نوجوان نسلوں کو اپنی علمی کمزوریاں دور کرنی چاہئیں۔ اپنے اندرونی خلاء بھرنے چاہئیں تاکہ جماعت کا یہ خلاء ان کے وجود سے بھر سکے۔ اس سلسلے میں جہاں ان کے لئے دعا کی تحریک کرتا ہوں ان کی اولاد کے لئے بھی دعا کی تحریک کرتا ہوں اور سلسلے کے تمام علماء کے لئے بھی دعا کی تحریک کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحیح معنوں میں علم اور علم کا عرفان نصیب کرے اور جماعت احمدیہ کو کبھی بھی دنیا میں علماء کی کمی محسوس نہ ہو۔ ان کی نماز جنازہ غائب آج میں یہاں جماعت انگلستان کے ایک مخلص دوست عبد الرشید صاحب کی نماز جنازہ حاضر کے ساتھ پڑھا چکا ہوں۔ اس لئے آخر پر صرف یہی ایک درخواست ہے کہ دوست ملک صاحب اور ان کی اولاد اور سلسلے کے بزرگوں کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھتے رہیں۔

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے کتبے کی خودنوشت تحریر

ایک چیز جس کا ذکر کرنا تھا اور میں بھولنے لگا تھا۔ میری اب نظر پڑ گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ملک صاحب.... نے اپنے وصال سے تقریباً ۱۴۔ ۱۵ سال پہلے ایک بند تحریر ہادی علی صاحب کے سپرد کی۔ انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ عید الاضحیہ کا دن تھا۔

اس میں لکھا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے کتبے پر یہ تحریر ہو لیکن یہ لفافہ بند ہے۔ تم نے نہیں پڑھنا جب میرا وقت آئے تو اس وقت کے خلیفہ کو یہ پیش کر دینا۔ آگے ان کی مرضی ہے وہ چاہیں تو اسے قبول کریں چاہیں تو نہ کریں لیکن میری تمنا ان تک پہنچ جانی چاہئے۔ وہ تحریر یہ ہے.....

اپنے اعمال کے لحاظ سے اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ بہشتی مقبرے میں دفن کیا جاؤں لیکن مولا کریم کے فضلوں سے ناامید بھی نہیں ہوں کیونکہ میری ساری زندگی اس کے فضلوں کے سہارے سے ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم (آگے ایک لفظ نہیں پڑھا جا رہا کساں ہے شاید) بہرحال اگر اس کا یہ فضل ہو کہ بہشتی مقبرے میں جگہ ملے تو میری لوح مزار پر مندرجہ ذیل آیت لکھی جائے..... (اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے کاش! میری قوم کو معلوم ہو سکتا یا معلوم ہو جائے....... کہ خدا نے مجھے بخش دیا ہے..... اور مجھے معزز لوگوں میں شمار فرما دیا) اگر اس کی اجازت نہ ملے تو پھر یہ شعر لکھا جائے۔

ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اب میرے مولا اس طرف دریا کی دھار

اگر اس کی بھی اجازت نہ ملے تو پھر بابا طاہر اصفہانی کی یہ رباعی لکھی جائے۔

یا رب ز گناہ زشت خود منفعلم
و از فعل بد خوئے بخود خجلم
فیض بدلم ز عالم غیب رساں
تا محو شود خیال باطل ز دلم

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے میرے رب! میں گندے گناہوں کے بارے میں خود بہت شرمندہ ہوں اور اپنے بد خو فعل سے سخت خجالت محسوس کر رہا ہوں۔ فیض بدلم ز عالم غیب رساں۔ عالم غیب سے میرے دل کو ایک فیض پہنچا دے۔ تا محو شود خیال باطل زدلم۔ تاکہ خیال باطل میرے دل سے ہمیشہ کے لئے محو ہو جائے۔

جماعت کو یعنی ربوہ کے نظام جماعت کو میری تاکید ہے کہ اگر موجودہ زمانے کے بد خو علماء کی وجہ سے جو از خود خدا بنے بیٹھے ہیں جماعت کو یہ اجازت نہ ہو کہ احمدیوں کے کتبوں پر قرآن کریم کی آیات کندہ کی جائیں تو جب تک اللہ تعالیٰ ان حالات کو تبدیل نہیں فرماتا اس وقت تک یہ آیت لکھنے کی بجائے اس کی جگہ چھوڑ دی جائے اور جب بھی خدا زمانے کے حالات تبدیل فرمائے پھر اس آیت کو کندہ کر دیا جائے اور باقی عبارت من وعن اسی طرح درج کر دی جائے البتہ شروع میں ملک صاحب کا مختصر تعارف جیسا کہ دستور ہے وہ انجمن کی طرف سے تجویز ہو کر منظوری کے لئے مجھے بھجوا دیا جائے۔"

(بحوالہ الفضل (ربوہ) ۱۹ نومبر ۸۹ء)
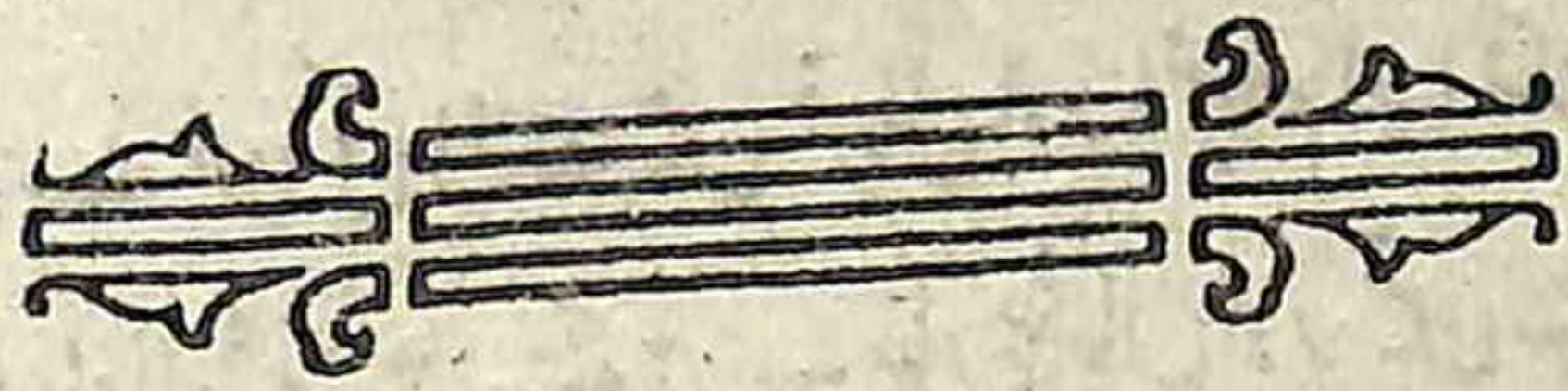
بقیہ از صفحہ 160

تھیں۔ کالج میں چھٹے سال میں میں نے عربی آپشنل لی تھی۔ سالانہ امتحان میں عربی اور دوسرے امتحانوں میں پانچ روز کی چھٹیاں تھیں۔ میں ربوہ گھر گئی۔ ابا جان نے پانچ دنوں میں سارے سال کا کورس مجھے پڑھایا۔ سالانہ امتحان میں میرے ۹۰/۱۰۰ نمبر آ گئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے پیارے ابا جان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ان کی دعائیں ہمارے حق میں قبول فرمائے۔ سب لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت ملک سیف الرحمن صاحب کی وصیت کے عکس جو آپ نے ۲ دسمبر ۱۹۷۴ء کو عیدالاضحیہ کے روز اپنے ہاتھ سے تحریر کی۔ (جس کا ذکر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات پر اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اپنے اعمال کے لحاظ سے اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ بہشتی مقبرہ میں دفن کیا جاؤں۔ لیکن مولا کریم کے فضلوں سے ناامید بھی نہیں ہوں کیونکہ میری ساری زندگی اُسکے فضلوں کے سہارے ہے ورنہ "من آنم کہ من دانم و کساں نیز ہمیں دانند"—

بہرحال اگر اُسکا یہ فضل ہو کہ بہشتی مقبرہ میں جگہ ملے تو میری لوحِ مزار پر مندرجہ ذیل آیت لکھی جائے ......

یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین

اگر اسکی اجازت نہ ملے تو پھر یہ شعر لکھا جائے ......

ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اب میرے مولا اس طرف دریا کی دھار

اگر اسکی اجازت بھی نہ ملے تو پھر بابا طاہر اصفہانی کی یہ رباعی لکھی جائے

یارب ز گناہِ زشتِ خود منفعلم + واز فعلِ بدِ خویش بخود خجلم
فیضے بدلم ز عالمِ غیب رساں + تا محو شود خیالِ باطل ز دلم

صدقہ دولہ نجدا۔

حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب

پرنسپل جامعہ احمدیہ

(مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب)

لمبا قد' روشن پر نور چہرہ' سادہ مگر صاف ستھرا لباس' شلوار قمیض پر اچکن زیب تن کئے ایک بزرگ بڑی باقاعدگی سے روزانہ صبح ایک خاص وقت پر کوارٹرز تحریک جدید سے جامعہ احمدیہ کی طرف سائیکل پر آ رہے ہوتے تھے۔ رفتار باد نسیم کی طرح نرم اور خراماں ہوتی' چہرہ گہری سوچ کا غماز ہوتا۔ یہ تھے ہمارے ملک سیف الرحمان صاحب یعنی پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ۔

صبح آپ جب احاطہ جامعہ احمدیہ میں داخل ہوتے تو طلبہ میں ایک خاص قسم کی لہر متموج ہو جاتی۔ وہ مزید مؤدب ہو جاتے خواہ اسمبلی کے لئے مقررہ جگہ پر پہنچ چکے ہوں یا وقت باقی ہونے کی وجہ سے آجا رہے ہوں۔

بطور پرنسپل حضرت ملک صاحب کا معمول بظاہر دیکھنے والوں کے لئے اس وقت سے یعنی صبح اسمبلی کے وقت جامعہ میں تشریف لے آنے سے شروع ہوتا تھا۔ مگر واقف حال جانتے تھے کہ آپ کی یہ مصروفیات بہت پہلے صبح کاذب کے وقت خدا کے حضور عاجزانہ دعاؤں سے شروع ہو جاتی تھیں۔ اور پھر رات گئے اسی شغل پر ہی ایک چند گھنٹوں کے وقفہ کے لئے عارضی طور پر ختم ہوتی تھیں۔

بطور پرنسپل حضرت ملک صاحب نے جامعہ احمدیہ کے ایک ایک شعبہ کو' ایک ایک حصہ کو مسلسل بھرپور توجہ عطا فرمائی۔ طلبہ کے حوالہ سے دیکھیں تو انہیں وقت کی پابندی سکھانا' باوقار طریقہ سے رہنے سہنے' آنے جانے اور اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ سکھانا' کلاسوں میں باقاعدہ اور پوری توجہ اور شوق سے حاضر رہنا' ان کے قلب و ذہن میں اساتذہ کا ادب و احترام جاگزیں کرنا۔ اپنے جملہ فرائض کو یاد رکھنے اور کماحقہ ادا کرنے کی کوشش کرنے کا حوصلہ اور طریق سکھانا وغیرہ کوئی پہلو آپ کی نظر سے اوجھل نہ تھا۔

آپ کی ماتحتی میں جامعہ میں پڑھانے والے اساتذہ کے حوالہ سے آپ کو یاد کریں تو اساتذہ میں باقاعدگی پیدا کرنا' طلبہ کے ساتھ محبت پیار کا سلوک کرنے اور انہیں محنت سے پڑھانے پر آمادہ رکھنا' ان کی رائے کا احترام کرنا' اگر کسی

استاد کو کسی بات کی طرف توجہ دلانی پڑے تو نہایت خاموشی سے علیحدگی میں بڑے نرم اور منکسر لہجہ میں بات کرنا' طلبہ کی نگرانی اور احسن تربیت کی طرف توجہ دلانا۔ غرضیکہ اس لحاظ سے بھی بڑے احسن پیرایہ میں آپ نے اپنے فرائض منصبی ادا کئے۔

کارکنان جامعہ احمدیہ سے جو آپکا ایک افسر ماتحت کا روزانہ کا معاملہ تھا اسے دیکھیں تو وہ بھی بغیر کسی تردد کے' بغیر کسی تلخی والی سختی کے' بغیر حاکمانہ مزاج دکھانے کے پرسکون طریق پر جاری رہتا۔ ہوسٹل جامعہ احمدیہ کا ایک نہایت اہم اور بہت ذمہ داری والا شعبہ ہے۔ اگرچہ باوجود افسر بالا ہونے کے آپ مقرر انتظامیہ کے کاموں میں مداخلت ہرگز نہ کرتے تھے مگر ہوسٹل کے چھوٹے بڑے ہر واقعہ سے پوری تفصیل سے معاملہ کی گہرائی تک باقاعدہ اور بروقت مطلع رہتے۔

ہر طالب علم یہ محسوس کرتا تھا کہ آپ کی طبیعت میں ایک خاص شفقت اور پیار ہے اس لئے آپ تک رسائی اور آپ سے اپنے مسائل پر کھل کر بات کرنا طلبہ کے لئے بڑا آسان تھا۔ اگرچہ آپ قواعد کی پابندی کروانے والے تھے مگر بایں ہمہ آپ نے کبھی یہ نہیں سمجھا کہ "انسان قواعد کے لئے ہے" بلکہ آپ ہمیشہ اس اصول پر کاربند رہے کہ "قواعد انسان کے لئے ہیں" اور دراصل یہ اصول تو ہمیں راہنمائے کامل حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات سے ملتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مومن ایک کام شروع کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر کوئی اور بات سمجھا دیتا ہے تو وہ اس بہتر اور افضل کو اختیار کر لیتا ہے۔ اسی ہدایت کی روشنی میں آپ ہمیشہ طلباء کی بہبود اور اصلاح کو مدنظر رکھتے اور اگر قواعد میں لچک کی ضرورت ہوتی تو ضرور لازمی حد تک لچک کو پیدا کرتے تھے کیونکہ بسا اوقات ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ مروجہ قواعد بہبود اور اصلاح کے مقصد اعلیٰ کو پورے طور پر پہنچنے والے نہیں ہوتے اور یہی اصول ملک صاحب نے انتظامی حصہ میں جاری رکھا اگرچہ ہر کام متعلقہ کمیٹی کی سفارشات کے بعد شروع ہوتا تھا مگر پھر بھی کام شروع کرنے کے بعد بھی کوئی مزید بہتر بات سامنے آجاتی تو بلا جھجک اسے اختیار کر لیتے تھے۔

آپ سے قبل حضرت میر داؤد احمد صاحب جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے۔ انہوں نے جامعہ احمدیہ کے لائحہ عمل کے لئے خلافت کی براہ راست نگرانی میں واضح خطوط متعین فرمائے تھے۔ اور ملک صاحب ان کے معتمد خاص تھے۔ پھر جب میر صاحب اپنی آخری علالت میں علاج کے لئے راولپنڈی تشریف لے جانے لگے (اور اس کے بعد پھر جامعہ نہ آسکے) تو ملک صاحب کو قائمقام پرنسپل مقرر فرما گئے تھے اور پھر ۲۴۔ اپریل ۱۹۷۳ء کو میر صاحب کی وفات کے بعد آپ پرنسپل جامعہ احمدیہ مقرر ہوئے اور مئی ۱۹۸۴ء میں بیرون ملک تشریف لے گئے۔ اس طرح کم و بیش گیارہ سال آپ نے بطور پرنسپل جامعہ احمدیہ فرائض سرانجام دیئے۔ اس دوران کئی روکیں اور دقتیں بھی آڑے آئیں مگر آپ نے کمال استقلال سے اس عظیم کام کو جاری رکھا۔ آپ نے بہت سارے امور میں محترم میر صاحب کے اختیار کردہ لائحہ

عمل کو جاری رکھا اور حالات کے تقاضا کے موافق ضروری تبدیلیاں بھی فرمائیں۔ سب سے اہم قدم آپ نے یہ اٹھایا کہ مختلف امور کو باحسن طریق سرانجام دینے کے لئے مختلف کمیٹیاں تشکیل دیں۔ مثلاً مالی امور کی کمیٹی، طبی کمیٹی (اس کا کام طلبہ کی صحت کا خیال رکھنا اور کسی کے بیمار ہو جانے کی صورت میں علاج معالجہ کا انتظام کرنا تھا) بہبود طلبہ کمیٹی (اس کا کام اس کے نام سے ظاہر ہے) العاب کمیٹی (یہ کھیلوں کے فروغ اور ان کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے بنائی گئی تھی) ٹک شاپ کمیٹی (ٹک شاپ جامعہ احمدیہ کے انتظامات اور اشیاء خوردنی کے معیار کی نگرانی کرنا اس کے سپرد تھا۔ نیز اس کے ممبروں میں طلبہ کے نمائندے بھی شامل تھے) اور سب سے اہم اور وسیع تر دائرہ کار والی تربیتی کمیٹی تھی۔ جامعہ احمدیہ کے جملہ شعبہ جات کے جملہ اہم امور کے بارہ میں مشاورت کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اور طلبہ جامعہ کے تربیتی گروپس (جن کی تعداد پانچ تھی) کے نگران اساتذہ اس کے ممبر تھے۔ یہ مشاورتی کمیٹی سمجھی جاتی تھی۔

حضرت ملک صاحب کی زیادہ تر یہ کوشش ہوتی تھی کہ اساتذہ کے باہمی مشورہ سے معاملات کو بہتر طور پر چلایا جائے۔ آپ اکثر ان کمیٹیوں کی رائے کا احترام فرماتے اور ضروری سمجھنے پر بعض اوقات ان کی سفارشات میں ترمیم و تبدیلی بھی فرماتے تھے۔ آپ کی طبیعت میں پیار بہت تھا اور عام تھا۔ نیز اس کے علاوہ آپ کے مزاج میں حیا گندھی ہوئی تھی۔ بھری مجلس میں کسی کو ڈانٹنا آپ کی طبیعت کا حصہ ہی نہ تھا۔ اگر کسی کو کسی بات کی طرف متوجہ کرنا ہوتا تو بڑے دھیمے اور منکسر لہجہ میں، علیحدگی میں بات کرتے ایک طرف اگر کسی استاد سے غلطی ہو جاتی تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کہ طلبہ کو علم بھی ہو جائے کہ فلاں استاد کو توجہ دلائی گئی ہے تو دوسری طرف طلبہ کی عزت نفس کا بہت خیال رکھتے تھے اور علیحدگی میں دفتر میں یا گھر بلا کر بڑے پیار سے، محبت سے نصیحت فرماتے اور نصیحت کا ایسا انداز ہوتا کہ دل میں اترتی جاتی تھی۔ اور کئی چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں جو نظام میں خلل کا باعث نہ بنتی ہوں ان سے صرف نظر فرماتے تھے۔ اور بعض اوقات نصیحت کرنے کے مختلف مؤثر طریق اختیار فرماتے۔ مثلاً ایک مرتبہ چند طلبہ کو ان کی غلطی کی وجہ سے سب کے سامنے بدنی سزا دئے جانے کا فیصلہ ہوا۔ جب سب آگئے تو ملک صاحب کھڑے ہوئے اور بجائے ان طلبہ کی خطا بیان کرنے کے، یہ فرمایا کہ میں نے بہت سوچا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انہیں بدنی سزا دینے کی بجائے احسان کے تازیانے لگا کر چھوڑ دیا جائے۔ اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس احسان نے ان کی کایا پلٹ دی۔ اور آپ کے عفو و احسان نے وہ تاثیر دکھائی جو یقیناً سزا نہ دکھا سکتی۔

آپ کی سزا بھی دراصل ذریعہ اصلاح ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم کو یہ سزا دی کہ چند دن "بیت" مبارک میں فجر کی نماز باجماعت ادا کریں گے۔ طالب علم نے فریاد کی کہ میں "بیت" مبارک ضرور جاؤں گا مگر جس بات پر مجھے سزا سنائی گئی ہے وہ ممنوع ہے ہی نہیں۔ پھر خطا کیا ہوئی۔؟ فرمایا: پہلے سزا پر عمل درآمد کرو پھر آکر جو کچھ کہنا ہو گا کہنا۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنے فیصلہ جات کے بارے میں آپ کا ذہن "ماله وما علیه" کے

حوالے سے مکمل روشن ہوتا اور اپنے فیصلہ جات کے بارہ میں متذبذب نہ ہوتے تھے۔

جامعہ میں تدریس کے دوران آپ کا معمول تھا کہ وقتاً فوقتاً روزانہ کلاسوں کا چکر لگاتے اور بڑی خاموشی سے برآمدے میں سے کھڑکی سے طلبہ کے پڑھنے اور استاد کے پڑھانے کا جائزہ لیتے۔ اگر کوئی طالب علم پوری توجہ سے نہ پڑھ رہا ہوتا تو کلاس میں داخل ہو کر مناسب انداز سے توجہ دلاتے۔ اس طرح اساتذہ کو بھی کلاس پر کنٹرول رکھنے کی توجہ پیدا ہوتی۔

آپ کی ذاتی بزرگی، جماعت میں آپ کا مقام، طبیعت کا جذب اور کشش اور آپ کا علمی مرتبہ یہ وہ چیزیں تھیں جو جامعہ احمدیہ کے جملہ شعبہ جات اور جملہ پہلوؤں کے انتظامات کو باحسن چلانے کا ایک بڑا محرک تھیں۔ اگرچہ استاد تدریس کے معاملہ میں خدا کو جواب دہ ہوتا ہے۔ اور خدا کا تصور ہی اسے اپنے فرائض دیانت داری سے احسن طریق سے ادا کرنے پر آمادہ کرتا ہے لیکن اگر کوئی ظاہری محرک ڈھونڈا جائے جو اساتذہ کو مسلسل محنت پر آمادہ رکھتا تھا تو یہی مندرجہ بالا باعث ہی تھا۔ حتیٰ کہ جب حضرت میر داؤد احمد صاحب جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے تو وہ بھی آپ کی بے حد قدر اور احترام کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے ملک صاحب کو اختیار دے رکھا تھا کہ سال میں ایک دفعہ جب چاہیں تمام طلبہ کو ایک دن کی چھٹی دے سکتے ہیں۔ اور ایک موقعہ پر جب میر صاحب چھٹی نہیں دے رہے تھے تو طلبہ کی درخواست پر آپ نے یہ حق استعمال کرکے ایک دن کی چھٹی دلوائی تھی۔

آپ محض سبق پڑھانے والے استاد یا قواعد کی پابندی کروانے والے نگران نہ تھے بلکہ جو اصل روح ہے وہ طلبہ کے اندر پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کرنے والے تھے۔ مختلف سوالات کر کے طلبہ میں سوچنے اور اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا جذبہ پیدا کرتے۔ طلبہ کے ساتھ ان کے پروگراموں میں شامل ہوتے اور ہر کام کا سلیقہ اور آداب سکھاتے مگر بغیر اس کے کہ کسی پر گراں گذرے۔ طلبہ کی اخلاقی نگرانی بھی کرتے اور ان کی صحت وغیرہ کا بھی خیال رکھتے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم (مکرم ناصر احمد صاحب طاہر) کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے فرمایا کہ اسے سویا لیستھین کے کیپسول کھلائیں۔ اس وقت ابھی یہ کیپسول پاکستان سے نہ ملتے تھے چنانچہ آپ اپنے خرچ پر وہ کیپسول منگوا کر کئی سال اس طالب علم کو کھلاتے رہے۔

بطور پرنسپل طلبہ کی بہترین تربیت کا اس قدر خیال تھا کہ دوران تعلیم تو موقعہ پڑنے پر نصائح فرمایا ہی کرتے تھے "شاہد" پاس کر کے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کو الوداعی دعوت کرتے اور اس میں میدان عمل کے بارہ میں ضروری نصائح سے نوازا کرتے تھے۔

پھر طلبہ میں تحقیق اور اعلیٰ علمی ذوق کا مادہ پیدا کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف علوم کے ماہرین کو جامعہ بلواتے اور تعارف کروا کر ان کی تقریر کرواتے۔ ایک مرتبہ ایسے ہی ایک موقعہ پر محترم پروفیسر اسلم صاحب (جن کا تعلق پنجاب

یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ و تصوف سے تھا) تشریف لائے۔ وہ خود بہت بڑے عالم تھے مگر ملک صاحب سے ملاقات کے بعد کہا کہ میں نے ایسا زبردست عالم اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔

بطور پرنسپل آپ کی بہت بڑی سعادت تھی اور آپ پر خلیفۃ المسیح کے اعتماد کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے مختلف علمی تحقیقات کے لئے ایک ریسرچ سیل قائم فرمایا اور آپ کو اس کا انچارج مقرر فرمایا۔ اس سیل کے تمام ممبران اساتذہ و طلبہ جامعہ احمدیہ تھے۔ جب بھی حضور ایدہ اللہ کا کوئی حکم ملتا سب کو فوراً لائبریری میں اکٹھا کر لیتے اور کام مکمل ہونے تک (خواہ کئی گھنٹے لگ جائیں) بغیر کسی وقفہ کے کام جاری رہتا۔ مگر آپ خشک مزاج اور سخت گیر نہ تھے۔ کام کرنے والوں کی بشاشت کو قائم رکھنے اور انہیں تروتازہ رکھنے کے لئے موسم کے مطابق خوردونوش کا بہترین انتظام کرتے اور اصرار کر کے کھلاتے۔　　ایسے ہی ایک موقع پر آپ بیمار تھے۔ آپ کو سائیکل سے گرنے کی وجہ سے ہاتھ کے جوڑ پر شدید ضرب لگی جو شوگر کی وجہ سے کافی بگڑ گئی تھی اور بازو گلے میں ایک پٹی ڈال کر لٹکایا ہوا تھا۔ مگر آپ کمال بشاشت سے تمام وقت ساتھیوں کے ساتھ کام میں مشغول رہے۔ اس بندھے اور لٹکے ہوئے ہاتھ میں کاغذ پکڑے ہوئے انہیں چیک کرتے جاتے اور بعض کا ترجمہ لکھواتے جاتے۔ اور کسی موقعہ پر تکلیف یا تھکن کا اظہار نہ ہونے دیا۔ اور ہر دفعہ جب بھی حضرت خلیفۃ المسیح کا ارشاد ملتا وقت مقررہ پر کام مکمل کروا کر لے جاتے اور حضور کی خوشنودی اور دعاؤں کے مورد ہوتے۔

جملہ اہم اور یادگار کارناموں کے علاوہ　　بطور پرنسپل آپ کا سب سے عظیم کارنامہ "تخصص" کا اجراء و قیام تھا۔ یعنی مختلف علوم اور مضامین میں گہرا اور ٹھوس علم رکھنے والے ماہرین تیار کرنے کی تجویز آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح سے منظور کروائی اور کئی ذہین اور جوہر قابل رکھنے والے طلبہ کو اس مقصد کے لئے منتخب کیا گیا۔ ان میں سے ایک کو مختلف بڑے مدارس میں فن حدیث کی تعلیم کے لئے بھجوایا اور بعض کو بیرون پاکستان مختلف ممالک میں اعلیٰ تعلیم دلائی گئی۔ آپ کے انہی منتخب طلبہ کی صف اول میں وہ خوش نصیب بھی شامل ہیں جن کو آج دن رات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ کی خدمت کی سعادت حاصل ہے۔ دراصل یہ آپ کی دور بین نگاہ ہی تھی جس نے بھانپ لیا تھا کہ جماعت میں جو جید اور ٹھوس علم رکھنے والے علماء تھے وہ گذرتے جاتے ہیں اور ان کے جانشین ابھی سے تیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ کبھی اس باب میں خلا نہ آئے۔ اور آپ نے بڑی استقامت سے اس تجویز کو آگے چلا کر منتہاء تک پہنچایا۔ اللہ کرے کہ آپ کی نیک تمنائیں اور دعائیں اس کام پر مامور ہونے والوں کو مہمیز کرتی رہیں اور وہ اپنے فرائض کماحقہ ادا کر کے ملک صاحب کی نیک خواہشات پر پورا اترنے والے ہوں۔ آمین

بہر حال ملک صاحب پرنسپل تو تھے مگر عام اداروں کے پرنسپل کا جو تصور ذہنوں میں ہوتا ہے اس سے بالکل مختلف۔ بہت بلند، بہت ممتاز۔ اساتذہ کو کوئی معاملہ درپیش ہو یا طلبہ کو، دفتر میں آئیں یا گھر میں، فوراً اپنی صحت، اپنے

ع اِک عنبر بار تصوّر نے یادوں کا چمن مہکایا ہے

حضرت ملک صاحب کے اپنے آقا کے ساتھ پیار بھرے یادگار لمحات

مکرم اَطہر بشیر صاحب (صاحبزادہ ملک صاحب)، حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ۔
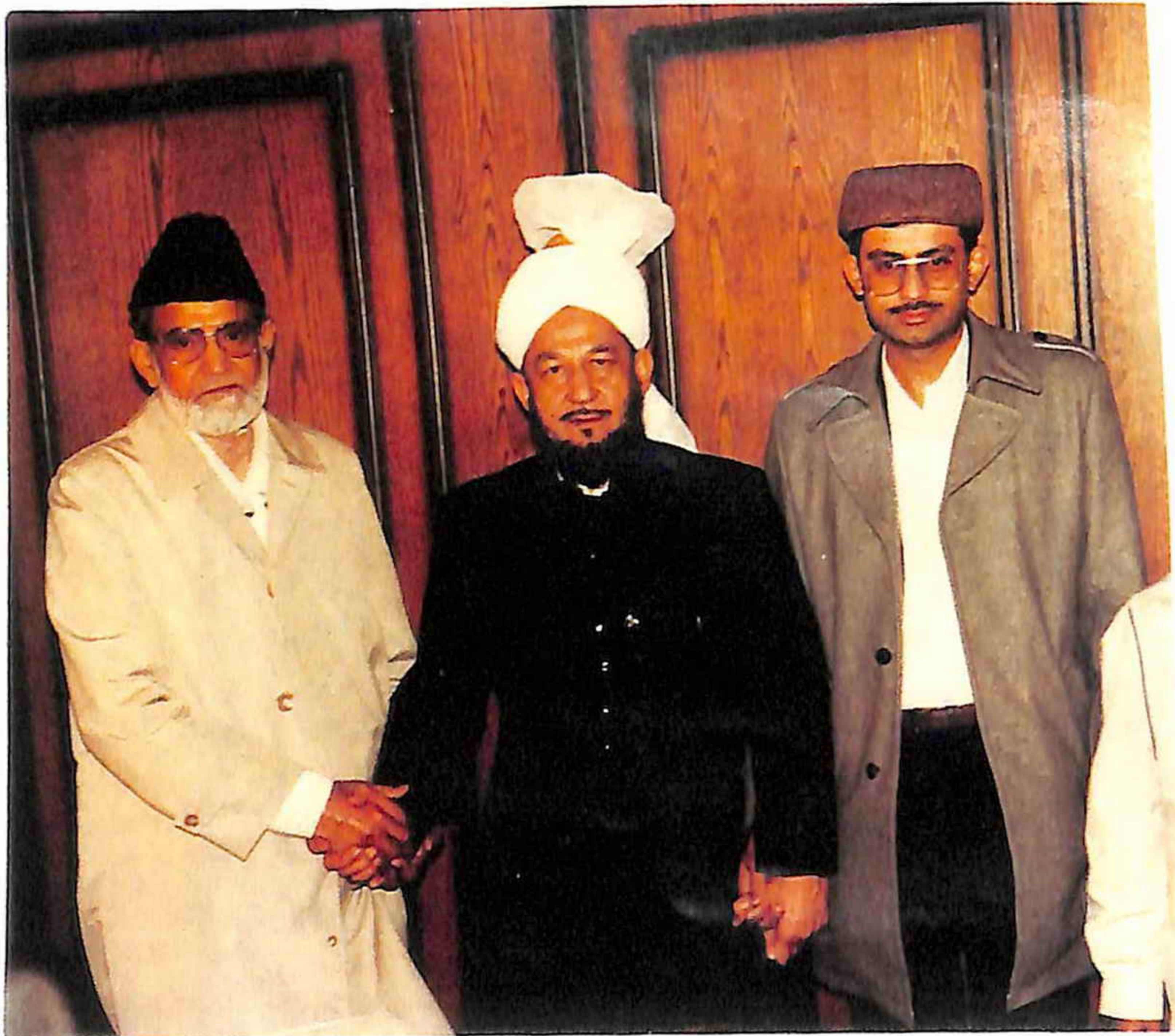
خوش نصیب باپ اور بیٹا اپنے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ (مکرم ہشام قمر صاحب)

خادم

اپنے

آقا

کے

ساتھ
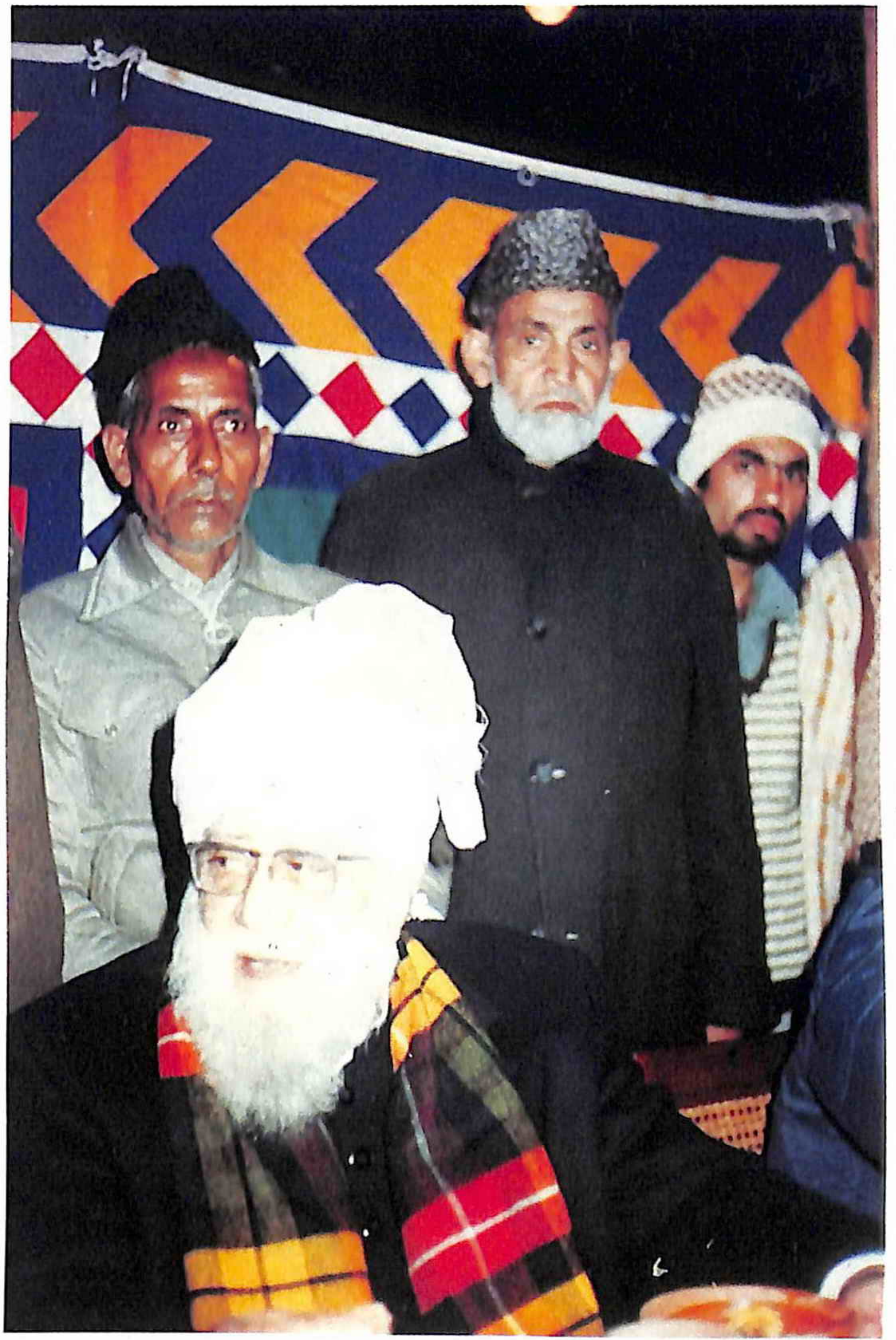
عِلم و معرفت میں کمال حاصل کرنے والے ــــ دو خوش نصیب

اکٹر عبد السّلام صاحب

احمدیہ آمد

لک سیف الرحمٰن صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ

قبال

باوفا خادمِ سلسلہ

(تحریر: سید مبشر احمد ایاز۔ مدیر خالد)

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے والد صاحب جب پیدا ہوئے تو ایک صاحب کرامت سید بزرگ تشریف لائے فرمایا کہ "تیرا یہ بیٹا دین میں بابرکت ہوگا" اسی طرح آپ کی دادی نے بتایا کہ میں خواب نے میں دیکھا تھا کہ کوئی کہہ رہا ہے "تیرا یہ بیٹا چمکتے ہوئے سورج کی طرح ہوگا۔ اور دوسری عورتوں کے ہزاروں فرزندوں سے افضل ہوگا" (بحوالہ مقالات طیبین مصنفہ مولوی امام الدین کھوتکوی صفحہ ۲۰۶)

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ رویاء میں باپ سے مراد اس کا بیٹا ہوتا ہے۔ تو دراصل مندرجہ بالا خواب اور بشارت کے حقیقی مصداق اور سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ کے پیر طریقت کے خلیفہ مولوی امام الدین صاحب کھوتکوی کے سجادہ نشین --- حضرت ملک سیف الرحمان صاحب ہی تھے۔ حضرت ملک صاحب ہی وہ روشن تعبیر تھے۔ جو کہ سون سکیسر کی وادیوں سے نکل کر قادیان کے افق سے طلوع ہوئے اور نصف صدی تک ہزاروں علم کی پیاسی روحوں کو سیراب کرتے رہے اور جہالت کی تاریکیوں کو دور کرتے رہے۔

زیر نظر مضمون میں آپکی جماعتی اور علمی خدمات کو ایک مختصر سے جائزہ کی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

☆ مفتی سلسلہ احمدیہ

حضرت سید سرور شاہ صاحب کی وفات کے بعد حضرت مصلح موعود کی جوہر شناس نظر انتخاب حضرت ملک سیف الرحمان صاحب پر پڑی اور جون ۱۹۴۷ میں آپ نے ملک صاحب کو مفتی سلسلہ کے عہدہ جلیلہ پر نامزد فرمایا اور ملک صاحب اس منصب پر تاوفات قائم رہے۔ ؎ وایں سعادت بزور بازو نیست

☆ صدر۔ سیکرٹری مجلس افتاء

۱۹۵۲ میں جب مجلس افتاء کا از سر نو احیاء ہوا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت ملک صاحب کو اسکا پہلا صدر مقرر فرمایا اور ازاں بعد ۱۹۶۱ میں آپ اس مجلس کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اور تاوفات اس عہدے پر برقرار رہے۔ ان دونوں حیثیتوں میں آپ نے ساڑھے پانچ ہزار سے زائد فتاوی جاری کئے۔ اور درجنوں مسائل پر ٹھوس علمی اور تحقیقی مقالہ جات تحریر کئے۔ اور اسی طرح عبادات اور مناکحات کے مسائل پر مبنی دو الگ الگ کتب بھی تصنیف فرمائیں۔

☆ دیگر جماعتی خدمات

O **مہتمم خدمت خلق** ۴۱۔ ۱۹۴۰ اور ۴۳۔ ۱۹۴۲ میں دو سال تک مہتمم خدمت خلق کے طور پر آپ خدام الاحمدیہ میں خدمات بجالاتے رہے۔

O **ممبر صدر انجمن احمدیہ** پاکستان بننے کے بعد حضرت مصلح موعود نے جب پاکستان ہجرت فرمائی تو اس کے دوسرے ہی دن یعنی یکم ستمبر ۴۷ کو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی بنیاد رکھی اور حضرت ملک صاحب کو اس کا ممبر نامزد فرمایا۔ (تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۱۰)

O **ناظر ضیافت** دفاتر صدر انجمن کے ساتھ ہی رتن باغ میں لنگر خانہ کھولا گیا تو اس کے اولین ناظر ضیافت ملک صاحب مقرر ہوئے۔ اور آپ نے اس اہم ذمہ داری کو خوش اسلوبی کے طور پر نبھایا۔ ۱۳ نومبر ۱۹۴۷ کو آپ جائنٹ ناظر ضیافت بنائے گئے۔ اور جون ۴۸ کو آپ علمی مشاغل اور درس و تدریس کے لئے فارغ کر دیئے گئے۔ (بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۔ ۲۶)

O اس کے علاوہ آپ سال ہا سال تک ناظم مہمان نوازی اور ناظم معائنہ کے طور پر جلسہ سالانہ پر آنے والے مسیح موعود کے مہمانوں کی خدمت پر مامور رہے۔ اور نہایت لگن محنت اور محبت سے یہ خدمت بجالاتے رہے۔

☆ درس و تدریس

حضرت ملک صاحب کی زندگی کا نمایاں اور بیشتر حصہ علمی میدان جہاد میں صرف ہوا۔ مفتی سلسلہ کے طور پر جہاں آپ نے بھرپور بیالیس سال فقہ اور اجتہاد میں گذارے وہاں اس کے ساتھ ساتھ آپ درس و تدریس میں ۵۰ سال سے بھی زائد عرصہ مصروف رہے۔ کبھی آپ حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد پر بیت مبارک میں درس دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تو کبھی سوانح فضل عمر کی تیاری میں کوشاں۔ کبھی آپ مسند احمد بن حنبل کی تبویب کا بیڑا اٹھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تو کبھی جامعۃ المبشرین کے پرنسپل اور پھر جامعہ احمدیہ میں پروفیسر اور پرنسپل کے طور پر نظر آتے ہیں اور

درس و تدریس کا وہ سفر جو آپ نے کھوتکہ کے برساتی پہاڑی نالے کو عبور کرتے ہوئے شروع کیا تھا وہ سات سمندر پار امریکہ اور کینیڈا میں بھی ۔۔۔ آخرت کے سفر تک جاری رہا۔ اور یوں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد مبارک پر پوری طرح عمل کیا کہ اطلبو العلم من المھد الی اللحد (کہ علم حاصل کرو پنگھوڑے سے لے کر قبر تک)

تصنیفات

آپ ایک لمبا عرصہ درس و تدریس میں مصروف رہے اور سینکڑوں طالب علم آپ سے فیض یاب ہوئے جو دنیا کے کونے کونے میں خدمات سلسلہ بجالانے کی توفیق پا رہے ہیں۔ اور اس لحاظ سے تمام طلباء اپنی ذات میں آپ کی ایک الگ الگ زندہ تصنیف ہیں۔

آپ نے درجن بھر کتب کے علاوہ بیسیوں مضامین اور مقالہ جات تصنیف فرمائے جن میں سے کچھ تو جماعت کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے لیکن کچھ تعداد ایسے مضامین کی بھی ہے جو کہ غیر مطبوعہ ہیں۔ ان میں سے جو مضامین ہمیں دستیاب ہو سکے ان کی فہرست ہدیہ قارئین ہے۔

☆ کتب

۱۔ قوانین الصرف (عربی گرامر صرف و نحو کے بارے میں)
۲۔ قواعد الصرف (قوانین الصرف میں اضافہ کر کے دوسرا ایڈیشن)
۳۔ حدیقۃ الصالحین (احادیث نبوی ﷺ پر ایک خوبصورت انتخاب۔ اس کا دوسرا ایڈیشن آپ نے کینیڈا میں مرتب فرمایا جس میں تین صد احادیث کا اضافہ کیا)
۴۔ اسلام اور غیر مسلم رعایا
۵۔ رسالہ تشریح الزکوۃ
۶۔ آداب المعاشرہ الاسلامیہ
۷۔ نماز مترجم
۸۔ فقہ احمدیہ (مناکحات)
۹۔ فقہ احمدیہ (عبادات) (نماز' روزہ' زکوۃ اور حج کے مسائل وفتاوی پر مشتمل ۳۷۵ صفحات کی کتاب)

حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کے

مضامین و مقالہ جات کی فہرست

(مرتبہ:۔ سید مبشر احمد ایاز۔ مدیر خالد)

نوٹ:۔ ذیل میں حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے ان مضامین کی فہرست پیش ہے جو جماعتی اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے۔ آخر پر حضرت ملک صاحب کی تصاویر اور آپ کے کچھ غیر مطبوعہ مضامین کے عنوان بھی شامل ہیں تاہم یہ فہرست مکمل نہیں سمجھی جانی چاہئے اس میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ (بہت سارے مضامین الفضل اخبار اور دیگر رسائل میں فقہی مسائل پر مبنی سوال جواب کی شکل میں شائع ہوئے ہیں وہ اس فہرست میں شامل نہیں۔)

☆ روزنامہ "الفضل" ربوہ

O۔ آداب معاشرہ ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۸، جون ۱۹۷۶ء ۲۔ آداب المعاشرہ الاسلامیہ ۷، ۱۰، ۱۱، جنوری ۱۹۸۱ء ۳۔ اسلامی نظام طلاق ۸، نومبر ۱۹۵۵ء۔ ۴۔ اسلام میں تقسیم وراثت اور ان کا فلسفہ ۱۰، ۱۴، نومبر ۱۹۶۰ء۔ ۱۰، جنوری ۱۹۶۱ء ۔ ۵۔ اعتکاف ۲۷، اگست ۱۹۷۸ء ۔ ۶۔ الزام تراشی ۲۵، ۲۶ جولائی ۱۹۶۴ء ۔ ۷۔ حضرت امام مالک ۳، ستمبر ۱۹۵۴ء ۔ ۸۔ ایک اہم اسلامی عبادت۔ روزہ ۲۵، اگست تا ۲ ستمبر ۱۹۷۶ء ۔ ۹۔ ایک سوال اور اس کا جواب ۱۹ جولائی ۱۹۶۸ء ۔ ۱۰۔ تفسیر قرآن کے اصول (۲ اقساط) ۲۹، مئی، ۸، جون ۱۹۶۰ء ۔ ۱۱۔ حج اور عید قربان ۱۰، اکتوبر ۱۹۴۸ء ۔ ۱۲۔ حدیث، اس کی اہمیت اور ضرورت ۳، اگست ۱۹۶۸ء ۔ ۱۳۔ دادا کا ترکہ اور یتیم پوتا ۳، جولائی ۱۹۴۶ء ۔ ۱۴۔ دینی علم اور ہمارا جماعتی فرض ۲۷، اگست ۱۹۶۰ء۔ ۱۵۔ دینی مسائل پر غور و فکر کرنے کی عادت ڈالو ۱۱، مئی ۱۹۶۱ء ۔ ۱۶۔ ذمی کون ہیں اور ان کے حقوق ۲۱، اکتوبر ۱۹۵۵ء ۔ ۱۷۔ رمضان المبارک کے اہم مسائل (۴ اقساط) ۸، ستمبر ۱۹۷۲ء ۔ ۱۸۔ رمضان المبارک کے اہم مسائل ۱۱، اکتوبر ۱۹۷۲ء ۔ ۱۹۔ روز مرہ کے فقہی مسائل (نماز، روزہ، طلاق، خلع، وراثت) (۴ اقساط) ۲۵، ۲۷، ۲۹، جنوری ۱۹۷۹ء ۔ ۲۰۔ سوالنامہ میرج اینڈ فیملی لاز کمیشن کے جوابات ۱۰، مارچ ۱۹۵۶ء ۔ ۲۱۔ قرض اور قراض ۲۵، ۲۶، اپریل ۱۹۵۷ء ۔ ۲۲۔ کونسی جماعت منہاج نبوت پر فائز ہے؟ ۵ فروری ۱۹۴۷ء ۔ ۲۳۔ کیا عورتوں پر جمعہ فرض ہے؟ ۳، جولائی ۱۹۴۸ء ۔ ۲۴۔ مسئلہ ربو سے متعلق ۵ سوال ۱۸، مئی ۱۹۸۳ء ۔ ۲۵۔ ہم کیسا نظام شریعت چاہتے ہیں۔ ۳۰، جولائی ۱۹۴۸ء ۔ ۲۶۔ رمضان المبارک کے ضروری مسائل ۴، جنوری ۱۹۶۴ء ۔ ۲۷۔ چند پرانی یادیں (زندگی کے حالات) ۲۴، مئی ۱۹۹۴ء ۔ ۲۸۔ تو پتھر سے کیوں چشمے نکلتے ہیں۔ (زندگی کے حالات) ۱۸ جولائی ۱۹۸۹ء۔

۲۹۔ میرج اینڈ فیملی لاز کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ ۲۱ اگست ۱۹۵۶ء۔ ۳۰۔ جمع بین الصلوتین اور ترتیب نماز ۱۰ اپریل ۱۹۴۸ء۔ ۳۱۔ کیا کافر کو السلام علیکم کہنا جائز ہے ۱۳ اپریل ۱۹۴۸ء۔ ۳۲۔ کیا جمعہ کی نماز فرض ہے؟ ۲۰ اپریل ۱۹۴۸ء۔ ۳۳۔ عید اور جمعہ کا اجتماع ۲۳ اپریل ۱۹۵۹ء۔ ۳۴۔ مقام حدیث و سنت ۵ مئی ۱۹۵۵ء۔ ۳۵۔ درس البخاری۔ کتاب الصوم یکم مئی ۱۹۵۵ء۔ ۳۶۔ روزنامہ "سفینہ" لاہور کے سوال کا جواب ۱۴ ستمبر ۱۹۵۶ء۔

☆ مجلہ الجامعہ ربوہ

O ۱۔ اصول فقہ کا مختصر تعارف جلد نمبر۱۔ شمارہ نمبر۱۔ مارچ ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۰۔ ۲۔ ایک انگریز نو مسلم کے چند سوال اور اس کے جواب۔ جلد۱۔ شمارہ۴۔ دسمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۵۸۔ ۳۔ سوالات اور ان کے جواب۔ جلد۲۔ شمارہ۴۔ ۱۹۶۵ء صفحہ ۵۷۔ ۴۔ قرض اور قراض۔ جلد۳۔ شمارہ۱۔ ۱۹۶۶ء صفحہ ۲۷۔ ۵۔ کعبہ اور اس کی سمت کا تعین۔ جلد۵۔ شمارہ۳۔ ستمبر ۷۲ صفحہ ۴۹۔ ۶۔ نظام ربو اسلامی ھدایت کی روشنی میں۔ جلد۲۔ شمارہ۲۔ ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۳۔ ۷۔ اسلامی قانون اور زمانہ کی تبدیلی۔ جلد۱۔ شمارہ۲۔ ۸۔ حضرت مصلح موعود اور استحکام خلافت۔ مصلح موعود نمبر۔

☆ ماہنامہ "انصار اللہ" ربوہ

O ۱۔ اسلام کا نظام حکومت اکتوبر ۱۹۸۰ء جلد نمبر۱۲۔ شمارہ نمبر۱۰۔ صفحہ ۱۷۔ ۲۔ الاحکام تحت ظلال القرآن جولائی ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۹۔ ۳۔ الاحکام تحت ظلال القرآن اگست ۱۹۷۶ء۔ ۴۔ الاحکام تحت ظلال القرآن ستمبر ۱۹۷۶ء۔ ۵۔ الاحکام تحت ظلال القرآن اکتوبر ۱۹۷۶ء۔ ۶۔ الاحکام تحت ظلال القرآن نومبر ۱۹۷۶ء۔ ۷۔ الاحکام تحت ظلال القرآن دسمبر ۱۹۷۶ء۔ ۸۔ دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب جون ۱۹۶۸ء صفحہ ۲۸۔ ۹۔ رحمت مجسم۔ صلی اللہ علیہ وسلم اپریل ۱۹۸۲ء صفحہ ۹۔ ۱۰۔ رسائل و مسائل مارچ ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۹۔ ۱۱۔ رضائے الٰہی کی جستجو جولائی ۱۹۷۰ء صفحہ ۴۱۔ ۱۲۔ سجدہ سہو کب اور کیسے کیا جائے؟ (دو قسطیں) اگست، ستمبر ۷۶ء صفحہ ۳۶، ۳۸۔ ۱۳۔ غیبت، اپریل ۱۹۶۵ء صفحہ ۴۲۔ ۱۴۔ فقہی سوالات اگست ۱۹۸۰ء صفحہ ۱۱۔ ۱۵۔ فقہی مسائل مارچ ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۷۔ ۱۶۔ معاشرتی مسائل دسمبر ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۳۔ ۱۷۔ نماز باجماعت کی اہمیت مارچ ۱۹۸۳ء صفحہ ۱۲۔ (تقریر اجتماع انصار اللہ ۱۹۸۲ء)۔ ۱۸۔ نماز وتر اور اسکے مسائل دسمبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۲۔ ۱۹۔ وتروں کے بعد نفل جنوری ۱۹۷۸ء صفحہ ۳۳۔ ۲۰۔ دعا۔ زیارت قبور اپریل ۱۹۸۷ء صفحہ ۱۶۔

☆ ماہنامہ "مصباح" ربوہ

۱۔ روزہ کے ضروری مسائل مارچ ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۴۔ ۲۔ خلافت ایک نعمت ہے اور شکر نعمت واجب ہے۔

☆ ماہنامہ "خالد" ربوہ

۱۔ اصول فقہ کی تدوین نومبر ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۶۔ ۲۔ انسانی اعضاء کی پیوند کاری مارچ ۱۹۸۴ء صفحہ ۳۳۔ ۳۔ اسلام اور مصوری اور تصویر کشی جولائی ۱۹۶۵ء صفحہ ۳۳۔ ۴۔ الاحکام تحت ظلال القرآن جولائی ۱۹۷۶ء صفحہ ۷۔ ۵۔ رمضان المبارک کے ضروری مسائل جنوری ۱۹۶۵ء صفحہ ۷۔ ۶۔ شرائط نماز اپریل ۱۹۷۷ء صفحہ ۵۔ ۷۔ شرائط نماز اکتوبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۴۔ ۸۔ شرائط نماز نومبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۵۔ ۹۔ فقہ کی تدوین اور اسکا مختصر تاریخی جائزہ جنوری ۱۹۵۸ء صفحہ ۵۔ ۱۰۔ مکمل نظام تعلیم میں دینی تعلیم کی اہمیت و ضرورت فروری ۱۹۶۰ء۔ ۱۱۔ نماز اور دعا ستمبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۳۔ ۱۲۔ ذبیحہ اہل کتاب جولائی ۱۹۵۴ء۔ ۱۳۔ مذہبی نظام اور اچھے شہری اگست ۱۹۵۴ء۔

☆ متفرق

۱۔ ہمارے محترم استاد کی وفات "بدر" قادیان ۱۴ مارچ ۱۹۶۸ء۔ ۲۔ مسئلہ شفاعت تحریک جدید جنوری ۷۹ صفحہ ۱۔ ۳۔ کیا میت کو کندھے پر اٹھا کر لے جانا ضروری ہے؟ "آزاد نوجوان" مدراس ۱۳ جنوری ۱۹۶۱ء۔

☆ فہرست تقاریر

۱۔ روز مرہ کے مسائل برموقعہ جلسہ سالانہ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۸ء (الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء ۴ قسطوں میں)۔

۲۔ فلسفہ زکوۃ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ (الفضل ۶ جنوری ۸۰ تا ۸ جنوری ۱۹۸۰ء ۳ قسطوں میں)۔

۳۔ آداب المعاشرہ الاسلامیہ ۱۹۸۰ء (الفضل ۷ جنوری ۱۹۸۱ء ۳ اقساط)۔

☆ غیر مطبوعہ مضامین

۱۔ "اسلام کا نظام شہادت" بحوالہ رجسٹر مضامین ملک سیف الرحمان صاحب مرتبہ مکرم سید شمس الحق صاحب مرحوم

لائبریری جامعہ احمدیہ ربوہ۔

۲۔ "رجم کی سزا اور اسلام بحوالہ" رجسٹر مضامین ملک سیف الرحمان صاحب مرتبہ مکرم سید شمس الحق صاحب مرحوم لائبریری جامعہ احمدیہ ربوہ۔

۳۔ "اسلام میں اجتہاد اور اس کی شرائط" بحوالہ رجسٹر مضامین ملک سیف الرحمان صاحب مرتبہ مکرم سید شمس الحق صاحب مرحوم لائبریری جامعہ احمدیہ ربوہ۔

۴۔ "عورت کی شہادت" بحوالہ رجسٹر مضامین ملک سیف الرحمان صاحب لائبریری جامعہ احمدیہ ربوہ۔

۵۔ "تین عظیم الشان موعود"

اس مضمون کے متعلق حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

" آپ کی طرف سے مرسلہ مضمون "تین عظیم الشان موعود" مل گیا ہے۔ ماشاء اللہ بڑی محنت کی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اس مضمون کو میں نے شروع سے آخر تک لفظاً لفظاً پڑھا ہے۔ .... مضمون اچھا ہے۔" (بحوالہ خط حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنام ملک صاحب مرقومہ ۸۸ ۔ ۱۲ ۔ ۲۲)۔

۶۔ "دارالاسلام اور دارالحرب"۔ معنی و مفہوم اور مختلف نظریات۔ (بحوالہ خط حضرت خلیفہ المسیح الرابع بنام ملک صاحب مرقومہ ۸۹ ۔ ۱ ۔ ۲۴)۔

۷۔ "تاریخ افکار و اسلامی حصہ اول دوم" (۵۰۰ صفحات پر مشتمل مقالہ۔

"حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان مسودات کو دیکھ لیا ہے اور فرمایا کہ اچھی کتاب ہے۔ اب جلدی شائع کرنا چاہئے..... اللہ تعالیٰ بابرکت فرمائے اور اسے بہت مفید بنائے" (خط از پرائیویٹ سیکرٹری ۔ بنام ملک صاحب ۸۷ ۔ ۱۲ ۔ ۱۹)۔
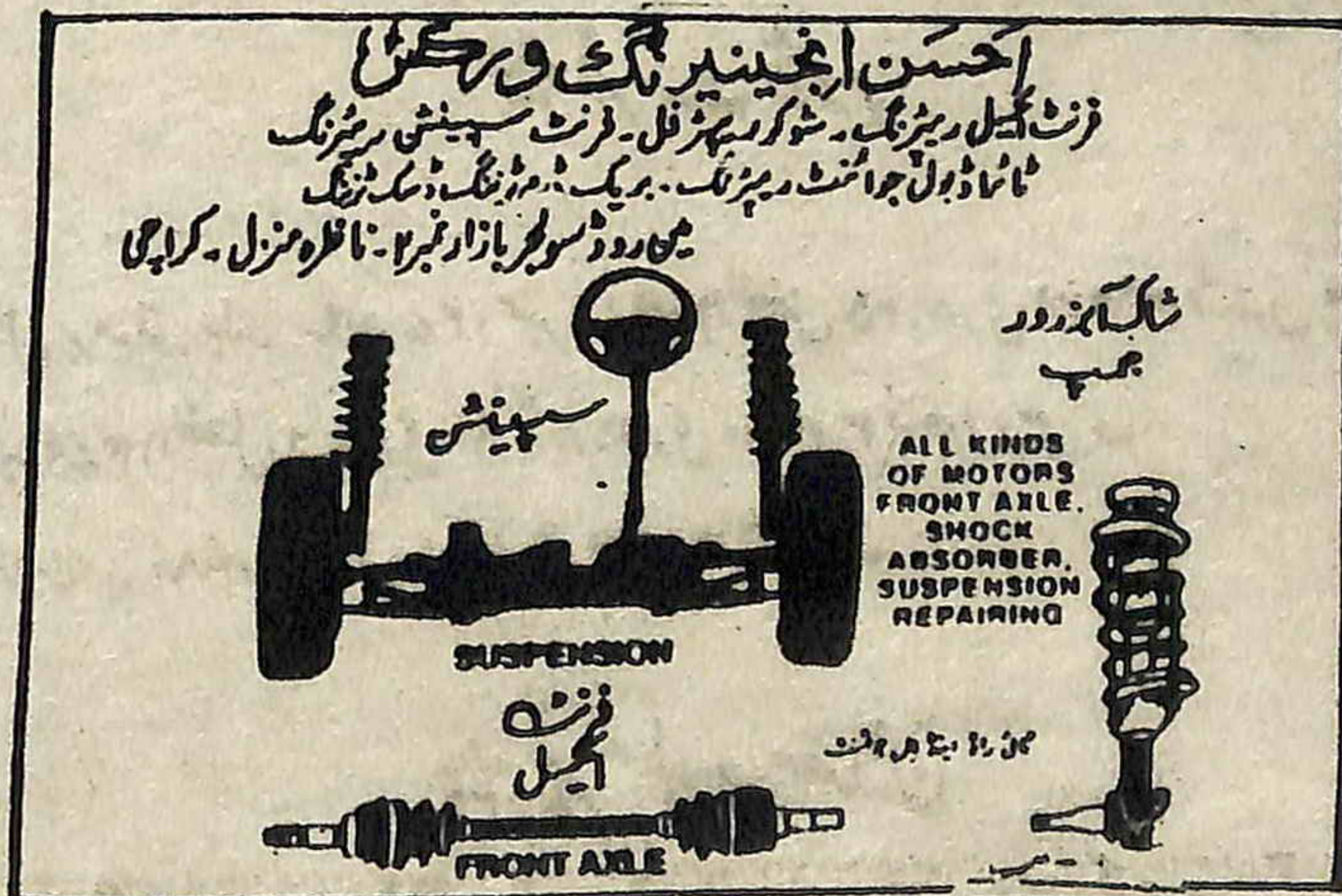
توازن آپ کی سیرت کا عنوان تھا

فیض کا ایک شجرِ سایہ دار ہم سے جدا ہوا

میرا دل بھی ان دِلوں میں شامل ہے جنہیں وہ حزیں بنا گئے ہیں

محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب کی وفات پر امام جماعت احمدیہ کا اظہارِ تعزیت

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت ملک صاحب کی ایک صاحبزادی کے نام ملک صاحب کی وفات پر تعزیت کرتے ہوئے جو خط لکھا اس کا مکمل متن پیشِ خدمت ہے :-

عزیزہ امۃ اللطیف !

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

ابھی ابھی استاذی المکرم حضرت ملک صاحب مرحوم مغفور کے وصال کے بعد لکھا ہوا اُن کی یاد میں معطّر آپ کا خط ملا ہے۔ بہت اچھا خط ہے۔ اُن کی یاد کا آپ نے خوب حق ادا کیا ہے۔ یہ خط اُن کے ہم مزاج ہے۔ سادہ، بے تکلّف، خود رَو پانی کی طرح رواں دواں، صاف اور پاکیزہ، نرم خُو، غم کے اظہار میں متوازن۔ اتنا زندہ خط ہے کہ پڑھتے ہوئے یوں لگ رہا تھا کہ اپنے بہت پیارے اور مُشفق استاد سے آمنے سامنے ملاقات کر رہا ہوں۔ اُن کے پیار کی ادا کتنی سچی اور دلنشین تھی !

بارہا سوچا کہ آپ کو اور دیگر عزیزوں کو اپنے ہاتھ سے تعزیت کا خط لکھوں مگر طبیعت رواں نہیں ہوتی تھی۔ دل پر بوجھ پڑتا تھا اس لئے تادم تحریر خطبہ میں ہی اُن کے ذکرِ خیر پہ اکتفا کی لیکن آج آپ کے خط نے روک اٹھا دی اور مجھے اُسلوب سکھا دیا کہ اُن کا ذکر کس طرح ہونا چاہیئے۔

اچھی زندگی تھی۔ اچھا انجام تھا۔ کبھی کسی کو ناراض نہیں کیا۔ جب کسی نے ناراض کیا تو تکلیف کو دل میں دبا گئے۔ چہرہ پر غم کا ایک سایہ سا کچھ دیر پڑا رہتا تھا جو رفتہ رفتہ مٹ جاتا تھا۔ علم کے دلدادہ تھے اور حصولِ علم ہی سے آپ روحانی لذّت پاتے تھے۔ ہیجانی لذّات کی پیروی سے ہمیشہ مستغنی رہے۔ ذہین، خوش مذاق، پاکیزہ گفتگو کرنے والے دوستوں کی مجلس پسند تھی اور علمی نکات اور ظریفانہ چٹکلوں سے بہت فرحت محسوس کرتے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی کسی بات پر قہقہہ مارا ہو ہاں اچھے لطائف پر ایک کھُلی کھُلی کشادہ مسکراہٹ چاندنی کی طرح چہرے پر پھیل جاتی اور ہلکی آواز میں ہنستے تھے۔ اُن کی مجلس کبھی کسی دل پر بار نہیں گذری۔ کبھی یہ احساس پیدا نہیں ہونے دیا کہ ضرورت سے زیادہ دیر تک بیٹھے ہیں اور اب اُٹھ جانا چاہیئے۔ نہ ہی جاتے ہوئے کبھی یہ تاثر چھوڑا کہ افراتفری میں آکر یکدم اُٹھ کر چلے گئے۔ حرکات میں بھی خموش بہتے ہوئے پانیوں کا سا سکون تھا۔ انفرادی فکروں کی بجائے اکثر قومی فکروں اور مسائل میں سرگرداں رہے لیکن عزیزوں اور دوستوں کے فکر بانٹنے میں بھی کبھی پیچھے نہیں رہے۔ بہت دعا کرتے لیکن دعاگوئی کا لبادہ کبھی نہیں اوڑھا۔ سخت ذہین اور انسانی مزاج کو جلد سمجھنے والے مگر آنکھوں میں عقاب کی سی تیزی نہیں تھی بلکہ نہ چبھنے والی ملائم نظر رکھتے تھے۔ منکسر مزاجی اپنی ذات میں ایک الگ خوبی کے طور پر اس طرح نمایاں نہیں ہوتی تھی کہ انکسار میں بھی ایک افتخار کا رنگ آجائے بلکہ آپ کی ہر خوبی انکسار کے خمیر میں گوندھی ہوئی تھی۔ توازن آپ کی سیرت کا عنوان تھا۔ قلب و ذہن اپنے اپنے دائرہ کار میں بھی متوازن تھے اور باہمی نسبتوں میں بھی۔ ہاں اگر توازن نہیں تھا جسم و جان میں توازن نہیں تھا۔ جسمانی صلاحیتیں کبھی ذہنی اور قلبی صلاحیتوں کا ساتھ نہ دے سکیں۔ رُوح توانا تھی اور جسم نحیف تھا۔ سلاست اور شائستگی تحریر و تقریر کا جزوِ اعظم تھے۔ ہر حال میں صابر و شاکر، خود اعتماد و باوقار رہے۔ کبھی طوفان خیز موجوں کی طرح نمایاں اور غالب ہو کر نہیں اُبھرے مگر کبھی طوفان خیز موجوں سے دبے یا مرعوب نہیں ہوئے۔ آپ کے جذبات کے زیر و بم ہمیشہ

بقیہ صفحہ 88 پر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا
انا فتحنا لک فتحا مبینا
ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ
خلیفۃ المسیح الرابع
امام جماعت احمدیہ

21.11.1989

عزیزہ امۃ اللطیف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی استاذی المکرم حضرت ملک صاحب مرحوم و مغفور کے وصال کے بعد لکھا ہوا۔ اُن کی یاد میں معطر آپ کا خط ملا ہے۔ بہت اچھا خط ہے۔ اُن کی یاد کا آپ نے خوب حق ادا کیا ہے۔ یہ خط اُن کے ہم مزاج ہے۔ سادہ۔ بے تکلف۔ خود رو پانی کی طرح رواں دواں۔ صاف اور پاکیزہ۔ نرم خو۔ غم کے اظہار میں متوازن۔ اتنا زندہ خط ہے کہ پڑھتے ہوئے یوں لگ رہا تھا کہ اپنے بہت پیارے اور مشفق استاد سے اپنے سامنے ملاقات کر رہا ہوں۔ اُن کے پیار کی ادا کتنی سچی اور دلنشین تھی!

بارہا سوچا کہ آپ کو اور دیگر عزیزوں کو اپنے ہاتھ سے تعزیت کا خط لکھوں مگر طبیعت رواں نہیں ہوتی تھی۔ دل پر بوجھ پڑتا تھا

اس لئے تادم تحریر خطبہ میں ہی ان کے ذکر خیر
پر اکتفا کی۔ لیکن آج آپ کے خط نے اور کس
اشعار اور مجھے اسلوب سکھا دیا کہ ان کا ذکر
کس طرح ہونا چاہیئے۔

اچھی زندگی تھی۔ اچھا انجام تھا۔ کبھی
کسی کو ناراض نہیں کیا۔ جب کسی نے ناراض
کیا تو تکلیف کو دل میں دبا لیتے۔ چہرہ پر
غم کا ایک سایہ سا کچھ دیر پڑا رہتا تھا جو رفتہ
رفتہ مٹ جاتا تھا۔ علم کے دلدادہ تھے اور
حصول علم ہی سے آپ روحانی لذت پاتے تھے
ہیجانی لذات کی پیروی سے ہمیشہ مستغنی رہے
ذہین۔ خوش مذاق۔ پاکیزہ گفتگو کرنے
والے دوستوں کی مجلس پسند تھی اور علمی نکات
اور لطیفانہ چٹکلوں سے بہت فرحت محسوس
کرتے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی کسی بات پر
قہقہہ مارا ہو ہاں اچھے لطائف پر ایک
کھلی کھلی کشادہ مسکراہٹ چاندنی کی طرح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا

انا فتحنا لک فتحا مبینا

امام جماعت احمدیہ

چہرے پر پھیل جاتی اور ہلکی آواز سے باتیں کرتے تھے۔
ان کی مجلس کبھی کسی دل پر بار نہیں گذری۔ کبھی یہ
احساس پیدا نہیں ہونے دیا کہ ضرورت سے زیادہ
دیر تک بیٹھے ہیں اور اب اٹھ جانا چاہئے۔
نہ ہی جاتے ہوئے کبھی یہ تاثر چھوڑا کہ افراتفری
میں اگر یکدم اٹھ کر چلے گئے ہیں۔ حرکات میں
بھی خموشی بہتے ہوئے پانیوں کا سا سکون تھا۔
انفرادی فکروں کی بجائے اکثر قومی فکروں اور
مسائل میں سرگرداں رہے لیکن عزیزوں اور دوستوں
سے قدرشناسی میں بھی کبھی پیچھے نہیں رہے۔
بہت دعا گو تھے لیکن دعا گوئی کا لبادہ
کبھی نہیں اوڑھا۔ سخت ذہین اور انسانی مزاج
کو جلد سمجھنے والے تھے۔ آنکھوں میں عقاب کی
سی تیزی نہیں تھی بلکہ نہ جھپکنے والی ملائم نظر
رکھتے تھے۔ منکسر مزاجی اپنی ذات میں ایک الگ
شئی کے طور پر اس طرح نمایاں نہیں ہوتی تھی

کہ انکسار میں بھی ایک افتخار کا رنگ آجائے بلکہ
آپ کی ہر خوبی انکسار کے خمیر میں گوندھی ہوئی تھی۔
توازن آپ کی سیرت کا عنوان تھا۔ قلب
و ذہن اپنے اپنے دائرہ کار میں بھی متوازن
تھے اور باہمی نسبتوں میں بھی۔ ہاں اگر توازن نہیں
تھا جسم و جان میں توازن نہیں تھا۔ جسمانی
صلاحیتیں کبھی ذہنی اور قلبی صلاحیتوں کا ساتھ
نہ دے سکیں۔ روح توانا تھی اور جسم نحیف تھا۔
سلاست اور شائستگی تحریر و تقریر کا جزو اعظم
تھے۔ ہر حال میں صابر و شاکر خود اعتماد و باوقار
رہے۔ کبھی طوفان خیز موجوں کی طرح نمایاں
اور غالب ہو کر نہیں ابھرے اور کبھی طوفان خیز
موجوں سے دبے یا مرعوب نہیں ہوئے۔
آپ کے جذبات کے زیر و بم ہمیشہ آپ
کی شخصیت کے پروقار سکون کے نیچے
دبے رہے۔ آپ کے مزاج کے گہرے
پانیوں کی سطح ہمیشہ ایک دائمی سکون
کی مظہر رہی۔
اللہ غریق رحمت فرمائے اور کروٹ کروٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

MIRZA TAHIR AHMAD
HEAD OF THE AHMADIYYA COMMUNITY

جنت نصیب فرمائے۔ ایک بہت پیارا دوست
ایک بہت شفیق استاد۔ ایک متبحر عالم۔ فیض
کا ایک شجر سایہ دار ہم سے جدا ہوا۔ میرا
دل بھی ان دلوں میں شامل ہے جنہیں وہ حزیں بنا
گئے ہیں بھی صبر کرنے والوں اور راضی برضا رہنے
والوں میں سے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

دل تو یہی چاہتا ہے کہ ان کے پسماندہ
عزیزوں کو الگ الگ تعزیت کا خط لکھوں مگر میری
مجبوریاں حائل ہیں۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ
میری طرف سے اس تعزیت کے جذبات کو
سب اقرباء تک پہنچا دیں۔ آپ ان کو سب
بچوں میں زیادہ عزیز تھیں اس لئے آپ کے نام
میں سب نام آجاتے ہیں۔ آپ کے خط میں سب
خط شامل ہو جاتے ہیں۔ سب بچے مخلص اور نیک خصال
ہیں۔ سبھی مجھے بہت عزیز ہیں۔ اللہ آپ سب کو دونوں
جہان کی حسنات سے نوازے اور آپ سب کی طرف

سے میری آنکھیں ہمیشہ ٹھنڈی رکھے اور ملک صاحب
کی ذات آپ سب کی خوبیوں کی صورت
میں ہمیشہ زندہ رہے۔

خدا حافظ!

والسلام خاکسار

مرزا طاہر احمد

بقیہ از صفحہ...... 82

آپ کی شخصیت کے پُروقار سکون کے نیچے دبے رہے۔ آپ کے مزاج کے گہرے پانیوں کی سطح ہمیشہ ایک دائمی سکون کی مظہر رہی۔

اللہ غریقِ رحمت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنّت نصیب فرمائے۔ ایک بہت پیارا دوست، ایک بہت شفیق اُستاد، ایک متبحّر عالم، فیض کا ایک شجرِ سایہ دار ہم سے جُدا ہوا۔ میرا دل بھی اُن دلوں میں شامل ہے جنہیں وہ حزیں بنا گئے۔ مَیں بھی صبر کرنے والوں اور راضی برضا رہنے والوں میں سے ہوں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دل تو یہی چاہتا ہے کہ اُن کے ہر پسماندہ عزیز کو الگ الگ تعزیت کا خط لکھوں مگر میری مجبوریاں حائل ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ میری طرف سے ان تعزیت کے جذبات کو سب اقرباء تک پہنچا دیں۔ آپ اُن کو سب بچّوں میں زیادہ عزیز تھیں اِس لئے آپ کے نام میں سب نام آجاتے ہیں۔ آپ کے خط میں سب خط شامل ہو جاتے ہیں۔ سب بچے مخلص اور نیک خصال ہیں۔ سبھی مجھے بہت عزیز ہیں۔ اللہ آپ سب کو دونوں جہان کی حسنات سے نوازے اور آپ سب کی طرف سے میری آنکھیں ہمیشہ ٹھنڈی رکھے اور ملک صاحب کی ذات آپ سب کی خوبیوں کی صورت میں ہمیشہ زندہ رہے۔

خدا حافظ!

والسلام خاکسار
مرزا طاہر احمد

قابلِ رشک وجود

جسے حضرت مصلح موعودؓ نے طلائی تمغہ اور جبّہ خوشنودی کے طور پر عطا فرمایا

(مکرم مولانا چوہدری محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری)

حضرت مولانا ملک سیف الرحمان صاحب کی وفات کے بعد بہت سے احباب نے آپ کا ذکر خیر کیا جو الفضل وغیرہ میں شائع شدہ ہے۔ جن میں آپ کے محاسن کا تذکرہ ہے۔ ماہنامہ خالد کے ایڈیٹر صاحب نے خاکسار سے بھی آپ کے بارہ میں اپنے تاثرات رقم کرنے کی خواہش کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں چند سطور پیش کر رہا ہوں۔

حضرت ملک صاحب مرحوم سے واقفیت ان کے وقف میں آنے کے بعد ہوئی۔ آپ نے جس رنگ میں احمدیت قبول کی۔ اس کا تذکرہ مختلف احباب کے تاثرات میں آچکا ہے بلکہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الرابع امام جماعت احمدیہ نے آپ کی وفات پر نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

۱۹۴۰ء کے قریب جب سلسلہ عالیہ کے جید علماء میں سے بعض اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے علماء کی کمی پوری کرنے کے لئے نوجوانوں کو تیار کرنے کی خاطر مختلف مضامین میں غیر از جماعت جید علماء سے تدریس کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ خاکسار کو مکرم ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم کی معیت میں علماء کی تلاش میں ہندوستان کے مشہور علماء سے رابطہ کرنے کے لئے سفر اختیار کرنا پڑے۔ چنانچہ دہلی، مراد آباد، الٰہ آباد، رامپور، دیو بند، ڈیرہ غازیخان، ہزارہ وغیرہ کے علاقہ جات میں جاکر علماء سے رابطہ کیا...... بالآخر دہلی میں فتح پوری مسجد میں شیخ الحدیث مولانا احمد ابراہیم فاضل ڈابھیل صدر مدرس سے رابطہ ہوا اور ان سے کچھ عرصہ ہم واقفین کو علم حدیث و فقہ کی تدریس کا موقعہ ملا۔ اس زمانہ میں سفر میں سہولتیں بہت کم تھیں تاہم ان تمام سفروں میں ملک صاحب مرحوم کی معیت میں کوئی کوفت محسوس نہ ہوئی۔ ملک صاحب مرحوم دوران سفر اپنے ہم سفر کا ہر طرح خیال رکھتے اور بھائیوں کی طرح اخلاص اور محبت کا سلوک کرتے۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کے اعلان آزادی کے بعد جب قادیان سے ہجرت کا مسئلہ پیدا ہوا تو اس وقت حضرت مصلح موعود نے سب سے پہلے قافلہ (جس میں حضرت اماں جان اور خاندان کی خواتین مبارکہ شامل تھیں) کے ساتھ خاکسار، ملک سیف الرحمان صاحب اور مولانا ابو المنیر نور الحق صاحب کو بھی پاکستان بھجوایا۔

جب جلد ہی دوسرے قافلہ میں حضرت مصلح موعود بھی

لاہور تشریف لے آئے اور رتن باغ میں قیام فرمایا تو حضور نے سب سے پہلے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا قیام فرمایا اور خاکسار، ملک صاحب مرحوم اور مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب کو اس کے ممبر نامزد فرمایا اور حضور نے ملک صاحب کو دارالضیافت (لنگر خانہ) کا نگران بنایا۔ جس کا نہایت ہی اعلیٰ طریق پر آپ نے انتظام فرمایا۔ کبھی کسی نووارد کو خواہ دن یا رات کے کسی حصہ میں بھی لاہور پہنچا کھانا نہ ملنے کی شکایت نہ ہوئی۔ لاہور میں پہلے جلسہ سالانہ میں لنگر خانہ کا اہتمام بھی ملک صاحب کی نگرانی میں ہوا۔ یہ سب کام ملک صاحب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے باحسن پایہ تکمیل تک پہنچاتے رہے۔

آپ کو حضرت مصلح موعود نے اپنی اعلیٰ بصیرت سے قیام ربوہ کے بعد جامعۃ المبشرین کا پہلا پرنسپل نامزد فرمایا۔ آپ نے اپنے ساتھ کام کرنے والے دوسرے واقفین اور طلبہ سے حسن سلوک کا شاندار نمونہ قائم فرمایا اور طلبہ کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ طلبہ کو اعلیٰ اسلامی اخلاق کے حامل بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ فوراً مسئلہ کی تہہ تک پہنچ جاتے۔ قوت استدلال بہت ہی بلند پایہ تھی۔ اسی وصف کے پیش نظر حضرت المصلح الموعود نے آپ کو پرنسپل جامعہ احمدیہ کے علاوہ احمدیہ دارالافتاء کا ناظم اعلیٰ بھی نامزد فرمایا اور اس طرح آپ نے مفتی سلسلہ احمدیہ کا مقام حاصل کیا۔

آپ بہت ہی بلند ہمت انسان تھے اور محنت شاقہ کے عادی۔ چنانچہ آپ کے اسی وصف کو زیر نظر رکھتے ہوئے حضرت المصلح الموعود نے مسند احمد بن حنبل کی تبویب کا نگران اعلیٰ نامزد فرمایا۔ جس کی کامل تبویب آج تک کسی عالم یا ادارہ سے مکمل نہ ہوسکی تھی۔ محترم ملک صاحب نے علاوہ دیگر مفوضہ فرائض کی ادائیگی کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں رات دن مصروف رہ کر تھوڑے ہی عرصہ میں مسند احمد بن حنبل کی تبویب اپنے ساتھیوں کے تعاون اور محنت شاقہ کی بدولت پایہ تکمیل تک پہنچائی اور خلیفہ وقت حضرت مصلح موعود سے جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ کے موقع پر خوشنودی کے طور پر طلائی تمغہ و جُبہ فضیلت حاصل کیا۔

مفتی سلسلہ کے منصب کی حیثیت سے آپ نے نہایت دقیق فقہی مسائل پر روشنی ڈالی۔ چنانچہ یتیم پوتے کی وراثت پر رسالہ لکھا۔ نیز مسئلہ زکوۃ پر حکومت وقت کی طرف سے استمداد پر حضور کی نگرانی میں جماعت احمدیہ کے نقطہ نظر کو بھی پیش کرنے کی سعادت پائی۔

محترم ملک صاحب کا مرکز سلسلہ قادیان میں کوئی عزیز رشتہ دار نہ تھا۔ خاکسار چونکہ واقف زندگی ہے۔ میرے ساتھ ملک صاحب کے مراسم حقیقی بھائیوں کی طرح رہے۔ اسی وجہ سے خاکسار کی والدہ صاحبہ بھی ملک صاحب کا خاص خیال رکھتیں حتی کہ جب آپ کی شادی کا مسئلہ پیش آیا تو بھی والدہ صاحبہ نے ہر ممکن تعاون فرمایا۔

الغرض حضرت ملک سیف الرحمان مرحوم بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ فرمان الٰہی مِنۡہُمۡ مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَہٗ کے مطابق اپنے مقاصد عالیہ کو حاصل کرکے اللہ

بقیہ صفحہ 95 پر

دِل کو کئی کہانیاں یاد سی آکے رہ گئیں

(تحریر:۔ مولانا غلام باری صاحب سیف مرحوم)

محترم ملک سیف الرحمان صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ ہی ہم سے رخصت نہیں ہوئے۔ ہم ایک عالم باعمل فاضل اجل ہستی سے محروم ہو گئے۔ خاکسار ان دنوں مدرسہ احمدیہ کی ابتدائی کلاسوں میں پڑھتا تھا۔ جب ملک صاحب محترم احمدیت کی آغوش میں آئے۔ محترم ملک صاحب سنایا کرتے تھے کہ شروع شروع میں جب حضرت فضل عمر چند واقفین اور اپنے اہل خانہ کو قرآن مجید سنایا کرتے تھے اور پھر آپ اس کا امتحان لیتے تھے تو آپ نے بھی اس امتحان میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ جب آپ نے ان سوالات کے جواب دیئے تو حضرت فضل عمر نے آپ کے پرچے کی تعریف فرمائی اور آپ کے سوالات پر بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ یہ آپ کی علمی قابلیت کا پہلا اعتراف تھا۔ اس کے بعد حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی نظر انتخاب آپ پر پڑی تو حضرت میر صاحب نے آپ کو جامعہ احمدیہ میں پڑھانے پر لگایا۔

محترم ملک سیف الرحمان صاحب صرف و نحو میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جب واقفین زندگی کی تعلیم کا حضور نے علیحدہ انتظام کیا تو محترم ملک صاحب واقفین کو "قانونچہ" پڑھاتے تھے۔ اس میں حضور نے کامیابی کے لئے سو فیصد نمبر مقرر فرمائے تھے۔ تمام قواعد زبانی یاد کرنا پڑتے تھے۔ جب حضور نے سن چوالیس کے قریب مختلف علوم کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آٹھ واقفین زندگی کا جو سب کے سب مولوی فاضل تھے انتخاب فرمایا تو محترم ملک صاحب کو فقہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے منتخب فرمایا۔ تقسیم ملک سے چند ماہ پہلے یہ آٹھوں طالب علم تعلیم مکمل کر کے مرکز میں واپس آئے تو حضور نے فرمایا جو فقہ پڑھ کر آئے ہیں۔ وہ حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والوں کو فقہ پڑھائیں۔ اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے والے فقہ والوں کو حدیث پڑھائیں۔ حضور کے ارشاد کی روشنی میں اس کا آغاز ہوا اور ساتھ ہی اس وقت جو واقفین زندگی تھے ان کی کلاس فقہ اور حدیث کی شروع ہوئی۔ یہ کلاسیں بیت الاقصیٰ میں لگتی تھی۔

حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کی وفات پر حضرت فضل عمر نے جو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ اس میں دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کا حضور نے تفصیل سے ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا میں نے کافی پہلے یہ محسوس کر کے کہ ان بزرگ علماء

کے قائم مقام جماعت میں ہونے ضروری ہیں۔ چند واقفین کا انتخاب کر کے تعلیم دلوائی۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی صاحب کو اٹھایا نہیں۔ جب تک ان کے قائم مقام پیدا نہیں ہو گئے۔ اور پھر ان تعلیم حاصل کرنے والوں کو محنت اور تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی۔ حضرت مولانا سرور شاہ صاحب منقولات اور معقولات دونوں کے متبحر عالم تھے۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اپنی کتب اور ارشادات میں حضرت مولانا سرور شاہ صاحب کی تعریف فرمائی اور انہیں "غضنفر" یعنی شیر کا لقب دیا۔ حضرت مولانا سرور شاہ صاحب کی وفات پر حضرت ملک صاحب محترم کو جوانی کے عالم میں اس سلسلہ کے مفتی کی نازک ذمہ داری سونپی گئی۔ اور پھر لمبے عرصہ تک اس عہدہ جلیلہ پر آپ متمکن رہے۔ فقہ کے علم میں لاریب آپ ساری جماعت میں ممتاز تھے۔ فقہ پر آپ کے بیسیوں مضمون اور فتاویٰ شائع ہوئے۔ آپ مجلس افتاء کے سیکرٹری بھی تھے۔ اس مجلس کے تمام ممبران اس امر پر شاہد ہیں کہ محترم ملک صاحب فقہ میں بڑی گہری اور وسیع معلومات رکھتے تھے۔ فقہ کی متداول کتب پر آپ کی نظر تھی۔ کسی بھی دینی مسئلہ میں آپ کی رائے بہت صائب اور پختہ ہوتی تھی۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ ابتدائی راہنمائی مسئلہ میں آپ کی جانب سے ہوتی تھی۔ آپ کی تحریر اتنی پختہ اور واضح ہوتی تھی۔ سود پر کئی قسطوں پر مشتمل آپ کا مضمون نوائے وقت میں چھپا تو حمید نظامی صاحب نے آپ کو خط لکھا کہ آپ اپنے خیالات میری اخبار کو اشاعت کے لئے بھجواتے رہا کریں۔ جہاں تک میرا علم ہے ملک صاحب کو دینی مضامین اور محترم صاحبزادہ ابوالحسن قدسی پروفیسر جامعہ کو آپ کی نظموں کے لئے مجید نظامی صاحب ایڈیٹر نوائے وقت نے لکھا۔

کبھی کبھی آپ طبع آزمائی بھی کرتے۔ محترم سید میر داؤد احمد صاحب کی وفات پر رباعی لکھ کر جامعہ کے نوٹس بورڈ پر لگائی۔ بہت خوب کہتے تھے۔

محترم ملک صاحب سے تمام علماء سلسلہ علمی راہنمائی حاصل کرتے۔ مغلق عربی عبارات آپ کی مدد سے حل کرواتے۔ مضامین پر آپ کی رائے اور مشورے لیتے۔ آپ کے کینیڈا جانے کے بعد اس خلاء کو آپ کے سب رفقاء نے محسوس کیا۔ اب ان کی آمد آمد تھی کہ خالق کائنات نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ علمی برتری کے ساتھ ساتھ حضرت ملک صاحب اس ارشاد کے مصداق تھے کہ "دین خیر خواہی کا دوسرا نام ہے۔" ہر ساتھی کو آپ صائب مشورہ دیتے اس کی ہمدردی اور خیر خواہی فرماتے۔ جس کے لئے آپ کے ساتھی آپ کی طرف رجوع کرتے۔

یہ جوہرِ قابل کس سرزمین میں پیدا ہوا۔ کہاں تعلیم حاصل کی اور پھر کس طرح گلشنِ احمدیت میں یہ پودا پروان چڑھا اس کا ذکر محترم ملک صاحب اپنے مضامین میں کر چکے ہیں اسے دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن خدائی سلوک دیکھئے کہ معاشی طور پر وہ شخص جس نے خود مجھ سے ذکر فرمایا کہ آج مکئی کے بھٹے ابال کر گزارہ کیا کہ آٹا گھر میں نہ تھا۔ یا پس نہ سکا تھا۔ قادیان میں "بادیاں کے باغ" کے قریب ریت پر سجدہ میں پڑ کر تڑپ کر دعا کرنے والے کے بچے بچیاں سوائے ایک بچی کے سب کینیڈا میں آباد اور خوشحال ہیں۔ میرا گھر اور آپ کا گھر جو تحریک نے ہمیں رہنے کے لئے دیا تھا پاس پاس تھا۔ کس محنت سے آپ نے بچوں کو تعلیم دلائی۔ بڑی بچی نے ایم۔ ایس۔ سی کیا۔ بچے مجیب نے انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم

پہلے پاکستان پھر ایران اور اس کے بعد کینیڈا میں حاصل کی۔
مجھے وہ دن یاد ہیں جب چھوٹی بچیاں' محترم ملک صاحب کی سب سے چھوٹی بچی میری بڑی بچی کی کلاس فیلو تھی۔ سکول سے آکر بعض دفعہ گھر کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوتی اور پھر یہ سب چار بچیاں اور میری بچیاں اور محترم مولانا ثاقب صاحب کی بچیاں ہمارے گھر کے صحن میں اکٹھی کھیلتیں۔ آج یہ سب بچے بچیاں خوشحال ہیں اور بچوں والی ہیں۔ خدا ان کا متکفل ہو۔ محترم ملک صاحب بے حد مہمان نواز تھے۔ احباب' دوستوں کو گھر پر کھانے اور چائے پر بلاتے رہے یہ درویش دل کا امیر اور غنی تھا۔ آپ محترم سید میر داؤد احمد صاحب کے بعد جامعہ احمدیہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ آپ طلباء کے اتنے ہمدرد تھے کہ ان کی ہر ضرورت کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جامعہ گواہ ہے کہ آپ نے اس فرض کو کس عمدگی سے نباہا۔

سیر اور تفریحات کا آپ کو شوق تھا۔ شکار کے بھی شوقین تھے۔ احمد نگر میں ایک بار ایک فائر سے تین یا چار سفید مگ اڑتے شکار کئے۔

آپ کے والد محترم اور والدہ نے تو بیعت کر لی تھی۔ لیکن باقی رشتہ دار جماعت میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ لیکن آپ سب کے حقوق کا خیال رکھتے اور صلہ رحمی فرماتے رہے۔ محترم ملک صاحب کی کتنی خوش قسمتی تھی کہ ایک بار حضرت فضل عمر آپ کے گاؤں تشریف لے گئے۔ رات وہاں قیام فرمایا۔ محترم ملک صاحب کی اہلیہ بھی اس مقدس قافلہ میں ملک صاحب کے ساتھ تھیں۔ آپ گھر والوں سے بہت حسن سلوک کرنے والے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق تھے کہ "تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے بہتر سلوک کرتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رفیقۂ حیات بھی بہت سمجھدار اور تعاون کرنے والی عطا فرمائی تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اپنے خادم کا رشتہ خود حضرت فضل عمر نے تجویز فرمایا تھا۔

محترم ملک صاحب کی وفات سے دل کو گہرا زخم پہنچا ہے۔ ان کی جدائی ایک عالم کی جدائی ہے اور یہ بالکل درست ہے مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ عالم کی موت ایک دنیا کی موت ہے۔ اور محترم ملک صاحب کی وفات ایسی جدائی نہیں جو جلد بھلائی جا سکے۔ کئی بار ان دنوں یہ شعر زبان پر آیا۔ ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

ہر شخص آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ آپ کے عالی اخلاق۔ بلند علمی مرتبہ شرافت' مرنجاں مرنج طبیعت کا ہر زبان پر ذکر ہے۔ ؎

اے خدا بر تربت او بارش رحمت ببار

بقیہ از صفحہ...... 92

تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان کی اہلیہ محترمہ اور بچگان کا خود حافظ و ناصر اور بہتر کفیل ہو اور ہمیشہ خلافت سے وابستہ رکھے اور ہر لحاظ سے اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرماتا رہے نیز سلسلہ عالیہ میں اس نادر وجود کی وفات پر جو خلا واقع ہوا اسے بہتر رنگ میں پورا فرمائے اور مِنْھُمْ مَنْ یَّنْتَظِرُ کے مطابق ہمارا بھی انجام اپنے فضل سے بخیر فرمائے اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلتے رہنے اور سلسلہ کی بہتر رنگ میں تادم آخر خدمات بجالاتے رہنے کی توفیق اور مواقع بہم پہنچاتا رہے۔ وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللہِ عَزِیْز

آپ بہت بعد میں آئے اور بہتوں سے آگے نکل گئے

حضرت ملک صاحب کی وفات پر مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب مدیر روزنامہ الفضل کا اداریہ نوٹ

★★★

مکرم و محترم مولانا نسیم سیفی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت ملک سیف الرحمان صاحب اپنی طبعی عمر گزار کر ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو ہمیشہ بلند فرماتا رہے اور آپ کی اولاد در اولاد کو آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خدمت دین کے قابل قدر مواقع مہیا فرمائے اور ہم سب کو اس بات کی توفیق دے کہ ہم ان کی نیکیوں کا تذکرہ کرتے رہیں اور انہیں اپناتے ہوئے اپنے لئے بھی ثواب کی راہیں ہموار کریں اور محترم ملک صاحب کے بھی درجات کی بلندی کا باعث بنیں۔

اگرچہ ملک صاحب ہم سے جدا ہو گئے ہیں لیکن احمدیت کی تاریخ میں ان کی ایک ایسی زندگی کا آغاز ہو گیا ہے جو ہمیشہ تابندگی سے دوسروں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی رہے گی اور اس ورلی زندگی کے برخلاف بوڑھا ہونے کی بجائے ہمیشہ جوان ہوتی رہے گی۔ آپ ہماری تاریخ کا ایک ایسا حصہ بن گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے انمٹ ہے اور جو ہمیشہ کے لئے اس کے اوراق کو رونق بخشے گا۔

آپ بہت بعد میں آئے اور بہتوں سے آگے نکل گئے اور اس آگے نکلنے میں اس جوہر شناس شخصیت کا ہاتھ تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ دینی و دنیوی علوم سے پر کیا جائے گا اور جلد جلد بڑھے گا۔ ہمارا مطلب ہے حضرت فضل عمر۔ حضور نے اس جوہر کو دیکھا اور جلا بخشی۔ اس ہیرے کو اٹھایا اور تراش کر بے بدل بنا دیا۔ محترم ملک صاحب کی اپنی صلاحیت اپنی جگہ پر لیکن حضرت فضل عمر نے انہیں ملک کے مختلف حصوں میں بھیج کر جو تعلیم دلوائی اس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

آپ تقریباً پچاس سال تک جماعت کے فقہی مسائل کو سلجھاتے رہے اور اس سلسلہ میں یہ بات زبان زد عام ہے کہ آپ کی سمجھ بوجھ اور آپ کا اظہار خیال اتنے متوازن تھے کہ بائد و شائد۔ اس کے علاوہ جامعہ احمدیہ کے لئے آپ کی خدمات کا تعارف وہ مربی ہیں جو دنیا بھر میں احمدیت کی خدمت میں مصروف ہیں۔

اس مختصر سے کالم میں آپ کی خوبیوں کا ذکر تو کیا ہوگا صرف دعا کی غرض سے یہ چند سطور احاطہ تحریر میں لائی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ محترم ملک صاحب کو اپنے قرب میں جگہ دے۔ آپ کے درجات بلند کرتا رہے اور ہمیں ان کی نیکیوں کے تسلسل کی توفیق دے۔

(روزنامہ "الفضل" ۲۔ نومبر ۱۹۸۹ء)

منظوم کلام از سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

برموقع جلسہ سالانہ جرمنی ۱۹۹۰ء (ماخوذ از آڈیو ٹیپ)

پس منظر

حضور نے فرمایا :-

اب ایک نظم سے پہلے شریف خالد صاحب اس کا پس منظر بیان کریں گے۔ چند دن ہوئے مجھے ان کی طرف سے بار بار یہ پیغام ملا کہ جرمنی کے جلسے کے لیئے اپنا تازہ کلام بھجوا دیں تاکہ وہ کسی دوست کو رواں کروا دیں اور تلفظ درست کروا دیں۔ تو مَیں نے اپنی ایک ایسی نظم اُن کو بھجوائی جس کا پس منظر وہ ابھی آپ کے سامنے بیان کریں گے۔

شریف خالد صاحب :- خاکسار نے سیدنا حضور اقدس کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ حضور انور ہمارے جلسہ سالانہ کے لیئے اپنا تازہ منظوم کلام عنایت فرمائیں۔ اس کے جواب میں حضور انور کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی طرف سے جو جواب موصول ہوا وہ احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ لکھتے ہیں کہ :-

"حضور نے فرمایا ہے کہ نظم سنائے جانے سے پہلے اس کا مندرجہ ذیل پس منظر بھی احباب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔"

اس نظم کے پس منظر میں حضور انور کی وہ رُؤیا ہے جو حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کی وفات سے ایک روز قبل دیکھی۔ .... حضور فرماتے ہیں :-

انذار اور خوشخبری کے پہلو رکھنے والی رُؤیا :-

ایک اور رُویا جس میں انذار کا پہلو بھی تھا اور ایک خوشخبری کا رنگ بھی رکھتی تھی۔ وہ اگرچہ اپنے بعض دوستوں کے سامنے بیان کر چکا ہوں لیکن جماعت کے سامنے غالباً ابھی تک پیش نہیں کی۔ جب حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کا وصال ہُوا ہے تو جس دن اس کی اطلاع ملی اس سے پہلی رات مَیں نے یہ رُؤیا دیکھی کہ اقبال کی ایک مشہور غزل کے دو شعر مَیں پڑھ رہا ہوں اور خاص اس میں درد کی ایک کیفیت ہے۔ اور اقبال کی یہ وہ غزل ہے جو بچپن میں کالج کے زمانے میں مجھے بہت پسند تھی لیکن چونکہ مدت سے پڑھی نہیں اس لیئے خواب میں کوشش کر کر کے یاد کر کے وہ شعر پڑھتا ہوں اور پھر آخر یاد آجاتے ہیں اور وہ رواں ہو جاتے ہیں اور وہ شعر یہ تھے کہ ؎

تھا جنہیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے ☆ لے کے اب تُو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا
آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ ☆ صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

تو بہت ہی دردناک اشعار ہیں اور جب آنکھ کھلی تو میرے دل پر بہت ہی اس بات کا گہرا اثر تھا اور غم کی کیفیت تھی کہ معلوم ہوتا ہے کہ سلسلے کے کوئی ایسے بزرگ جن کا خدا کے نزدیک ایک مرتبہ ہے رخصت ہونے والے ہیں جو انتظار کی راہ دیکھتے دیکھتے میرے جانے سے پہلے پہلے وصال پا جائیں گے۔ دوسرے دن صبح جب ملک سیف الرحمٰن صاحب کے وصال کی اطلاع ملی تو اُس وقت لاہور کے دوست چوہدری حمید نصر اللہ صاحب اور ان کے ساتھ ایک دو اور وکلا بھی تھے یہ ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے ان سے مَیں نے بیان کی اور مَیں نے کہا کہ میں نیک فال کے طور پہ یعنی اگرچہ لفظ "نیک فال" کا اطلاق پوری طرح تو نہیں ہوتا مگر ان معنوں میں نیک فال کے طور پر کہ گویا انذار ٹل چکا ہے اور جو ہونا تھا ہو چکا ہے، اس خواب کے مضمون کو ملک سیف الرحمٰن صاحب کے وصال پر لگا رہا ہوں۔ اگرچہ وہ اس عرصے میں ملتے بھی رہے ہیں لیکن جس مرتبے کے انسان تھے، خواب میں جیسا میرے ذہن پر اثر تھا کہ اس مرتبے کا کوئی انسان رخصت ہونے والا ہے یہ ان پر صادق آتا ہے۔ اور دوسرا خیال یہ تھا کہ ملک صاحب کو خواہش تو بہرحال یہی ہو گی کہ میں بھی ربوہ جاؤں اور پھر ربوہ میں واپسی ہو اور اس تقریب میں شمولیت ہو تو اس خیال سے اگر اس پر اطلاق ہو جائے تو کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔ آپ کو میں یہ رؤیا بتاتے ہوئے اس دُعا کی تحریک کرتا ہوں کہ اللہ کرے کہ یہ انذار کا پہلو یہاں تک ہی ٹل جائے۔ اور جو دوسرا پہلو ہے واپسی کا اس کے آثار جلد جلد ظاہر ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ ایسی حالت میں لے کے جائے کہ کم سے کم تکلیف کی خبریں ملیں۔ اب کے بعد خدا کرے یعنی میں تو دُعا کے رنگ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بظاہر چیز ناممکن بھی ہو تو دُعا کے ذریعے ممکن بن سکتی ہے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اب کے بعد واپسی تک کوئی فوت نہ ہو۔ وفات کا جو سلسلہ ہے وہ تو جاری رہے گا لیکن دُعا کرتے وقت یہ کہنے میں کیا حرج ہے کہ کوئی بھی نہ ہو۔ اس لحاظ سے میں آپ کو کہہ رہا ہوں کہ دعا کریں کم سے کم لوگ، اگر فوت ہونا کسی کا مقدر بھی ہے تو کم سے کم لوگ اس عرصے میں وفات پائیں اور کم سے کم لوگوں کے متعلق پھر یہ دردناک مضمون صادق آئے کہ ؎

تھا جنہیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے
لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا

اس پس منظر کے پڑھے جانے کے بعد حضور اقدس نے فرمایا:۔

"یہ جو نظم ہے اس میں اسی کیفیت کو اُن رخصت ہونے والوں کی طرف سے نظمایا گیا ہے یعنی کلام تو میرا ہے لیکن اُن لوگوں کی طرف سے کہہ رہا ہوں اپنے آپ کو مخاطب کر کے، جو انتظار میں رخصت ہو گئے۔"

نظم

جائیں جائیں ہم روٹھ گئے اب آکر پیار جتائے ہیں
جب ہم خوابوں کی باتیں ہیں جب ہم یادوں کے سائے ہیں

اب کس کو بھیج بلائیں گے۔ کیسے سینے سے لگائیں گے
مر کر بھی کوئی لوٹا ہے۔ سائے بھی کبھی ہاتھ آئے ہیں

کیا قبروں پر رو رو کر ہی نینوں کی پیاس بجھا لیں گے
کیا یوں بھی کسی نے روٹھے یار منا کر بھاگ جگائے ہیں

جو روتے روتے مندھ گئی آنکھیں گھُل گھُل کر جو چراغ بجھے
اب اُن کی پچھلی یادوں میں کیا بیٹھے نیر بہائے ہیں

جو صبح کا راستہ تکتے تکتے۔ اندھیروں میں خواب ہوئے
اب اُن کے بعد آپ اُن کے لئے کیا خاک سویرے لائے ہیں

ہم نے تو آپ کو اپنا اپنا کہہ کر لاکھ بلا بھیجا
پر پھر بھی آپ نہیں آئے آپ اپنے ہیں کہ پرائے ہیں

اب آپ کی باری ہے تڑپیں اب آپ ہمیں آوازیں دیں
روتے جاگیں سوتے میں ہنسیں کہ خواب ملن کے آئے ہیں

ہم جن راہوں پر مارے گئے وہ صبح کی روشن راہیں تھیں
ظالم نے اپنے ظلم سے آپ اپنے ہی اُفق دھندلائے ہیں

ہم آ بھی بسے ہیں اپنے خوابوں کی سرمد تعبیروں میں
آپ اب تک فانی دنیا میں سپنوں سے دل بہلائے ہیں

ہر خوشبو اور ہر رنگ کے لاکھوں پھول کھلے ہیں آنگن میں
پھر چند گلوں کی یادیں کیوں کانٹوں کی طرح تڑپائے ہیں

ہم سرافراز ہوئے رخصت۔ ہے آپ سے بھی امید بہت
یہ یاد رہے کس باپ کے بیٹے اور کس ماں کے جائے ہیں

تجھ کو ڈھونڈوں تو کہاں اب تجھے پاؤں تو کہاں

میرے میاں

(محترمہ امۃ الرشید شوکت صاحبہ اہلیہ صاحبہ حضرت ملک سیف الرحمن صاحب)

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

قادیان میں حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) نے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے دینیات کلاسز جاری فرمائیں۔ میں درجہ خامسہ کی طالبہ تھی کہ میرے لئے بعض رشتے آئے لیکن میری والدہ (جو حضرت میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی کی بیٹی تھیں) کہتیں کہ میرا دل نہیں مانتا۔ وہ بیان کرتی تھیں کہ جب کسی امیر گھرانے کا رشتہ آتا ہے تو میرا دل ڈرتا ہے اور خوفزدہ ہوتا ہے۔ ایک دن ایک پیغام آیا۔ کاغذ کے ایک پرزے پر نام اور عمر وغیرہ لکھی ہوئی تھی اور یہ بھی کہ وہ واقف زندگی ہے۔ نام ملک سیف الرحمان۔ میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ اس رشتہ کے لئے تم بھی دعا کرو اور اگر کوئی خواب آئے تو مجھے بتانا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت خلیفہ المسیح الاول (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) فرمایا کرتے تھے کہ لڑکی کو خود اپنے رشتہ کے بابرکت ہونے کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ کیونکہ ساری عمر تو اسی نے گزارنی ہوتی ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد دو نفل اور دعائے استخارہ پڑھتی اور دعا پڑھتے ہوئے سو جاتی۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے کوئی کہہ رہا ہے کہ تمہارا نکاح مجید سے ہوا ہے۔ جس کی تنخواہ گیارہ سو روپے ماہوار ہے۔ اس وقت ملک صاحب دارالواقفین قادیان میں رہتے تھے۔ اس رشتہ کی بات ملک صاحب کے دوستوں کی تحریک پر اور بعض خواتین کے آنے پر آگے بڑھتی رہی۔ اس رشتہ کی حضرت مصلح موعود نے بھی تعریف فرمائی۔ اس طرح میرا اور ملک صاحب کا رشتہ حضرت مصلح موعود کی خوشنودی پر ہوا اور حضور نے بیت مبارک قادیان میں ہمارے نکاح کا اعلان فرمایا۔

نکاح پر جوڑا پہنانے کے لئے ملک صاحب کے ہم کلاس اور دوست مولانا محمد احمد صاحب جلیل (حال مفتی سلسلہ) کی بیوی محترمہ آپا فاطمہ بیگم صاحبہ (مرحومہ) اور ان کے بھائی (مولوی عبدالکریم صاحب) کی بیوی آپا امینہ بیگم صاحبہ اور کچھ اور خواتین آئیں۔ نکاح کی انگوٹھی ملک صاحب نے خاص طور پر ہدایت دے کر بنوائی تھی۔ جس کے ایک طرف نیلے رنگ کی میناکاری کی ہوئی تھی اور اس پر (سیف) لکھا ہوا تھا اور دوسری طرف سبز رنگ کی میناکاری کے

درمیان (شوکت) لکھا ہوا تھا۔ جس نام کو اوپر کی طرف کرنا ہوتا کیا جا سکتا تھا کیونکہ انگوٹھی کے اندر پیچ لگا ہوا تھا۔

۱۸۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو ہماری شادی ہوئی اور حضرت مصلح موعود برات کے ساتھ ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائے اور رشتہ کے بابرکت ہونے کی دعا فرمائی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں شادی کا جوڑا پہن کر تیار ہوئی تو حضرت ام طاہر (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) نے عطر جو ان کا اپنا تھا اپنے ہاتھوں پر لگا کر میرے کپڑوں پر اس کی خوشبو لگائی (ان کے ہاتھوں کا لمس میں آج تک محسوس کرتی ہوں) ۱۹۔ اکتوبر کو دعوت ولیمہ میں حضرت مصلح موعود نے شرکت فرمائی اور بعض خواتین مبارکہ نے بھی۔ حضرت اماں جان کی خدمت میں کھانا بھجوایا گیا۔ آپ نے کھانا پسند فرمایا۔ گو کھانا صرف نان' آلو گوشت اور زردہ پر مشتمل تھا۔ یہ کھانا مولانا محمد احمد صاحب جلیل (حال مفتی سلسلہ) کی نگرانی میں تیار ہوا۔

دارالرحمت میں ہمارے گھر کے قریب ہی ایک گھر ملک صاحب نے کرایہ پر لیا تھا اس گھر میں دو ماہ رہنے کے بعد میں اپنے والدین کے گھر آ گئی کیونکہ ان دنوں سب واقفین زندگی دارالواقفین میں رہتے تھے۔ جو دارالانوار میں ڈاکٹر حاجی خان صاحب کی کوٹھی میں تھا۔ وہاں پر ہی ان کا کھانا پکتا۔ مدرسہ احمدیہ میں پڑھائی کرنے کے بعد سب کا قیام وہاں ہوتا۔ وہاں سے ہی نمازیں پڑھنے بیت مبارک میں جاتے۔ گویا وہ ہوسٹل ان کی تربیت گاہ تھا۔ جب ہماری شادی ہوئی تو ہر واقف زندگی کا الاؤنس ۳۰ روپے اور بیوی کے لئے ۲۰ روپے الاؤنس مقرر ہوا اور ہر بچہ کی پیدائش پر ۱۵ روپے بڑھا دیئے جاتے۔ ہر واقف زندگی جس کی شادی ہو جاتی اسے صرف جمعرات کی رات کو گھر آنے کی اجازت تھی۔ ان کی بیویاں اپنے سسرال کے ساتھ رہتی تھیں اور انہیں تنہائی محسوس نہ ہوتی۔ چونکہ ملک صاحب اپنے رشتہ داروں میں سے اکیلے احمدی تھے۔ اسی لئے میں اپنے والدین کے گھر میں رہی اور رخصت کے دن ملک صاحب ہمارے گھر آ جاتے میری دینیات کی تعلیم ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی اس لئے شادی کے بعد میں نے اپنی تعلیم جاری رکھی۔ میں نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور ملک صاحب کو اجازت دیدیں کہ وہ روزانہ ایک گھنٹہ مجھے گھر آ کر پڑھا دیا کریں اور حضور نے از راہ کرم اجازت دیدی۔ اسی خصوصی اجازت کے ملنے پر ملک صاحب مجھے روزانہ ایک گھنٹہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد گھر پر آ کر حدیث' عربی اور صرف و نحو پڑھایا کرتے تھے گویا وہ میرے استاد بھی تھے۔

جب میری بڑی بیٹی امتہ اللطیف پیدا ہوئی تو چلہ کے دوران ہی اس کی آنکھیں دکھنے لگیں۔ ملک صاحب روزانہ بڑے اہتمام سے اس کی آنکھیں صاف کرتے اور باقاعدگی سے دوائی ڈالتے۔ وہ رات کو بہت رویا کرتی تھی اور یہ اسے پہروں گود میں لے کر ٹہل ٹہل کر بہلاتے۔ جب میری دوسری بیٹی امتہ الباسط پیدا ہوئی تو مجھے نمونیہ ہو گیا اور ملک صاحب ان دنوں بغرض تعلیم دہلی میں تھے۔ ایک ماہ کی رخصت لے کر قادیان میری تیمار داری کے لئے آئے اور بہت خیال رکھا۔ قادیان میں ہی میری تیسری بیٹی امتہ الحمید پیدا ہوئی۔ تینوں بیٹیاں میری والدہ کے گھر ہی پیدا ہوئیں۔ بعد میں بہت ہی قریب ایک گھر کا نصف حصہ ہمیں کرایہ پر مل گیا اور ہم ادھر شفٹ ہو گئے۔ اس وقت تک واقفین کو

اپنے گھر پر رہنے کی اجازت مل گئی تھی۔

دوسری بیٹی کی پیدائش کے بعد میں نے نصرت گرلز ہائی سکول کی پانچویں سے آٹھویں کلاس کی طالبات کو اسلامیات اور عربی پڑھانی شروع کردی۔ ایک نیک خاتون ہمیں کام کرنے کیلئے مل گئی جو بچیوں کو گھر پر رکھتی اور گھر کے کام کاج میں مدد دیتی۔ وہ خاتون صبح سویرے قادیان کے قریب ایک گاؤں بھینی سے آتی۔ ہر روز اسکا بیٹا اسے سائیکل پر چھوڑ جاتا اور اسے لے بھی جاتا۔ جمعہ کے دن وہ رخصت پر ہوتی تو یہ دن میرا بہت زیادہ مصروف گذرتا۔ جمعہ کی نماز سے پہلے کھانا پکانا اور کپڑے بھی دھونے ہوتے تھے۔ جب میں کھانا پکاتی تو ملک صاحب بچیوں کی دیکھ بھال کرتے انہیں بہلاتے اور جب کپڑے دھوتی تو کپڑے لیکر رسی پر سوکھنے کیلئے ڈالتے۔ اس طرح میرے کام کو آسان کرنے میں مدد دیتے۔

اگست ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو رہا تھا۔ اور یہ دن بڑی بے یقینی کے تھے اور اردگرد کے گاؤں سے آنے والے لٹے ہوئے قافلوں نے قادیان کے میدانوں میں ڈیرے لگائے ہوئے تھے اور رات کے وقت قریب کے گاؤں میں رائفلوں کے چلنے کی آوازیں آتی رہتی تھیں اور آگ لگنے پر لوگوں کے شور و غوغا اور چیخ و پکار سنائی دیتی تھی۔ رات کو ہم بچیوں سمیت اپنے گھر کی چھت پر سویا کرتے تھے۔ شدید گرم راتیں تھیں وہ۔ گرمی اور بندوقوں کی آوازیں اوپر سے کتوں کی دردناک آوازوں سے دل دہل جاتا تھا کہ نامعلوم کیا مصیبت آنے والی ہے وطن پر۔ میں ملک صاحب سے پوچھتی کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتی رہو کہ وہی سب مشکلوں اور مصیبتوں کو دور کرنے والا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے علماء کے جس گروپ کو سب سے پہلے لاہور بھجوایا تھا اس گروپ میں ملک صاحب بھی شامل تھے۔ مجھے انہوں نے کہا کہ یہیں رہ کر مقابلہ کرنا ہوگا پھر اچانک ستمبر کے شروع میں میرے لاہور جانے کا پروگرام بن گیا اور میں بچیوں کو لے کر لاہور آ گئی۔ وہاں رتن باغ کے قریب جسونت بلڈنگ میں قیام ہوا۔ ربوہ آنے تک وہاں رہے اور وہیں میری چوتھی بیٹی مبارکہ بشریٰ پیدا ہوئی۔ اس بلڈنگ میں ایک نرس اور ایک دائی بھی تھی۔ دونوں کو ملک صاحب نے بلا لیا۔ وہ بہت سرد رات تھی ملک صاحب رات بھر خود ہی جاگتے رہے لیکن میری والدہ کو نہ جگایا کہ انہیں تکلیف ہو گی۔ ایک انگیٹھی میں کوئلے ڈال کر برآمدے میں سلگاتے اور اسے میرے کمرہ میں رکھ کر دوسری انگیٹھی کو سلگانے کے لئے لے جاتے۔ دو بجے کے قریب بیٹی پیدا ہوئی۔ نرس نے بیٹی کو نہلایا۔ ملک صاحب نے بچی کے کان میں اذان اور اقامت کہی اور گھٹی دینے کے بعد پھر آرام کیا۔ صبح کے وقت والدہ بیدار ہوئیں تو تعجب کا اظہار کیا کہ انہیں کیوں نہ جگایا۔ کسی بیٹی کی پیدائش پر یہ نہیں کہا کہ بیٹی کیوں ہو گئی بلکہ ہر دفعہ پہلے سے بھی بڑھ کر میرا اور بچیوں کا خیال رکھا۔

ربوہ آ کر ہم پہلے بیرکس میں اور پھر کچے مکانوں میں رہے۔ مکان اس گلی میں تھا جس کو "استانیوں والی گلی" کہتے

تھے۔ وہیں میرا پہلا بیٹا مجیب پیدا ہوا۔ میں نصرت گرلز سکول میں پڑھاتی تھی۔ اس کی پیدائش کی خوشی میں سکول کی ہیڈ مسٹرس صاحبہ نے آدھے دن کی سارے سکول کو چھٹی دیدی۔ اس کے بعد ہماری پانچویں بیٹی امتہ الغفور کوثر پیدا ہوئی۔ یہ بچی چار ماہ کی عمر میں وفات پا گئی۔ ۱۹۵۵ء میں تحریک جدید کے پختہ کوارٹر میں ہم لوگ منتقل ہو گئے۔ اس مکان کے قریب ہی بعد میں بیت محمود کی تعمیر ہوئی۔ اسی مکان میں میرا دوسرا بیٹا ہشام قمر اور تیسرا بیٹا اطہر بشیر پیدا ہوا۔ اس مکان میں ہم ۱۹۶۶ء تک رہے اور بعد میں تحریک جدید کے ایک سینئر کوارٹر میں چلے گئے۔ یہ کوارٹر تقریباً ۲۳ سال تک ہمارے پاس رہا۔

ہر بچے کے پیدا ہونے کے بعد ملک صاحب تقریباً دس دن تک اپنے ہاتھوں سے ناشتہ تیار کر کے مجھے دیکر پھر جامعہ جاتے۔ زچہ کے لئے جو پنجیری وغیرہ تیار کی جاتی ہے وہ میرے لئے تیار کرتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ بنانے کی ترکیب کہاں سے سیکھتے یا سن کر تیار کر لیتے۔ حالانکہ میں بیماری کی وجہ سے کھا بھی نہ سکتی تھی لیکن ہر بچہ کی پیدائش پر وہ ضرور بڑے اہتمام سے تیار کرتے۔

۱۹۵۸ء میں نصرت گرلز ہائی سکول سے مجھے اور ایک اور ٹیچر جس کا نام حمیدہ راشدہ (مرحومہ) تھا ان ٹرینڈ ہونے کی وجہ سے فارغ کر دیا گیا۔ اس وقت میری سروس کی مدت تقریباً ۱۳ سال تھی۔ ابھی فارغ ہوئے مجھے پندرہ دن ہی ہوئے تھے کہ ایک دن میں حضرت چھوٹی آپا کے گھر گئی لجنہ کے کام کے سلسلہ میں اکثر ان کے پاس جاتی رہتی تھی۔ ان دنوں فضل عمر سکول جو لجنہ کی نگرانی میں کھولا گیا تھا اسے جاری ہوئے ابھی ایک دو سال ہی ہوئے تھے۔ اس سکول کی ہیڈ مسٹرس اس وقت کسی کام کے سلسلہ میں سیدہ چھوٹی آپا کے پاس آئی ہوئی تھیں۔ سیدہ چھوٹی آپا نے انہیں میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ انہیں دینیات پڑھانے کے لئے رکھ لو۔ اس وقت فضل عمر سکول پرائمری تک تھا۔ بعد میں مڈل اور ہائی سکول ہو گیا۔ پہلے میں پرائمری میں پڑھاتی تھی بعد میں مڈل اور ہائی کلاسز تک روزانہ کبھی سات اور کبھی آٹھ پریڈ دینیات اور عربی پڑھاتی رہی۔ دینیات کے کورس کے مطابق طلبہ و طالبات کو چوتھی تک قرآن کریم ناظرہ ختم کرایا جاتا اور پانچویں میں ایک پارہ باترجمہ اور دسویں تک پورا قرآن کریم باترجمہ ختم کرایا جاتا۔ پانچویں تک لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے پڑھتے اور پانچویں کے بعد لڑکے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بھجوا دئے جاتے۔ باقاعدہ انہیں الوداعی پارٹی دی جاتی۔ اس سکول میں میں نے ۱۹۸۰ء تک ملازمت کی۔

۱۹۶۰ء میں لجنہ کی طرف سے مجھے مصباح کی مدیرہ مقرر کیا گیا۔ میری ادارت کا پہلا شمارہ مصباح کا غالباً اکتوبر ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ سکول سے واپسی پر دفتر مصباح جاتی وہاں سے ڈاک اور مضمون وغیرہ لیکر گھر آ جاتی۔ خطوں کے جواب گھر بیٹھ کر لکھتی۔ ملک صاحب باوجود اس کے کہ جامعہ اور دار الافتاء کے علاوہ اور بے شمار کام ہوتے تھے۔ مضامین کی تصحیح کرنے اور ان کی ترتیب میں میرے مددگار ثابت ہوتے۔ کتابت ہو کر پروف پڑھنے میں ملک صاحب کے علاوہ میرے بیٹے مجیب نے (جب وہ ٹی۔ آئی۔ کالج کا طالبعلم تھا) بھی خاصی مدد کی۔ میں سر درد کی مریضہ تھی۔ سکول اور دفتر

سے جب گھر آتی تو اکثر یوں لگتا کہ سر پھٹ جائے گا اور ہر ایسی رات جب سر درد ہوتی تو یوں محسوس ہوتا کہ شاید صبح نہ ہوں دوائی کھلا کر ملک صاحب میرا سر دباتے "گردن" سر "کنپٹیاں ایسے" دباتے کہ مجھے نیند آ جاتی۔ ضرور دعا اور دم بھی کرتے ہوں گے کہ صبح جب میری آنکھ کھلتی تو میں بالکل تازہ دم ہوتی اور حسب معمول کام شروع کر دیتی۔ بعض دفعہ جب کام کے بوجھ سے تنگ آ کر میں کہتی کہ اب مجھ سے نہیں ہوتا تو کہتے کہ پھر چھوڑ دو۔

یونانی' ایلوپیتھک اور ہومیوپیتھک ہر قسم کی دوائیاں گھر میں ہوتیں۔ کسی کی طبیعت خراب ہوتی تو فوراً شروع میں دوائی دے دیتے اور آرام کرنے کو کہتے۔ ایک دفعہ مجھے' چاروں بیٹیوں اور مجیب بیٹے کو فلو ہو گیا۔ خادمہ گھر کے دوسرے کام سرانجام دیتی۔ ہم پانچوں کی خوراک اور دوائی دینے کا خود ہی اہتمام کیا۔ پورا ہفتہ ہم سب بستر پر لیٹے رہے۔ باری باری سب کو کچھ کھلا کر پھر دوائی باقاعدگی سے پلاتے۔ ان دنوں فلو ایک وبا کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ پورے ہفتے کے بعد ہم جب اٹھے تو اتنی کمزوری اور نقاہت تھی کہ چلتے وقت یوں لگتا تھا جیسے آسمان اور زمین ہل رہے ہیں۔ ملک صاحب خدا کے فضل سے ٹھیک رہے۔ ہم سب کی تیمارداری کے ساتھ باہر کے اپنے مفوضہ فرائض بھی سرانجام دیتے رہے اور ان کے چہرہ پر کوئی تھکن کے آثار بھی نہ آئے۔

ان کی گھریلو ڈاکٹری کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ یوں ہے کہ ہمارا سب سے چھوٹا بیٹا اطہر بشیر ابھی ایک سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک دن وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اس کے پاس ہی اس کی باجی بشریٰ بیٹھی ہوئی سبزی کاٹ رہی تھی اور میں کسی کام میں مصروف تھی کہ اچانک اطہر نے رونا شروع کر دیا۔ اس کی باجی کو رونے کی وجہ سمجھ نہ آئی کہ اتنے میں اس کے ابا جان باہر سے گھر آ گئے انہوں نے سمجھا شاید بھوک لگی ہو۔ مجھے کہا کہ دودھ تیار کرو۔ میں دودھ لائی اور پلانے کی کوشش کی لیکن بار بار کوشش کے باوجود اس نے دودھ نہ پیا اور رونا بھی بند نہ کیا یوں لگتا تھا جیسے اس کے منہ میں سخت تکلیف ہو۔ یوں بے چین دیکھ کر اسے گود میں اٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لے گئے ڈاکٹر نے منہ اور گلے کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ بچہ کے تالو کی ہڈی نظر آ رہی ہے ہڈی پر سے گوشت ایک طرف ہٹ گیا ہے۔ اسے فوراً لاہور لیکر جائیں وہاں پر اپریشن کے ذریعہ اس کا علاج ہو سکتا ہے۔ ملک صاحب نے گھر آ کر جب یہ خبر سنائی تو میرا غم کے مارے برا حال ہو گیا۔ ملک صاحب کے چہرے پر بھی فکر و تشویش کے آثار نمایاں تھے۔ شام ہو رہی تھی لاہور پہنچنے کے لئے تین گھنٹے کا سفر کرنا۔ نہ ہی کسی عزیز کے پاس اور نہ ہی اپنے پاس سواری کا کوئی انتظام تھا۔ بس یا ریل پر ہی جایا جا سکتا تھا اور صبح کا وقت ہی مناسب تھا۔ لاہور پہنچ کر ہسپتال جانا اور ڈاکٹر تک پہنچنے کے لئے گھنٹوں باری کا انتظار کرنا۔ یہ سب کچھ سوچیں تھیں جو آ رہی تھیں اور بچہ بھوک کی وجہ سے روئے جا رہا تھا اچانک ملک صاحب نے بورو گلیسرین بچہ کے منہ میں لگائی یہی سوچا ہو گا کہ گلیسرین سے منہ ذرا نرم ہو جائے گا تو دودھ پینا آسان ہو جائے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ جونہی انہوں نے گلیسرین تالو پر لگائی آلو کا چھلکا تالو سے الگ ہو گیا۔ چھلکا باہر نکلتے ہی تکلیف دور ہو گئی اور بچے نے دودھ پینا شروع کر دیا تو وہ آلو کا چھلکا تھا جو تالو سے لگا ہوا زخم دکھائی دیتا تھا۔ باجی جو

سبزی کاٹ رہی تھی اسے پتہ بھی نہ چلا کہ اس کے بھائی نے چپکے سے چھلکا اٹھا کر منہ میں ڈال لیا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بڑی آزمائش اور غم سے بچالیا۔ فالحمد للہ علی ذالک

ملک صاحب جامعہ سے جب گھر آتے تو دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑا سا وقت آرام کرتے۔ پھر اخبار انکے ہاتھ میں ہوتا اور اکثر وہ اخبار یا کوئی کتاب پڑھنے میں محو ہو جاتے۔ نماز عصر بیت مبارک میں ادا کرنے کیلئے چلے جاتے۔ بعد میں گھر آتے تو مرغیوں کو کھانے پلانے میں مشغول ہو جاتے۔ تحریک جدید کا جو کوارٹر تقریباً ۲۳ سال ہمارے پاس رہا۔ اس میں انجیر، جامن، میٹھا وغیرہ کے پھل دار درخت لگائے اور بعض درختوں کے پھل کثرت سے ہم نے بھی کھائے اور عزیزوں نے بھی کھائے۔ گھر کے پلاٹس میں سبزیوں اور پھولوں کی رونق بھی ان ہی کے دم قدم سے تھی۔ بچوں اور بچیوں کی تعلیم کے سلسلہ میں سب کوششیں اور انتظامات بھی ملک صاحب نے ہی کئے۔ لاہور میں انکے داخلے کے انتظامات اور ہوسٹلوں میں قیام کیلئے ادارہ جات کے افسروں سے ملنا اور ان سے بات چیت وہی کرتے تھے۔

ملک صاحب اپنی زندگی میں بعض امتحانوں اور مشکلات میں سے بھی گذرے لیکن کبھی گھر میں کوئی شکوہ و شکایت نہیں کی۔ بلکہ بڑے صبر و تحمل سے ان حالات کو برداشت کیا اور خدا کے فضل سے اس مشکل میں سے گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

☆حرف آخر

بچے مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ابا جان جب ریٹائرڈ ہوئے تو ان کی تنخواہ کتنی تھی۔ گویا وہ میری شادی سے پہلے کے خواب کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ پوری ہوئی یا نہیں۔ دراصل خوابیں تعبیر طلب ہوتی ہیں میرا خیال ہے کہ اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ شادی بابرکت ہوگی اور زندگی کامیاب و بامراد گزرے گی۔ سو الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری زندگی بہت خوشگوار گذری۔ کبھی تنگی کا احساس تک نہ ہوا۔ اچھا کھایا، اچھا پہنا، مددگار بھی اچھے ملے۔ اور کام کرنے کی بھی خداوند تعالیٰ نے توفیق دی۔ باقی رہی ان کی تنخواہ، نہ میں نے کبھی دریافت کیا کہ تنخواہ کتنی ہے نہ انہوں نے بتائی۔ چندوں کی ادائیگی کے بعد ہم دونوں کی تنخواہوں میں بہت اچھا گذارہ ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمتیں ہمیں عطا کیں۔ ملک ملک کی سیریں ہم نے کیں۔ سچ ہے۔ ؂

جو کچھ میری مراد تھی سب کچھ دیا مجھے

محترم ملک صاحب طبیعت کے ہمدرد، صاف گو اور ہر ایک کے خیر خواہ اور بے لوث محبت کرنے والے انسان تھے۔ میں تو ان کی محبت اور احسانوں کا بدلہ نہیں اتار سکتی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اپنی بے پناہ محبت کا سلوک ان سے کرے اور ان کے لئے اپنی رحمتوں اور فضلوں کے دروازے کھول دے ان کی اولاد کو نیک اور خدام دین بنائے اور ہم سب کا انجام بخیر کرے۔ آمین۔

بے نفس انسان ــ عجز و انکسار کا پیکر

محترم شفیق پرنسپل کی حسین یادوں کا تذکرہ

(مکرم حافظ مظفر احمد صاحب)
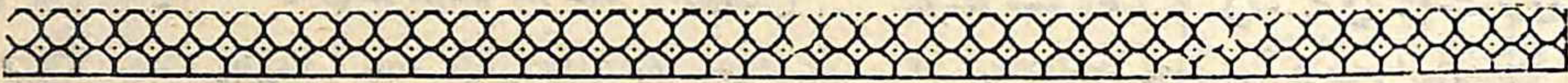
وہ صرف ایک شفیق استاد ہی نہیں، عظیم انسان، جید عالم اور بہت بزرگ ہستی تھے۔ ۱۹۳۴ء کے پر آشوب دور میں احمدیت قبول کر کے پہلے قادیان اور پھر ربوہ میں لمبے قیام کے بعد آپ گزشتہ پانچ سال سے کینیڈا میں مقیم تھے۔ گزشتہ دو سال سے کہتے چلے آرہے تھے کہ پاکستان آرہا ہوں۔ شاید صحت نے اجازت نہ دی۔ پھر بھی قول کے پکے تھے آئے تو سہی مگر تابوت میں بند ہو کر! آپ کا تابوت جب فیصل آباد ائرپورٹ پر اترا تو آپ کے بہت سے ارادتمند استقبال کے لئے موجود تھے۔ مگر آنے والا ان سے بے نیاز اور بے خبر ایک پرسکون نیند سو رہا تھا۔

حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر صدر مجلس افتاء، امیر جماعت فیصل آباد بھی اپنے دیرینہ ساتھی اور مجلس افتاء کے سیکرٹری کے استقبال کے لئے باوجود ضعیفی اور ناتوانی کے تشریف لائے اور کافی دیر انتظار فرماتے رہے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ علمی لحاظ سے ملک صاحب کا کوئی بدل ہمارے پاس موجود نہیں دعا کرنی چاہئے۔ فرمانے لگے کہ علم میں بھی ان کا کوئی بدل نہیں۔ اور انکسار میں بھی کوئی بدل نہیں۔ اگلے روز ملک صاحب کے جنازہ میں یہی بات حضرت مرزا عبدالحق صاحب امیر صوبہ پنجاب نے بیان فرمائی کہ ملک صاحب نہایت بے نفس انسان تھے اور میں سوچتا ہوں کہ ملک صاحب کی سحر انگیز شخصیت میں اس بے نفسی کو بھی ضرور دخل ہوگا۔ وہ سحر انگیز شخصیت جس نے اپنوں پرایوں میں محبت کا جادو جگا دیا تھا۔

ملک صاحب کے ایک دوست جنازہ پر آئے۔ وہ دیر تک آپ کا چہرہ مبارک دیکھتے رہے اور بے اختیار ہو کر روتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ملک صاحب نہایت بزرگ انسان تھے۔ میں تو پیروں کی طرح عقیدت رکھتا تھا۔ اب ان کی وفات سے تو گویا ایک کہانی ختم ہوئی۔ میں خاص ان سے ملنے کبھی ربوہ آیا کرتا تھا۔ افسوس کہ اب ملاقات کا یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اس سحر انگیزی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے شاگرد آپ پر فریفتہ ہوتے تھے۔ ہمارے استاذ محترم سید میر محمود احمد صاحب اس کی مثال یوں دیا کرتے تھے کہ دیکھو فقہ کا مضمون کتنا خشک ہے۔ موضوع کے لحاظ سے بظاہر اس میں دلچسپی کے کوئی سامان نہیں لیکن محترم ملک صاحب کی

پرکشش شخصیت کا جادو تھا کہ جب آپ کے شاگردوں سے پوچھا جاتا کہ کس مضمون میں دلچسپی ہے تو وہ بالعموم تفسیر، حدیث یا سیرت کی بجائے فقہ کا نام لیتے تھے۔ خاکسار بھی ان خوش قسمت طالبعلموں میں سے تھا جسے ملک صاحب موصوف سے شرف تلمذ کا موقع ملا۔ تین سال قواعد عربی (صرف و نحو) اور دو سال آپ سے فقہ پڑھی۔ آپ نہایت شفیق اور مہربان استاذ تھے۔ جب تک کوئی مسئلہ خوب اچھی طرح سمجھا نہ لیتے۔ اطمینان نہ ہوتا۔ فقہ کے مضمون میں بالخصوص آپ اپنے طالبعلموں میں وسعت نظر پیدا کرنے اور اجتہاد کی صلاحیتیں اجاگر کرنے کی سعی فرماتے تھے۔ بعد میں مجلس افتاء میں بھی کئی سال آپ کے ساتھ کام کا موقع ملا۔ عام فقہاء کی طرح پیچیدہ بحثوں کے الجھاؤ کی بجائے آپ کی رائے صاف اور واضح مدلل و مبین اور وقیع ہوتی تھی۔ جس میں تنگ نظری نام کو نہ ہوتی تھی بلکہ بسا اوقات ہم ملک صاحب کو آزاد خیال فقیہ کا نام دیتے تھے۔ یہ خوبی غیر معمولی اہمیت اختیار کر جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ملک صاحب کی ابتدائی تعلیم و تربیت غیر از جماعت کے دینی مدارس کے مولویانہ ماحول میں ہوئی۔ اس کے باوجود ایسی وسعت خیالی بلاشبہ نور احمدیت کی برکت اور خداداد عطیہ تھی۔

محترم ملک صاحب اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ان کے حالات پر گہری نظر رکھتے اور پھر ذاتی تعلق پیدا کر کے ان کی مدد اور راہنمائی فرماتے رہتے تھے۔ خاکسار جب جامعہ کی پہلی کلاس میں داخل ہوا تو نئے ماحول اور جامعہ کے اس رعب کے باعث جو دل میں تھا ایک عرصے تک سہا سہا رہا۔ جامعہ کی ایک پکنک کے موقع پر محترم ملک صاحب مجھے فرمانے لگے کہ آپ کی شکایت ملی ہے میں سخت حیران اور پریشان ہوا بہت سوچا مگر اپنی کوئی شکایت سمجھ میں نہ آئی۔ تھوڑی دیر مجھے پریشان حال دیکھ کر فرمانے لگے شکایت یہ ہے کہ تم کلاس میں کوئی شرارت نہیں کرتے۔ تب میری جان میں جان آئی۔

آپ حسب حالات و ضرورت طلبہ کی مالی امداد بھی فرماتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ جب جامعہ کی پہلی کلاس میں تھا۔ محترم ملک صاحب کی طرف سے ایک بند لفافہ ملا۔ کھولا تو اس میں میرے لئے کچھ رقم تھی۔ میری طبیعت پر وہ رقم لینے کے لئے بوجھ ہوا۔ چنانچہ معذرت کے ساتھ لفافہ واپس کر کے عرض کیا کہ مجھ سے زیادہ کسی ضرورت مند بھائی کو یہ رقم دیدیں۔ ملک صاحب کی طرف سے ایک سلپ حسب معمول سرخ روشنائی سے لکھی ہوئی ملی جس پر لکھا تھا۔ "مجھے ملیں" حاضر خدمت ہوا۔ تو فرمانے لگے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے ایک دفعہ کچھ رقم مجھے بھجوائی اور میں نے اپنی طبیعت کے بوجھ کے باعث واپس کر دی۔ انہوں نے مجھے بخاری کی ایک حدیث کا حوالہ دے کر رقم پھر واپس بھجوائی۔ حدیث یہ تھی کہ حضرت حکیم بن حزام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو شخص بغیر طمع، لالچ اور دست سوال دراز کرنے کے مال پائے اس میں برکت ہوتی ہے۔ اور جو شخص حرص سے مال کی خواہش کرتا اور ہاتھ پھیلاتا ہے اس کے مال میں برکت نہیں رکھی جاتی۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ آپ کی کسی خواہش یا طمع کے بغیر بطور تحفہ اور بغرض دعا جو بھجوایا ہے وہ آپ کو قبول کرنا چاہئے۔ فرمانے لگے میں نے تو یہ حدیث سن کر وہ رقم رکھ لی تھی اب تم بھی رکھ لو۔ پھر اس کے بعد تو یہ سلسلہ عنایات کا جاری ہی رہا۔ میں بہتیرا شکریہ ادا کرتا اور عرض کرتا کہ اس کی

ضرورت نہیں اور اگر ضرورت ہو بھی تو مجھے طبعاً ایک بوجھ اور حجاب محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تکلیف نہ فرمایا کریں۔ مگر محترم ملک صاحب ہر دفعہ پہلے سے بڑھ کر شفقت فرماتے۔ ایک ایسے ہی موقع پر جو محبت بھرا خط لکھا وہ اب بھی میرے لئے ملک صاحب کے ساتھ تعلق میں سرمایہ محبت ہے آپ نے لکھا۔ "یہ میرا فرض ہے کہ میں اپنے بچوں کی ضروریات کا خیال رکھوں' آپ غیر نہیں اس لئے کسی احساس یا حجاب کا درمیان میں دخل کیا' میں کئی بار شرمندہ ہوتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرتا ہوں کہ جو میرا فرض ہے اسے ادا کرنے میں کوتاہی کا مرتکب نہ ہو جاؤں۔ میرے دل میں آپ کی بڑی قدر ہے آپ کا حق ہے بالکل اس طرح جس طرح بیٹے کا باپ پر حق ہوتا ہے کیا بیٹا اپنے باپ سے کسی ضرورت کا ذکر کرتے وقت کوئی حجاب محسوس کرتا ہے۔ باقی رہا کہ اس کا علم کسی اور کو ہو یہ ایسے راز ہیں جو دو وجودوں تک ہی محدود رہتے ہیں۔"

اس عاجز پر تو زمانہ طالب علمی سے ہی ملک صاحب کی خاص نظر کرم رہی بلکہ اگر کہوں کہ میرا مبلغ علم جو کچھ بھی ہے وہ ملک صاحب کی راہنمائی اور سرپرستی کا مرہون منت ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

خاکسار ابھی جامعہ کے تیسرے سال میں تھا کہ محترم ملک صاحب کی دور بین نگاہ نے اس عاجز کو کسی علم میں تخصص کرانے کے لئے چن لیا اور مجھ سے ہی پوچھا کہ کس مضمون میں دلچسپی ہے۔ تفسیر میں تخصص کرنا پسند کرو گے یا حدیث میں۔ میں نے عرض کیا کہ یوں تو دونوں مضمونوں سے دلچسپی ہے۔ قرآن سے حفظ کے باعث بھی زیادہ لگاؤ ہے لیکن ہمارا خاندان اہلحدیث کے ایک علمی گھرانہ سے احمدیت میں آیا ہے اس لئے طبعاً مجھے حدیث کی طرف رغبت ہے۔ چنانچہ اس وقت سے ملک صاحب نے اس مضمون میں تخصص کرانے کے لئے راہنمائی شروع فرما دی۔

پہلے مجھے فرمایا کہ جامعہ کی لائبریری میں موجود جملہ کتب حدیث کی فہرست بناؤ جس میں مصنف کا پورا نام مع سن ہو اس کے بعد مجھے دارالافتاء کی لائبریری کی ایک اہم کتاب المنتقی فی اخبار المصطفیٰ پڑھنے کے لئے عنایت فرمائی۔ باقاعدہ مطالعہ کی رپورٹس لیکر تبصرہ فرماتے اور گاہے بگاہے انتظامی کاموں میں وقت صرف کرنے پر گرفت بھی کرتے اور فرماتے آپ کا اصل کام اپنے تخصص کی طرف توجہ ہے۔ یہ آپ کی ہی عنایت اور توجہ تھی کہ جامعہ میں تخصص حدیث کا نصاب مکمل کرنے کے بعد دقتوں کے باوجود دیگر دینی مدارس میں آپ نے مجھے بھجوایا جہاں کچھ عرصہ استفادہ کرنے اور ان کے طرز تدریس کا جائزہ لینے کا موقع میسر آیا۔

محترم ملک صاحب کی ان شفقتوں کا نتیجہ تھا کہ ان سے اس عاجز کو ایک ذاتی قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب آپ کینیڈا تشریف لے گئے تو آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ آپ کی وسعت نظر مطالعہ اور علمیت تو اپنی جگہ' تحریر بھی بہت پختہ' دلچسپ اور خوبصورت ہوتی تھی۔ ایک خط میں ڈاک کے ضائع ہونے کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

"آپ کو بھی یہ خط ملے یا نہ ملے کچھ اندازہ نہیں۔ سینکڑوں راہزن راستہ میں بیٹھے ہیں اگر نہ بھی ہوں تو خدشہ ضرور رہتا ہے۔ تحفظ احساس کا نام ہے یہ احساس مجروح ہو جائے تو کوئی تدبیر اسے بحال کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ خدا رحم کرے۔"

ایک اور خط میں کیلگری کینیڈا کے موسم کا حال یوں لکھا۔

"یہاں کا موسم تو بہت خوب ہے گرمی نام کو نہیں البتہ سردیاں بے اندازہ سخت ناقابل برداشت اور بہت لمبی۔ یوں لگتا ہے کہ مولا کریم نے تلک بتلک کا معاملہ کیا ہے۔ ادھر زمہریر اور (ادھر) سعیر اور دونوں کے بیچ میں ایمان والوں کا معاملہ اللہ کے حضور پیش ہے اور وہ اسی کے فضل کی امید پر جی رہے ہیں۔"

ایک اور خط میں موسم سرما کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"یہاں ان دنوں ہر طرف برف ہی برف ہے۔ ملک کا اکثر حصہ برف سے ڈھک گیا ہے۔ میدانوں میں چھتوں پر جدھر دیکھیں برف کی سفید چادر کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا...... اس کے باوجود دنیا رواں دواں ہے...... زندگی اتنی مصروف لگتی ہے جیسے کوئی کہہ رہا ہو۔

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

دل کرتا ہے کہ جامعہ کے سب طلباء یہاں کی زندگی دیکھیں اور اندازہ لگائیں کہ محنت اور جدوجہد اور زندگی کی دوڑ کس بلا کا نام ہے؟ اور فرض شناسی کے کیا معنی ہیں۔ صحت کسے کہتے ہیں اور عروج کے لئے کتنی جان ماری کی ضرورت ہے۔"

امریکہ کے صدارتی انتخاب کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک خط میں تحریر فرمایا۔

"یہاں امریکہ میں بھی انتخابات ہوئے ہیں یہ امریکہ کے لئے بڑے اہم فیصلہ کا موقع ہوتا ہے۔ قوم ایک فرد کو سارے اختیارات سونپتی ہے۔ انتخابی سرگرمیاں عروج پر ہوتی ہیں کنونشنوں کے پروگرام ٹی۔ وی پر دکھائے جاتے ہیں یہ احساس ابھرتا ہے کہ یہ لوگ جمہوریت کا پورا پورا شعور رکھتے ہیں۔ اختلافات کو اپنے دائرہ میں رکھنے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ اتنے اہم الیکشن کی سرگرمیوں میں کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹے ایک قطرہ خون کا نہ گرے۔ کوئی کسی کو اوئے تک نہ کہے یہ کمال خوبی کی بات ہے۔"

جماعت کی علمی ضروریات پوری کرنے کے لئے جامعہ کا معیار بلند کرنے کے لئے ایک فکر اور ایک درد تھا جو آپ کے دل میں موجزن تھا۔

ایک خط میں لکھا۔

"اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ سب اساتذہ کی بہترین کوششوں کے نتیجہ میں جامعہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ بہترین سپوت جامعہ سے نکلیں جو علم میں بھی ممتاز ہوں اور عمل میں بھی سب سے آگے ہوں۔ ملفوظات میں خاکسار نے کسی جگہ پڑھا ہے کہ ایک معلم اور مربی کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ ۱۔ ایمان۔ ۲۔ علم۔ ۳۔ محنت

اگر خاکسار وہاں ہوتا تو ملفوظات کا یہ اقتباس تلاش کر کے بطور ماٹو (Moto) کے جامعہ کے بورڈ پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتا بہت عمدہ اور ایمان افروز ملفوظ ہے۔ بہر حال خاکسار کی دعائیں آپ سب کے ساتھ ہیں"۔

اکثر اپنے خطوط میں جامعہ کے احوال پوچھتے۔ ایک خط میں جامعہ سے اپنے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔

"جامعہ سے لگاؤ طبعی ہے۔ جامعہ میں زندگی گزری۔ اس کی بہبود کی ہمیشہ تمنا رہی اور اچھے حالات باعث خوشی و مسرت ہوئے۔ دعا ہے کہ ہر برکت جامعہ کے حصے میں آئے اور اس کی ہر مشکل آسان ہو جائے"۔

محترم ملک صاحب بے پناہ خصوصیات کے مالک تھے، حلم اور تحمل و بردباری آپ کا شیوہ تھا۔ طبیعت میں نرمی اور اپنے طلبہ کے لئے بے پناہ محبت تھی۔ صرف نظم و نسق کے قیام

کے لئے مسلسل بے قاعدگیاں دیکھ کر سخت گرفت کرتے تھے۔ ہم طلبہ پر آپ کی شرافت اور بزرگی کا ایک رعب ہوتا تھا۔ سخت گیری سے کہیں زیادہ عفو اور رافت آپ کے خلق کا نمایاں حصہ تھی۔

ملک صاحب طبعاً سخی واقع ہوئے تھے۔ ایک دفعہ ہمیں بتایا کہ میں نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ کبھی کسی سائل کو رد نہیں کرنا۔ اس لئے جب بھی کوئی سائل آتا ہے، میرے پاس جو بھی چھوٹا سکہ یا رقم ہو وہ اسے دے دیتا ہوں اور اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ دراصل اپنا عمل بتا کر وہ ہمیں سبق دے رہے تھے۔

سیر و تفریح بھی آپ کو پسند تھی گاہے بگاہے بعض عزیز طلبہ کو کہہ کر دریا پر پکنک کا انتظام کرواتے اور اکثر و بیشتر اخراجات خود برداشت کرتے۔ الغرض آپ بہت خوبصورت صفات کے مالک تھے جن کو ایک مختصر سے مضمون میں احاطہ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔ وہ تو ایسی ہستی تھے جن کو ایک زمانہ یاد کرے گا۔ آج دنیائے احمدیت ان کے شاگردوں سے بھری پڑی ہے جو آپ کا صدقہ جاریہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محترم ملک صاحب موصوف کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور آپ کے مدارج بلند کرتا چلا جائے۔

بقیہ از صفحہ..... 198

مد فرماتے رہے کہ آپ کو جامعہ پہنچنے میں تاخیر ہوگی اور ناشتہ کی میز پر بھی ایک ایک چیز خود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر دی کہ آپ بے تکلف ہو کر ناشتہ کریں۔ اللہ اللہ۔ کیا محبت اور شفقت تھی۔ اور تربیت کا کیسا حسین رنگ کہ ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنا لیتا۔
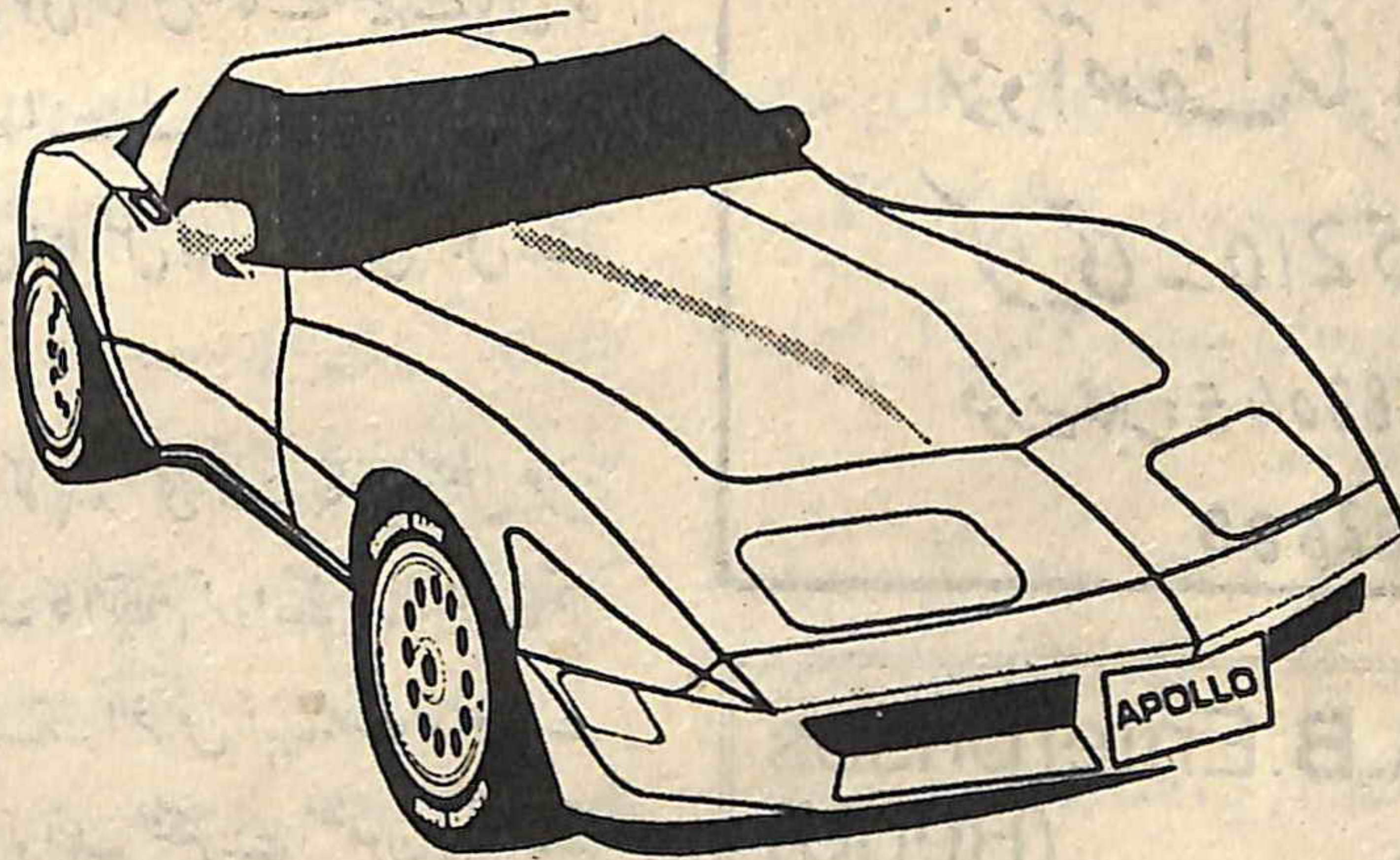
شفیق باپ، مہربان دوست

(حضرت ملک صاحب کی صاحبزادی محترمہ امۃ الحمید صاحبہ نوشہرہ کینٹ)

وہ قیمتی یادیں، وہ انمول باتیں، وہ شفیق چہرہ سب ایسے نقش ہیں جو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اگرچہ ہر منظر، ہر لمحہ کو لفظوں میں سمونا چاہتی ہوں مگر اپنے لفظوں کی تحریر کو حقیر ترین سمجھتی ہوں۔ جن کے اخلاق عظیم ہوں۔ کردار بلند ہو۔ شخصیت پر وقار ہو۔ محبتیں پاکیزہ ہوں وہ مرا نہیں کرتے بلکہ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ ابا جان مرحوم بے حد شفیق بے حد محبت کرنے والے باپ، ایک باوفا، پر خلوص اور عزت دینے والے خاوند، مہربان، علم کی دولت لٹانے والے استاد، ایک عالم با عمل، دین کی خدمت کے لئے ہر لمحہ تیار اور مستعد، خلافت سے والہانہ وابستگی اور اس کو خدا کی عطا کردہ بہت بڑی نعمت سمجھنے والے تھے اور اس نعمت کا شکر ادا کرنا عملی طور پر بھی اور زبانی طور بھی واجب سمجھتے۔ خلیفہ وقت کے عاشق، خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی عشق میں سرشار، قرآن و سنت کے پیروی کرنے والے، خدا پر کامل بھروسہ اور توکل رکھنے والے تھے۔ دعائیں بہت کرتے تھے۔ بہت خوش مزاج تھے اور ملنسار تھے۔ بوڑھے، جوان، بچے سب کے ساتھ تعلق تھا۔ ان کی صحبت میں بوریت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ہر موضوع کی گفتگو پر عبور تھا۔ بے پناہ ادبی ذوق کے مالک تھے۔ عام روزمرہ کی زندگی میں صبح سویرے اٹھ جاتے۔ نمازیں باقاعدہ باجماعت.... "بیت الذکر" میں ادا کرتے۔ گھر واپس آکر اونچی آواز سے تلاوت کلام پاک کرتے۔ ناشتہ وغیرہ کر کے جامعہ چلے جاتے۔ جامعہ کے علاوہ افتاء کے دفتر کا کام، مختلف میٹنگز۔ کبھی صدر انجمن احمدیہ کی میٹنگ، کبھی تحریک جدید کی میٹنگ، وقف جدید کی میٹنگ، جامعہ میں لڑکوں کو پڑھانے کے علاوہ لڑکوں کے ہوسٹل میں ان کی پڑھائی کا خیال، کھانے پینے کا خیال، ان کی اخلاقی حالت پر نظر۔ کبھی کوئی اپنے مسائل لے کر گھر آجاتا۔ غرض صبح سے لے کر شام تک یہی سلسلہ چلتا رہتا لیکن میں نے کبھی انہیں تھکتے نہیں دیکھا۔

خلیفۃ المسیح کا حکم ٹالنا گناہ کبیرہ سمجھتے تھے

دین کے کام بہت ذوق شوق اور لگن سے کرتے تھے۔

عجیب قسم کی بے خودی اور سرشاری کا عالم ہوتا۔ خلیفہ وقت کا حکم ٹالنا ایک گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔ خاندان حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے بزرگوں، جوانوں، بچوں کے لئے دل میں بے پناہ عقیدت اور عزت تھی۔ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ نظام خلافت کے خلاف نہ کبھی خود بات کی اور نہ کسی کی سنتے تھے۔ کئی دفعہ آزمائشیں بھی آئیں لیکن ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ امام وقت کو مانا تو پوری طرح اپنے آپ کو ان کی غلامی میں دے دیا۔ ہمیشہ خدا سے اس کا فضل اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہتے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے تو عاشق زار تھے۔ ان کا آخر دم تک یہی دل رہا کہ حضور پر نور کے قدموں میں بیٹھا کام کرتا رہوں۔

دینی غیرت

دینی غیرت بہت تھی۔ مجھے یاد ہے ۸۴ء میں TV پر حکومت کی طرف سے ہمارے خلاف دفعات لگائی گئیں کہ اذان نہیں دے سکتے، کلمہ نہیں پڑھ سکتے، اسلامی شعار پر پابندی وغیرہ، یہ سن کر آپ کا چہرہ پہلے ایک دم زرد ہوا۔ پھر ایک دم جوش سے سرخ ہوگیا اور کہنے لگے صبح سب سے پہلے میں جاکر اذان دوں گا۔ یہ کیسے روکیں گے۔ لیکن جب سب کو حالات کے تقاضا کے تحت ردعمل سے منع کر دیا گیا تو بس نڈھال سے رہتے تھے۔ حالانکہ پہلے دن رات کام کر کے بھی کبھی میں نے انہیں تھکا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ بہت افسوس کے ساتھ کہتے کہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اتنا بھی گر سکتے ہیں کہ خدا اور اس کے رسول کا نام لینے والے احمدیوں پر جرم عائد کر دیں؟۔

مختلف جماعتی کاموں میں اتنے مصروف ہونے کے باوجود کبھی گھر کے افراد سے غافل نہیں رہے۔ ہر بچے کی ضرورت کا خیال رکھتے۔ اگر کسی کی طبیعت خراب ہوتی تو اپنے ہاتھوں سے دوائی دیتے۔ غذا کا خاص خیال رکھتے۔ کسی کو درد محسوس ہو تو کبھی سر دباتے۔ کبھی جسم دباتے۔ ان کے ہاتھوں سے بہت آرام ملتا تھا۔ آدھے تو خود ڈاکٹر تھے اور بہت اچھے تیمار دار بھی۔

سمجھانے اور تربیت کا ایک خاص انداز

بچوں کی تربیت کی طرف خاص نظر ہوتی۔ سمجھانے کا ایک خاص انداز تھا۔ دعاؤں میں اک ہوک سی اٹھتی تھی۔ تربیت کے لئے ہو سکتا ہے ایک خاص وقت تک کبھی جھڑکا بھی ہو لیکن آپ کی محبتیں، شفقتیں اور عنایتیں اتنی ہیں کہ گنتی کے ان چند لمحوں پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ ہر ماں باپ کو بچوں کی تربیت کے لئے نرمی سختی کرنی پڑتی ہے۔ آپ نے کبھی سختی کی بھی ہوگی تو اس پر بے چینی اور پشیمانی دیر تک محسوس کرتے۔ ایک دفعہ مجھے کہنے لگے کہ 1953ء میں جب احمدیوں کے خلاف فسادات میں خطرہ کی وجہ سے سب کو گھر سے باہر نکلنے پر منع کیا ہوا تھا خاص طور پر بچوں کو تو خاکسارہ چھوٹی تھی کہیں باہر نکل گئی ہوں گی۔ ابا جان سامنے سے آ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ میں نے تمہیں باہر نکلنے پر بہت زور سے جھڑکا۔ جس سے تم بے اختیار ڈر کر چیخیں مارتی ہوئی گھر چلی گئی۔ کہنے لگے مجھے آج تک اس کا افسوس ہے کہ

میں نے کیوں تمہیں اتنے زور سے جھڑکا تھا۔ کئی دفعہ انہوں نے ذکر کیا حالانکہ مجھے یہ واقعہ یاد بھی نہیں۔

پڑھائی، لکھائی میں باقاعدہ وقت دیتے۔ لکھائی کے لئے ہر بچے کو تختیوں پر اپنے ہاتھ سے روزانہ پورنے ڈال کر دیتے۔ ان کی اپنی لکھائی بہت اچھی تھی۔ اس لئے خواہش مند تھے کہ ہر بچے کی لکھائی بھی اچھی ہو۔ بچوں کی جب نماز کے پڑھنے کی عمر شروع ہوئی انگلی پکڑ کر باقاعدہ بیت الذکر لے جاتے رہے تاکہ نماز کی عادت پختہ ہو جائے۔ جب باشعور ہوگئے تو بس خدا سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہے۔ دینی، دنیاوی تعلیم جہاں تک ہو سکا سب کو دلوائی۔ مذہبی لحاظ سے تنگ دلی نہیں تھی۔ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے اندر رہ کر ایک اچھا ماحول رکھا۔ ایک دفعہ مجھے ناول پڑھتے دیکھ لیا۔ دیکھ کر کہنے لگے بیٹا ایک شرط پر ناول پڑھو گی کہ کم از کم ایک ناول کے بدلے دو یا تین کتابیں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ضرور پڑھنا اور ہمیشہ اچھا ادب پڑھنا۔ تربیت کا ایک عجیب پیارا انداز تھا۔

ایک دفعہ میں نے بہت شوق سے سفید برقعہ سلوایا۔ نیا برقعہ پہن کر نکلنے لگی تو برآمدے میں ابا جان بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ میں نے سلام کیا تو دیکھ کر کہنے لگے سفید برقعہ میں تو سب کپڑے نظر آ رہے ہیں۔ کریم کلر کا ہوتا تو ٹھیک تھا۔ میں چپ کر کے چلی گئی۔ واپس آکر پھر دوبارہ وہ برقعہ پہننے کو دل نہ چاہا۔ اس کو میں نے کالا رنگ کروالیا۔ کچھ دنوں کے بعد پتہ نہیں کیا محسوس کیا مجھے وہ سفید برقعہ پہنے نہیں دیکھا تو کہنے لگے سفید برقعہ کدھر گیا ہے۔ کیوں نہیں پہنتی۔ میں نے کہا آپ نے ہی تو کہا تھا کہ کپڑے نظر آ رہے ہیں۔ اس لئے میں نے اس کو کالا رنگوالیا ہے۔ بہت پیار سے کہنے لگے بیٹے میں نے تو ایسے ہی تبصرہ کر دیا تھا۔ تم نے برا منالیا۔ پتہ نہیں کیوں پھر کبھی آج تک میں نے سفید برقعہ نہیں پہنا۔ حالانکہ ابا جان نے کبھی ہم پر پہننے اوڑھنے کی بے جا پابندی نہیں کی۔ کسی چیز پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ صرف واہیات فیشن ناپسند تھا۔ باقی ہر قسم کی آزادی تھی۔ تربیت کرنے میں یہ آیت فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ یعنی نصیحت کر پر تو ان پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا، پر عمل پیرا تھے۔ چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں کی عزت خود بھی کی اور بچوں میں بھی یہی وصف دیکھنا چاہتے تھے۔ امی کے رشتہ داروں، بہن بھائیوں سب کی عزت تازندگی کرتے رہے۔ اپنے رشتہ دار بھی جب آجاتے ان سے بہت حسن سلوک سے پیش آتے حالانکہ غیر از جماعت ہونے کی وجہ سے سخت مخالفین میں سے تھے۔ امی کا بہت خیال رکھتے، عزت کرتے اور بچوں سے بھی کرواتے۔ مجھے یاد ہے کبھی کسی بات میں امی، ابا جان میں بحث ہو جاتی تو ہم سب بہنیں ابا جان کی سائیڈ لینے لگ جاتیں کہ ابا جان ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ لیکن ابا جان اس وقت ایک دم کہتے کہ نہیں تمہاری امی ٹھیک کہہ رہی ہیں اور ساتھ ہی کہتے امی کی عزت کیا کرو۔ تمہاری امی کی بہت قربانیاں ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر انہوں نے میرا ساتھ دیا ہے۔ میرے ساتھ تعاون کیا ہے۔ دین کی خدمت میں بھی اور دنیاوی طور پر بھی۔

ہمدردی اور شفقت کا عجیب انداز

ہم جب چھوٹے تھے رات کو کوئی تکلیف ہوتی یا کسی چیز

کی ضرورت ہوتی یعنی پانی وغیرہ پینا ہوتا تو ہم سب ہمیشہ آواز امی کو دیا کرتے تھے لیکن اٹھ کر ہمیشہ ابا جان آتے تھے اور پوچھتے تھے کہ بیٹا کیا بات ہے۔ جو بھی ضرورت ہوتی پوری کر دیتے۔ چھوٹی چھوٹی ضرورتوں اور سہولتوں کا ضرور خیال ہوتا۔ سردیوں کے دنوں میں رات کو کمرے میں جب بجلی کے چھوٹے بلب ابھی عام نہیں ہوئے تھے ایک تیل کا دیا جلایا ہوتا تاکہ کمرے میں ہلکی روشنی رہے۔ اس پر سٹینڈ رکھ کر اوپر پانی کا کٹورا رکھ دیتے۔ کہتے تھے ایک تو فضا بخارات کی وجہ سے خشک نہیں رہتی۔ دوسرے بالکل ٹھنڈا پانی ایک دم سوئے ہوئے انسان کو اٹھ کر نہیں پینا چاہیئے۔ اس لئے سرد گرم پانی ملا کر ہمیشہ دیتے تھے۔ ہم اس بات پر حیران ہوتے تھے کہ بلاتے ہم امی کو ہیں مگر فٹافٹ ابا جان آجاتے ہیں۔ بعد میں عقدہ کھلا کہ ایک تو ابا جان کی نیند بہت ہلکی تھی۔ ذرا سی آہٹ سے آنکھ کھل جاتی تھی۔ امی کی نیند گہری تھی۔ ان کے آرام کا بہت خیال تھا کہ سارا دن بچوں میں علیحدہ مصروف رہتی تھیں۔ پھر سروس بھی کرتی تھیں۔ اس لئے بے آرام نہ ہو جائیں۔ حالانکہ خود بھی صبح سے لے کر رات گئے تک مختلف کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ امی بتاتی ہیں جب ہم چھوٹے تھے آپس میں تھوڑے فرق کی وجہ سے رات کو جب کبھی کوئی بچہ اٹھ جاتا۔ تو امی کے ساتھ باقاعدہ ابا جان بھی باری دیتے تھے۔ بعض مردوں کو دیکھا ہے بچوں کا رونا برداشت نہیں کر سکتے اور بیویوں کو جھڑک کر وہاں سے بھیج دیتے ہیں کہ نیند خراب ہو رہی ہے۔ بچوں کو باہر لے جاؤ۔ لیکن ابا جان اس بات سے بے چین ہو جاتے تھے کہ بچہ کیوں رو رہا ہے۔ کبھی اٹھا کر پھرتے۔ کبھی کوئی تکلیف میں دیکھتے تو دوائی دیتے۔ بہلاتے۔ اس کا تجربہ تو مجھے بھی ہے۔ خاکسار کی بیٹی فریحہ چند ماہ کی تھی۔ میں ان دنوں ربوہ ابا جان کے پاس گئی ہوئی تھی۔ بچی کو چیچک کا پہلا ٹیکہ لگوایا تھا۔ ہفتہ کے بعد اس ٹیکہ کا بہت ری ایکشن ہوا۔ شدید بخار تھا۔ بے چینی، بے قراری بہت تھی۔ بچی روئے جا رہی تھی۔ میں اپنی بیٹی کو اٹھا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے کوئی دوائی دینے سے بھی منع کیا ہوا تھا۔ ساری رات اسی طرح بچی کی بے چینی سے روتے ہوئے گزری اور ساتھ ابا جان بھی جاگتے رہے۔ کبھی اٹھا کر بہلاتے، کبھی تھپکتے۔ میں نے بہت کہا کہ آپ جا کر سو جائیں کہیں بیمار نہ پڑ جائیں لیکن ساری رات میرے ساتھ آنکھوں میں کاٹ دی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے میری پیاری بچی تکلیف میں ہے اور میں سو جاؤں۔

ایک دفعہ امی بیمار تھیں۔ غالباً ہمارا بھائی مجیب پیدا ہوا تھا۔ ابا جان ہم چاروں بہنوں کو لے کر اپنے اردگرد بٹھالیتے اور ایک قسم کی بڑی مزیدار سی میٹھی روٹی بنا کر دیتے تھے۔ آٹے میں دودھ، چینی، انڈا، گھی ڈال کر گوندھ کر روٹی بناتے تھے۔ کہتے کہ ایسی روٹی میری ماں یعنی تم لوگوں کی دادی مجھے بنا کر دیتی تھیں جب بھی میں سفر پر جاتا تھا۔

پھر خدا کا بہت فضل تھا سب بیٹیوں کے فرض ادا کرنے کی توفیق ملی۔ خدا کا بہت احسان مانتے اور شکریہ ادا کرتے کہ خدا نے اپنے فضل سے بہت اچھے نیک، عزت کرنے والے داماد اور بہوویں عطا کیں۔ آپ سب کا بہت عزت و احترام کرتے تھے۔ اپنے بیٹے بیٹیوں سے بھی بڑھ کر پیار کرتے تھے۔ رشتے کرتے وقت بھی بیٹیوں کو پیار سے سمجھا کر رشتے کئے۔ ابا جان نے مجھے سب سے پہلا خط ہی رشتہ کے متعلق لکھا۔ ان کو جو میرے مناسب رشتے لگے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"دنیا کی یہی ریت ہے۔ میں نہیں جانتا یہ کیوں ہے۔

بیٹیاں بھی دوسرے گھر بساتی ہیں اور بیٹے بھی دوسروں کے بن جاتے ہیں۔ ماں، باپ بیچارے تو صرف فکر و افسوس کے لئے یا اچھی خبروں کی امید میں منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔ بہرحال اسی ریت کے ماتحت یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اس وقت دو پیغام آئے ہیں...... اللہ تعالیٰ تمہاری راہنمائی فرمائے اور جو فیصلہ بھی ہو وہ بابرکت اور مسرتوں سے بھرپور ہو اور روشن مستقبل کا حامل ہو۔ آمین۔ والسلام۔ تمہارے اباجان"۔

خدا کا شکر کرو کہ احمدیت کی برکت سے نوازا ہے

ہمیں کہتے کہ خدا کا شکر کرو خدا تعالیٰ نے تمہیں احمدیت کی برکت سے نوازا ہے۔ اس کی قدر کرو جو صحیح دین سکھاتی ہے۔ اپنے خاندان کا ذکر اکثر کرتے۔ بہت سے واقعات سناتے رہتے تھے۔ آپ کا خاندان اگرچہ مذہبی، فقہی علوم سے مالا مال تھا لیکن جاہلیت کے رسموں و رواج اور بے جا پابندیوں سے اٹا ہوا تھا۔ وٹے، سٹے کی شادیاں یا بالکل بے جوڑ شادیاں۔ بیٹے کا گھر نہ بسا تو بیٹی کا اچھا بھلا گھر اجاڑ دیا۔ بیٹی کا نہ بسا تو بہو کو اپنے گھر بھجوا دیا۔ سترہ اٹھارہ سال کا لڑکا ہے تو چالیس سال کی عورت کے ساتھ زبردستی شادی یا تیرہ چودہ سال کی اپنی لڑکی ہے اور باپ شادی کرنا چاہتا ہے تو بدلے میں بیٹی کی شادی چالیس پچاس سالہ بوڑھے سے کرنا یہ سب عام معمول ہے اور پھر وہی مرنے جینے کی بدعتیں۔ ان سب چیزوں سے اباجان مرحوم فطرتاً بیزار تھے۔ ایک واقعہ اپنے بزرگوں کا بتایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہمارے بزرگ تھے۔ وہ گھر آئے۔ آکر اپنی بیوی جو کہ سوئی ہوئی تھیں کسی کام کے لئے اٹھایا۔ اس کے لئے ہاتھ پکڑا ہوگا۔ لیکن پتہ چلا کہ وہ تو ان کی بہو سوئی ہوئی تھی۔ اسی وقت اپنے بیٹے کو کہہ کر اس کو طلاق دلوادی کہ اس کو میرا ہاتھ لگ گیا ہے۔

کیا میں دوبارہ ان بدعتوں میں گھر جاؤں

ان کے خاندان میں مذہب کو غلط طریقہ سے استعمال کرتے تھے لیکن اباجان کی فطرت اس ماحول میں پرورش پانے کے باوجود فطرت صحیحہ پر تھی۔ دادا جان جب فوت ہوئے تو ان کے سوتیلے بہن بھائیوں نے ان کو وقت پر اطلاع نہ دی۔ دادا جان کے جنازہ پر نہ پہنچنے کا اباجان کو بہت افسوس تھا۔ یہ بتاتی چلوں کہ اباجان کی احمدیت قبول کرنے کے تقریباً ۳۶، ۳۷ سال بعد ہمارے دادا جان نے بھی احمدیت قبول کرلی تھی اور اباجان کی اپنی والدہ بھی احمدی ہو گئی تھیں۔ یہ خدا کا اباجان پر بہت فضل تھا کہ ان کی خواہش کو خدا تعالیٰ نے پورا کیا۔ باقی اباجان کی دوسری والدہ اور ان کی سب اولاد غیر احمدی ہیں۔ بعد میں جب اباجان اپنے ابا کے افسوس کے لئے گاؤں گئے تو سب نے ان کو کہا کہ بھائی صاحب رواج کے مطابق اباجی کا چالیسواں ہم کریں گے۔ آپ شامل ہوں۔ ابا جان نے ان سے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ خدا نے مجھے حق کو پہچاننے کی توفیق دی ہے۔ کیا میں دوبارہ انہیں بدعتوں میں گھر جاؤں۔ اباجان نے امام وقت کو مانا تھا تو پھر ان کی ہر بات پر اٰمنّا وصدّقنا کہا۔ میں نے کئی گھروں میں دیکھا ہے کہ احمدی ہو کر

اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کے سب رسم و رواج میں شامل ہوتے ہیں کہ کیا کریں برادری کا معاملہ ہے۔ بہرحال ابا جان کی زندگی اتنی باعمل تھی جو ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

ابا جان کی تحریر دوستانہ تحریر ہوتی

آپ مقدور بھر عمل سے بھی اور زبان سے بھی بہترین طور پر دین پر عمل پیرا رہے اور سب کے لئے دعاگو رہے۔ ہماری شادیوں کے بعد تو ان کا پیار و محبت کا انداز ہی بدل گیا۔ اس پہلے خط کے بعد (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) تو خطوں کا سلسلہ ہی چل پڑا۔ ہزاروں خطوط میرے سامنے پڑے ہیں۔ میری بیٹیاں کہتی ہیں امی اتنے خط جمع کیوں کئے ہیں۔ ساتھ ساتھ ضائع کر دیتیں پر ان کو کیا معلوم پہلے خط سے لے کر یہ سب خط میرے لئے انمول موتیوں کی طرح ہیں۔ ان میں ابا جان کی دعائیں، ان کی محبتیں، شفقتیں، عنایتیں محفوظ ہیں۔ جو میرے لئے ہفت اقلیم کی دولت سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ ان کو پڑھ کر ابا جان مجھے اپنے کتنا قریب محسوس ہوتے ہیں۔ پیارے ابا جان کی تحریر ایک دوستانہ تحریر ہوتی تھی۔ اپنی اتنی مصروف زندگی کے باوجود ہم سب کو اتنی محبتیں دی ہیں۔

ابا جان کی محبت کی جائیداد میں بیٹے بیٹیوں کا یکساں حصہ تھا

ہمارا اتنا خیال رکھا ہے کہ کوئی بہن بھائی تشنگی کا اظہار نہیں کر سکتا بلکہ سب اپنی جگہ یہی سمجھتے ہیں کہ ابا جان صرف اسی کو زیادہ چاہتے تھے۔ ویسے تو ترکہ میں بیٹے کے دو اور بیٹی کا ایک حصہ ہے۔ لیکن ابا جان کی محبت کی جائیداد میں بیٹے بیٹیوں کا حصہ یکساں تھا۔ بلکہ میرے خیال میں چاہت کے لحاظ سے بیٹیوں کے دو حصے تھے۔ ان کے اندر ہمارے لئے محبتوں کے سات سمندر موجزن تھے۔ جن کی روانی بالکل یکساں تھی۔ میرے سے تو اپنی وفات سے پانچ چھ سال قبل ہی جدا ہو گئے تھے۔ ان پانچ سالوں کا حساب سوائے میرے پاس ان کے خطوط کے کچھ نہیں۔ ایک دفعہ ان کی زندگی میں ملنے کی خواہش تھی کہ میں ان سے ملوں۔ دل کی باتیں کہوں کیوں کہ اپنی ساری فکریں، غم، پریشانیاں ان کو دے کر ہم بے غم ہو جاتے۔ پتہ تھا ان کے اندر بہت وسعت ہے۔ ہمیں کوئی نصیحت کریں گے۔ ہمارے لئے درد سے دعائیں کریں گے۔ وہ پانچ سال میرے لئے تا زندگی حسرت کا باعث رہیں گے۔

اپنے ملک سے بے پناہ محبت تھی

باہر جب تک رہے دل نہیں لگتا تھا۔ ہر وقت واپس آنے کے لئے بے چین رہتے تھے۔ جس کا وقتاً فوقتاً خطوں سے اظہار کرتے تھے۔ کینیڈا جانے سے پہلے ایک خواب سنائی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک کمرہ ہے جس میں بند ہوں۔ میرے پیچھے بڑی بڑی تین چار ڈراؤنی عورتیں لگی ہوئی ہیں۔ میں کمرے سے باہر نکلنا چاہتا ہوں لیکن راستہ سب طرف سے بند ہے نکل نہیں سکتا۔ اسی اثناء میں آنکھ

کھل گئی ہے۔ میرے خیال میں وہ عورتیں بیماریاں تھیں جو کینیڈا جاکر ہوئیں۔ شوگر کے مریض تھے۔ اس میں پہلے وہاں پراسٹیٹ کا آپریشن ہوا۔ اس کے زخم ٹھیک ہونے پر پاکستان آنے کا پروگرام بنایا تو اچانک طبیعت خراب ہو گئی۔ تشخیص پر بلبہ کا بائی پاس آپریشن ہوا۔ بہت باہمت تھے۔ باوجود کمزور ہونے کے بہت ہمت سے آپریشن کروائے۔ اسی آپریشن کے بارے میں ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"خاکسار کا آپریشن خاصہ بڑا تھا۔ تمہاری آپا کو (ہم اپنی امی کو آپا کہتے ہیں) بڑی تشویش تھی۔ بار بار کہتی تھیں تمہیں ڈر نہیں لگتا آپریشن کے تختہ پر لیٹنے سے۔ لیکن میں نے کہا دیکھنے دو کیا ہوتا ہے۔ یہ مردانگی نہیں کہ ہاں کرکے مکر جاؤں لیکن آپریشن کے بعد جو برا حال ہوا بس تارے ہی نظر آ گئے اور یہ شعر دماغ میں بار بار گھومتا رہا۔

پتیم جو میں "جانتا" پیت کرے دکھ ہو
جگت ڈھنڈورا "پیٹتا" پیت نہ کریو کو

بہرحال جو گزر گئی گزر گئی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاصا آرام ہے"۔

باقی کے خط میں سب بچے جو ان کے پاس تھے ان کی خدمتوں کو بہت سراہا اور دعائیں ہیں۔ وہاں کے ڈاکٹروں، نرسوں کی خدمات کا اعتراف اور اس بات کی خواہش کہ کاش ہمارے ملک کے ڈاکٹروں، نرسوں میں بھی اسی طرح کی خدمات کا بے لوث جذبہ ہو۔

چاندنی جب بھی ترے آنگن میں
اترتی ہوگی

اپنی بیماری کی وجہ سے اور کچھ کام میں مصروفیت کی وجہ سے خط لکھنے کم ہو گئے تھے لیکن مجھے کہاں چین تھا۔ اتنی بڑی ہونے کے باوجود بچوں کی طرح ضد کرنے میں بڑا مزا آتا تھا۔ خوب گلوں شکووں سے بھرا خط لکھا کہ آپ سب تو اکٹھے وہاں اتنی دور بیٹھے ہیں لیکن میں اگر پاس نہیں تو کم از کم اپنی دعاؤں سے بھری تحریر سے تو محروم نہ کریں۔ اس کے جواب میں بہت لمبا چوڑا خط لکھا جو میرے نام ان کی زندگی کا آخری خط ہے۔ آپ خوب دعائیں دے کر لکھتے ہیں:۔

"پیاری بیٹی تین روز ہوئے آپ کا مفصل خط جو محبت بھرے جذبات سے پر اور معلومات سے بڑی حد تک خالی تھا ملا۔ دل کو فرحت ہوئی اور بہت خوشی۔ تمہاری آپا کا تو فرط جذبات سے رونا نکل آیا۔ میری آنکھوں سے بھی آنسو نکلنے کو مچلنے لگے۔ بڑی مشکل سے انہیں روکا۔ بیٹا اب تو دل یہی چاہتا ہے کہ سال میں کم از کم ایک دفعہ سب عزیز اور بچے اکٹھے ہوں اپنے ماں باپ کے ساتھ جو اب چراغ سحری ہیں۔ یہ دن اکٹھے خوشی خوشی گزاریں۔ پہلے تو جلسہ سالانہ اس مقصد کو پورا کر دیتا تھا اب وہ موقع بھی ہاتھ سے نکلتا نظر آ رہا ہے۔ خدا کوئی متبادل بہتر صورت مہیا فرمادے۔ آمین۔ اب ہجرت سے دل اکتا گیا ہے۔ پہلے زاد بوم (جائے پیدائش) سے ہجرت کر کے قادیان دارالامان آئے۔ پھر وہاں سے ہجرت کر کے لاہور آئے۔ وہاں سے ہجرت کی تو ربوہ آ گئے۔ اب وہ بھی چھوٹتا نظر آ رہا ہے۔ ہزاروں میل کے فاصلہ پر بیٹھے ہیں۔ نہ معلوم یہ فاصلے کب پاٹنے کی توفیق ملے۔ بس دعائیں ہیں اور تم بھی دعائیں کرتی رہو۔ اس کی طاقتوں سے کوئی چیز باہر نہیں۔ وہ چاہے تو آن کی آن میں سب تمنائیں پوری

کردے۔ اگر مناسب اور اطمینان بخش روزگار اپنے وطن میں ہو تو اپنا وطن ہی اچھا ہے بلکہ بہشت برابر"۔

آخر میں لکھتے ہیں:۔

"اب بس کرتا ہوں۔ تھک بھی گیا ہوں۔ امید ہے اب مزید گلہ شکوہ بھی نہیں رہا ہوگا۔ ایک شعر لکھ رہا ہوں۔

چاندنی جب بھی تیرے آنگن میں اترتی ہوگی
تجھ سے اے دوست میرا ذکر تو کرتی ہوگی

والسلام

تمہارے اباجان۔"

اس کے بعد آپ وطن واپس تو آئے مگر خاموش بے نیاز۔ اور کیا لکھوں۔ اباجان مرحوم تو جاتے ہوئے بھی امام وقت کو نہ ماننے والوں کو اپنا انجام بتا گئے ہیں کہ یَالَیْتَ قَوْمِی...... کہ کاش! میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے مجھے بخش دیا ہے اور اپنے مقرب بندوں میں شامل کر لیا ہے۔

خدا کرے کہ انا عند ظن عبدی بی کے مطابق ایسا ہی ہو۔ آمین۔

کینیڈا میں ۔ یادگار اور تاریخی لمحات

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے شفیق استاد کے ساتھ

ٹورنٹو (کینیڈا) کی ایک تقریب میں بطور مہمانِ خصوصی انعامات دیتے ہوئے
آپ کے ساتھ آپ کے ہونہار شاگرد مکرم نسیم مہدی صاحب امیر و مشنری انچارج کینیڈا کھڑے ہیں

فارغ التحصیل طلباء جامعہ درجہ شاہد ۱۹۸۱ء
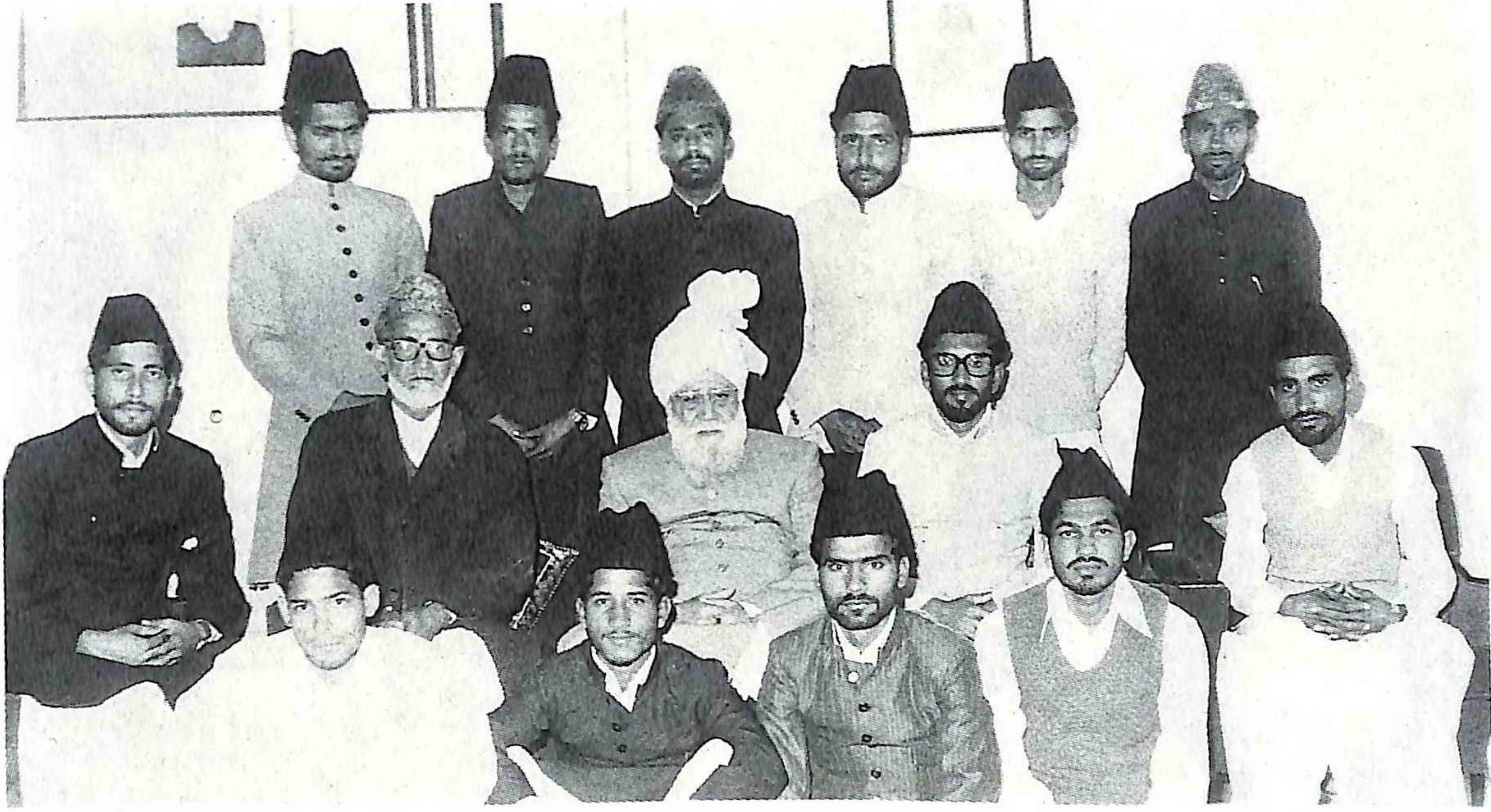
دائیں سے بائیں (کھڑے) محمد الیاس صاحب منیر (اسیر راہِ مَولیٰ)، ظفر احمد صاحب ناصر، صفدر نذیر صاحب، نصیر الدین بھٹی صاحب، اخلاق احمد صاحب انجم، ملک محبوب احمد صاحب۔
(کرسیوں پر) منیر احمد صاحب جاوید حال پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ، مرزا نصیر احمد صاحب استاذ جامعہ احمدیہ، حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ، ملک سیف الرحمن صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ، عبد الماجد صاحب طاہر
(بیٹھے ہوئے) نعمت اللہ صاحب بشارت، ارشاد احمد صاحب بلمی، قریشی داؤد صاحب، عبد المجید صاحب۔

تیری باتیں میٹھے دریا

ایڈمنٹن (کینیڈا) میں مجلس سوال وجواب کا ایک منظر

نظم

واویلا! سیفِ رحماں عالمِ دیں خوش شعار
داخلِ جنت ہوئے از اذنِ ربِ کردگار
عاملِ شرعِ متیں، سرمایۂ مہر و وفا
احمدی اخلاقِ حسنہ کے تھے وہ آئین دار
خندہ رو، شیریں زباں، روشن جبیں، فرخندہ مآل
بے ریا، بے نفس تھے وہ دین کے خدمت گزار
مسندِ افتاء کی زینت تھے بیالیس سال تک
اور شیخ الجامعہ بھی رہے وہ نامدار
باعمل عالم تھے وہ قدسی صفات و حق شناس
تلامذہ کے اپنے تھے وہ اک شفیق آموز گار
تلامذہ کے حلقے میں اپنے بہت مقبول تھے
فضل حق تعالیٰ سے تھے وہ اک مدرس پختہ کار
فتویٰ نویسی، درس اور تدریس دن کا شغل تھا
تھے وہ درویشِ خدامست عابدِ شب زندہ دار

"مرگِ عالِم مرگِ عالَم" کی حقیقت کھل گئی
ان کی رحلت پر ہوا ہر احمدی ہے سوگوار
شورشِ احرار میں پہلے وہ شامل تھے ضرور
بعد ازاں جب ہو گئی ان پر صداقت آشکار
ان کی سعادت رنگ لائی اس طرح کہ ایک دن
آگئے وہ زیرِدامانِ مسیحِ کامگار
تھے شجر احمدیت کے وہ اک شیریں ثمر
نام کے مانند تھے رحماں کی تیغِ آبدار
یا الٰہی ہوں بلند درجات ان کے ہر گھڑی
از طفیلِ شاہِ بطحیٰ سیدِ والا تبار
عاجزؔ ناکارہ پر ان کی نگاہِ لطف تھی
ان کے لئے کرتا دعا ہے بادلِ زار و نزار
"ربنا یا ربنا دل دادہ ات دل شاد باد
تا ابد اندر جوار رحمت آباد باد"

سید ادریس احمد عاجزؔ صاحب

درخواستِ دُعا

احبابِ جماعت ثمرآور دعوتِ الی اللہ کے لئے خصوصی دعائیں ہمیشہ کرتے رہیں۔

منجانب:۔

ممبران عاملہ و

قائد مجلس خدام الاحمدیہ نارتھ کراچی
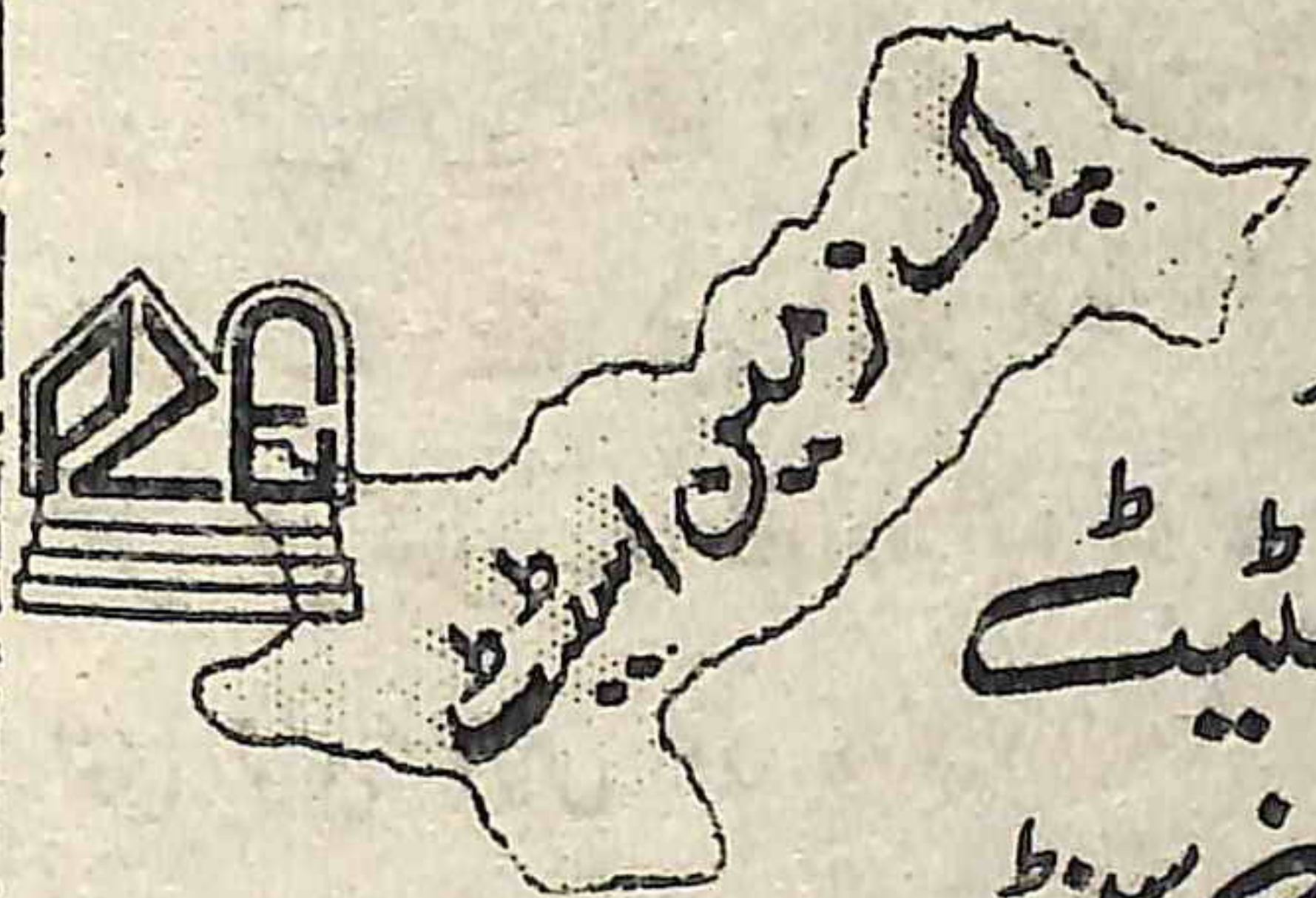
مُفتیٔ سلسلۂ احمدیہ

ملک صاحب کے فتاویٰ میرے لیئے ہمیشہ مشعلِ راہ ثابت ہوئے

(مکرم مولانا محمد احمد صاحب جلیل مفتی سلسلہ احمدیہ)

میرا ملک سیف الرحمان صاحب سے پہلا تعارف اس وقت ہوا جب آپ مدرسہ احمدیہ کے ہوسٹل کے ٹیوٹر مقرر ہوئے۔ ملک صاحب چونکہ قادیان سے باہر مختلف شہروں میں حصول علم کے لئے جاتے رہے۔ اس لئے ہمارا تعارف رسمی علیک سلیک تک رہا۔ البتہ کچھ دیر ہی کے بعد ہمارا یہ تعلق ایک بے تکلف دوستی اور اخوت میں بدل گیا۔ یہاں تک کہ ملک صاحب کی شادی کے لئے رشتہ وغیرہ بھی میری اہلیہ دیکھنے گئیں اور شادی سے اگلے چند روز تک ناشتہ بھی ہمارے گھر سے جاتا رہا۔

خاکسار حضرت ملک صاحب کے ساتھ مدرسہ احمدیہ میں ایک لمبے عرصہ تک درس و تدریس کے فرائض میں شامل رہا۔ میں نے ملک صاحب کو ایک ہنس مکھ، بے تکلف، ریاء اور عجب سے مبرأ انتہائی دیانتدار اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے والا انسان پایا۔ آپ باوجود ایک افسر ہونے کے اپنے ماتحتوں کے ساتھ دوستانہ ماحول میں ملتے اور اپنے رفقائے کار سے کبھی بے جا سختی نہیں برتتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے جامعہ سے چند دنوں کی رخصت کی درخواست دی ملک صاحب نے اوپر لکھا کہ اس طرح طلباء کی پڑھائی میں حرج ہوگا۔ لہٰذا میں نے جس کام کے لئے جانا تھا نہ گیا۔ اور اگلے دن جامعہ حاضر ہو گیا ملک صاحب نے جب مجھے دیکھا تو پوچھا کہ آپ نے تو جانا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ نے اوپر لکھ دیا تھا کہ حرج ہوگا۔ اس لئے نہیں گیا۔ مسکرا کر فرمانے لگے "ہم تو افسر ہوئے ہم نے لکھنا ہی تھا آپ چلے جاتے"

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ باوجود ڈسپلن کی سخت پابندی کروانے کے کسی رفیق کی طرف سے کوئی کوتاہی ہوتی یا بظاہر کوئی جرأت یا جسارت کرتا تو آپ اپنے افسرانہ انداز پر اپنی شفقت کو ہمیشہ حاوی رکھتے اور اس خلق کی بناء پر آپ اور زیادہ بھلے اور خوبصورت لگتے۔

ایک دفعہ سردیوں کے موسم میں آپ نے پابندی لگائی ہوئی تھی کہ طلباء کو کلاس روم سے باہر دھوپ میں بٹھا کر

کلاس نہ لی جائے اس طرح طلباء کی توجہ بٹ جاتی ہے۔ اور پڑھائی میں حرج ہوتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ اس پابندی کا خیال نہ کیا اور ایک کلاس کو دھوپ میں لے گیا اس دوران ملک صاحب حسب عادت راؤنڈ پر تشریف لائے مجھے باہر دھوپ میں پڑھاتے دیکھا اور واپس جا کر ایک کارکن کے ہاتھ سلپ بھیجی جس پر سرخ روشنائی سے صرف ایک مصرعہ لکھا تھا۔

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی (اگر کعبہ ہی سے کفر اٹھ کھڑا ہو' مسلمانی کہاں باقی رہ جائے گی)

میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ اسی سلپ پر جواباً لکھ دیا

ایں گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند۔ (یہ وہ گناہ ہے جو آپ کے شہر میں بھی ہوتا ہے۔)

کچھ چھٹیوں کے بعد سٹاف کی میٹنگ تھی۔ میں یہ واقعہ بھول چکا تھا میٹنگ کے لئے جب پرنسپل صاحب کے آفس میں داخل ہوا تو میرے سوا ابھی کوئی بھی نہیں تھا میں بیٹھ گیا تو ملک صاحب پوچھنے لگے کہ میں کب دھوپ میں کلاس کو لے کر بیٹھا ہوں؟ ملک صاحب کے لہجہ میں خفگی اور سختی بھی تھی۔ مجھے کچھ دیر پہلے والا واقعہ یاد آگیا میں نے ہمت کر کے ملک صاحب سے کہا کہ ملک صاحب آپ یہ بتائیں کہ آپ کے نہلے پہ دہلا آیا کہ نہیں؟ یہ سننا تھا کہ ملک صاحب بے اختیار مسکرا دیئے ان کی دبی دبی مسکراہٹ بھی خوب ہوتی۔ جو آج تک نہیں بھولتی۔

حضرت ملک صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور آپ ایک انتہائی ذہین اور غیر معمولی خدا داد فراست کے مالک تھے۔

حضرت مصلح موعود کی جوہر شناس نظر تھی کہ حضرت ملک صاحب کی ذہانت اور پوشیدہ صلاحیتوں کو بھانپتے ہوئے آپ کی کم عمری اور دوسرے بزرگ علماء کی موجودگی کے باوجود حضرت ملک صاحب کو مفتی سلسلہ جیسے وقیع عہدے پر مقرر فرمایا اور پھر خدا کے فضل سے ملک صاحب نے خلافت ثانیہ اور خلافت ثالثہ اور خلافت رابعہ کے تاریخی عہد میں انتہائی کامیابی کے ساتھ اس فرض منصبی کو ایسے خوبصورت طریق سے ادا کیا کہ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ایک بہت بڑے خلا کا احساس پیدا کر گئے یہ خلاء آپ کی غیر معمولی اہمیت پر ایک دلیل ہے۔

حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس خلاء کا ذکر کرتے ہوئے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"چونکہ ایسے متبحر علماء دنیا میں کم کم پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے خلا کو بھرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصے تک جماعت کو یہ خلا ضرور محسوس ہوگا۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ نومبر ۱۹۸۹ بحوالہ الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۸۹)

خاکسار نے حضرت ملک صاحب کے کینیڈا قیام کے دوران آپ کی وفات سے چند ماہ قبل ملک صاحب سے "شکوہ" کرتے ہوئے لکھا کہ آپ بیرون ملک ہیں اور آپ کی عدم موجودگی میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ بہت سارے مسائل میں آپ کی راہنمائی سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ آپ سے شکوہ یہ ہے کہ آپ کے بعد مجھے نظر نہیں آتا کہ کوئی آپ کی

جگہ لے سکے گا۔ جس کو آپ کا جانشین کہا جاسکے۔ اس وقت حالانکہ جماعت کو بہت سارے ایسے وجودوں کی ضرورت ہے جو علم فقہ میں آپ کے جانشین ثابت ہوں۔

اسکے جواب میں آپ نے مجھے لکھا "مکرم و محترم مولانا صاحب ہر ایک کیلئے کچھ مقدرات ہوتے ہیں اور انسان ان میں بہتا چلا جاتا ہے پھر ضرورت ماحول خود بخود "رجال خیر" تیار کرتا رہتا ہے۔ اس وقت ساری توجہ استقرار اور استحکام کیطرف ہے اور حالات کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ ماہرین فقہ کا ابھی دور نہیں آیا۔ یہ دور تمدن اور معاشرہ کے استحکام کے بعد کا دور ہے۔ آپ کچھ بھی خیال نہ کریں جب اسکی ضرورت ہوگی اور اسکا احساس جماعتی طور پر بڑھے گا تو قدرت خود بخود ان علوم کے ماہر پیدا کر دے گی۔ کیونکہ جماعت کے ساتھ وعدہ ہے کہ اسکے افراد علم میں سب سے آگے نکل جائیں گے۔ واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لایعلمون" (خط مرقومہ ۳۰ جون ۱۹۸۹)

حضرت ملک صاحب نے بحیثیت مفتی جو فتاوی دیئے اب خاکسار کے ذمہ جب یہ خدمت لگائی گئی ہے۔ تو میرے لئے ملک صاحب کے فتاوی ہمیشہ ایک مشعل راہ ثابت ہوئے ہیں۔ میں ملک صاحب کے فتاوی سے ہمیشہ متاثر رہا ہوں۔ باوجود اس کے کہ آپ نے ایک لمبا عرصہ مولویانہ ماحول میں گزارا اور وہیں سے علم حاصل کیا لیکن تنگ نظری اور کورانہ تقلید کا عنصر آپ میں نہیں تھا۔ آپ ایک روشن اور وسیع النظر آزاد خیال مفتی کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس اعتبار سے میں ہمیشہ آپ کے فتاوی سے راہنمائی حاصل کرتا ہوں۔

چلتے چلتے ایک اور دلچسپ بات میں بتاتا چلوں کہ ملک صاحب کا رجحان تجارت کی طرف بھی تھا لیکن اس میں ہمیشہ انہیں نقصان ہی اٹھانا پڑا اور اس کی وجہ ظاہر و باہر ہے کہ ملک صاحب ایک فرشتہ سیرت انسان تھے انتہائی بے نفس اور بے ضرر انسان۔ تجارتی داؤ پیچ اور ہیرا پھیری سے ناواقف بھی اور بیزار بھی۔ اس لئے کبھی آپ کو اس تجارت میں فائدہ نہ ہوا۔ البتہ جو تجارت انہوں نے ۱۹۳۶ میں خدا کے ہاتھ میں اپنی جان و مال دے کر کی اس میں انہیں خوب خوب اضعافاً مضاعفۃ فائدہ ہوا اور ایک انتہائی نیک انجام کے ساتھ یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین کا خوبصورت تاج سر پر سجا کر ہم سے رخصت ہوئے۔

اللہ تعالیٰ آپ سے مغفرت کا سلوک فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات سے نوازے اور جماعت میں آپ کے بہترین جانشین پیدا فرمائے۔ آمین

☆ نوٹ:۔ (یہ مضمون مولانا کے اس انٹرویو کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے جو مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب اور مدیر خالد نے دفتر دارالافتاء میں آپ سے مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۹۵ء کو لیا۔)

نیک فطرت۔ پاک طینت

(مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب۔ مدیر روزنامہ الفضل)

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کو میں قادیان کے زمانہ سے جانتا ہوں لیکن ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع مجھے ربوہ میں ملا جب آپ پرنسپل تھے اور مفتی سلسلہ تھے۔ اور مجھے مجلس افتاء کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اور وکیل التعلیم ہونے کے ناطے ان کے ساتھ ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ البتہ اس سے قبل جب خاکسار بیرون ملک مربی کی حیثیت سے متعین تھا تو خط و کتابت کے ذریعہ ملک صاحب سے ایک تعلق رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان ملتا تو بہت سے لوگوں سے ہے اور بہت سے لوگوں کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے لیکن بہت کم لوگ ہوتے ہیں جن سے وہ متاثر ہوتا ہے یعنی متاثر کرنے والے لوگ بہت شاذ شاذ ہوتے ہیں اور محترم ملک صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جن سے میں متاثر ہوا ہوں۔ ملک صاحب مجلسی آدمی نہیں تھے یعنی یہ کہ ملک صاحب مجلس میں بیٹھ کر فضول وقت ضائع کرنے والے اور گپ شپ کرنے والے آدمی نہیں تھے۔ مجلس میں بیٹھتے تو بہت کم بولتے' ایک علمی شخصیت تھے۔ اور گہری سوچ رکھنے والے اور ٹھوس رائے کے مالک تھے۔ ملک صاحب کی ایک خوبی جس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور جو کہ بہت ہی نمایاں اور ممتاز کرنے والی آپ کو وہ یہ تھی کہ آپ متشدد نہیں تھے باوجود اس کے کہ پرانے مولویوں کے مدارس میں پڑے اور انہیں میں سے آئے لیکن میں نے انہیں نہیں دیکھا کہ پرانی طرز کے فقیہوں کی طرح ان کی سوچ بھی بس ایک ڈگر پر چلتی ہو کہ بس یہ لکھا ہے اور یہی ہوگا۔ ایک ہوتا ہے Letter of law کہ یہ لکھا ہے یہی قاعدہ ہے اور ایک ہوتا ہے Spirit of law کہ اس قانون کی روح کیا ہے۔

ملک صاحب ایک تو spirit of law کو دیکھتے اور دیکھتے کہ Practicall y ability کیا ہے۔ یعنی عملاً کہاں تک ممکن ہے۔ یہ ان کی ایک بہت بڑی خوبی تھی آپ کے اسی لبرل مزاج کی وجہ سے اسی خوبی کی بناء پر میں انہیں اکثر کہا کرتا تھا کہ

"ملک صاحب ہمیں آپ کے بعد یکے بعد دیگرے آپ جیسے ہی کئی مفتیوں کی ضرورت ہوگی۔"

مجھے ملک صاحب کے ساتھ بعض مواقع پر اکٹھے سفر کرنے کا موقعہ ملا ہے ان مواقع کی بہت ساری خوشگوار یادیں میرے ذہن میں محفوظ ہیں ان میں سے بعض کا ذکر میں کروں گا لیکن میں پہلے ایک بات کا ذکر کرتا ہوں جو انہیں سفروں

میں سے ایک سفر کے دوران (غالباً ٦٥) کی بات ہے ملک صاحب نے مجھے بتائی تھی اور جس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ملک صاحب نے احمدیت قبول کرنے کے بعد کتنی محنت اور محبت کے ساتھ اس عہد بیعت کو نبھایا ہے۔ بیعت کرنے کے بعد جب وہ قادیان آگئے تو پھر قادیان کے ہی ہو کر رہ گئے۔ اپنی خود دار طبیعت کی بناء پر مہمان خانے پر بوجھ بننا گوارہ نہیں کیا۔ اور ایک وقت تک نکاحوں کے مواقع پر جو چھوہارے ملتے بس ان پر گزارہ ہوتا اور بعض ایسے بھی دن آتے کہ چھوہارے ختم ہو جاتے اور آپ بھوکے ہی وہ دن گذارتے اور انہیں فاقوں اور چھوہاروں کے کثرت استعمال کی وجہ سے آپ کو پیشاب کی تکلیف ہوئی جو آخری دم تک رہی۔

ملک صاحب کی سیرت کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ میں عاجزی و انکساری حد درجہ کی تھی۔ بحیثیت وکیل التعلیم میرا ملک صاحب کے ساتھ براہ راست واسطہ رہتا تھا۔ لیکن میں نے کبھی نہیں محسوس کیا کہ ملک صاحب نے کسی بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنایا ہو۔ یا "پرنسپل" ہونے کا احساس دلایا ہو۔ جو بات بھی کی جاتی سر تسلیم خم کرتے اور کبھی بھی کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا جیسا کہ بتایا ہے کہ ملک صاحب ایسے آدمی نہیں تھے کہ مجالس میں بیٹھ کر گپ شپ میں وقت گزارنے والے ہوں لیکن یہ بھی نہیں تھا کہ خشک مزاج کے تھے۔ بلکہ لطیف حس مزاح تھی۔ مزاح میں شامل ہوتے' لطف اندوز ہوتے اور ایسی مجالس میں شامل ہوتے لیکن ایک تو یہ بات دیکھنے میں آئی کہ میں نے آج تک ملک صاحب کو اس طرح قہقہہ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کہ آپ کے دانت دوسروں کو نظر آئے ہوں۔ دوسرا یہ کہ آپ کا مزاح اس طرح کا مزاح ہوتا تھا کہ "مذاق ایسا کرو کہ کسی کا دل نہ دکھے" مزاح کے ساتھ ساتھ متانت اور سنجیدگی کا آپ مرقع تھے اور سب سے آخر پر میں یہ کہوں گا کہ وہ ایسے انسان تھے کہ ان کی مجلس میں بیٹھنے کو دل چاہتا تھا۔ وہ ایک بے نفس اور بے ضرر انسان تھے۔ ملک سیف الرحمان صاحب کی شخصیت کو اگر مجھے ایک فقرے میں بیان کرنے کے لئے کہا جائے تو میں کہوں گا کہ

"He is a nice man"

(یہ مضمون اس انٹرویو کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے جو دفتر الفضل میں، مدیر خالد اور مکرم ظہیر احمد خان صاحب معاون مفتی سلسلہ نے مکرم نسیم سیفی صاحب سے کیا تھا۔ اس انٹرویو میں محترم ملک صاحب سے متعلق کچھ اور دلچسپ باتوں کا ذکر چونکہ روزنامہ الفضل مورخہ ۴ مئی ۱۹۹۵ کی اشاعت میں سیفی صاحب نے کیا ہے لہٰذا اسی حوالے سے وہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔)

آپ رقم فرماتے ہیں:۔ "چند روز ہوئے ماہنامہ خالد کے مدیر صاحب سید مبشر احمد ایاز دفتر الفضل میں تشریف لائے۔ وہ خالد کا ایک "ملک سیف الرحمان نمبر" نکال رہے ہیں مجھ سے بھی چاہتے تھے کہ میں ان کے متعلق کچھ کہوں انہوں نے کئی دوستوں سے خط کے ذریعہ محترم ملک صاحب کی زندگی کے حالات یا ان کی سیرت کے متعلق کچھ تحریر

کرنے کے لئے کہا ہے۔ مجھ سے بھی یہ بات کہی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ لکھ نہ سکیں تو انٹرویو کی صورت میں ہم آپ سے یہ باتیں سن لیں گے اور انہیں ترتیب دے کر ماہنامہ خالد میں شائع کر دیں گے۔

اس وقت جو تصویر میرے سامنے ہے یہ اس وقت کی ہے جب محترم ملک سیف الرحمان صاحب جامعہ احمدیہ ربوہ کے پرنسپل تھے۔ محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ تھے میں وکیل التعلیم تھا اور محترم ملک صاحب پرنسپل۔ چنانچہ ایک روز محترم وکیل اعلیٰ صاحب نے فیصلہ کیا کہ محترم ملک صاحب سے ان کے دفتر میں ملاقات کی جائے اور بعض ضروری امور کے متعلق ان سے مشورہ کیا جائے اور ان کی تجاویز حاصل کی جائیں چنانچہ محترم وکیل اعلیٰ صاحب اور خاکسار دونوں محترم ملک سیف الرحمان صاحب کے دفتر میں ان سے مشورے کے لئے پہنچ گئے۔ اس گفتگو کے لئے انہوں نے مکرم محمد الدین صاحب ناز اور خاکسار کے والد بزرگوار حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب کو بھی بلا لیا اور جامعہ کے متعلق مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہوتی رہی۔

محترم ملک صاحب سے مجھے خاصہ قرب حاصل تھا۔ مجلس افتاء میں بھی ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تھا اور کئی اہم امور ان دنوں میں طے پائے تھے جب وہ مجلس افتاء کے سیکرٹری تھے اور خاکسار مجلس افتاء کا رکن۔ ان کے ساتھ بعض دورے کرنے کا بھی موقع ملا۔ اور ایک دفعہ چھمب جوڑیاں جانے کا بھی۔ چھمب جوڑیاں تو صحافیوں کی انجمن کے نمائندے گئے تھے۔ محترم ملک صاحب مصباح کی مدیرہ کی طرف سے حضرت مولانا ابو العطاء صاحب الفرقان کے مدیر ہونے کی حیثیت سے۔ خاکسار ماہنامہ تحریک جدید کا مدیر ہونے کی حیثیت سے محترم شفیق قیصر صاحب غالباً خالد کی طرف سے۔ چھمب جوڑیاں کے علاقہ میں جہاں مفتوحہ علاقے کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ وہاں بورڈ کے ایک طرف محترم ملک سیف الرحمان صاحب اور میں کھڑے ہیں اور دوسری طرف دو اور دوست۔ اسی طرح وہاں توی دریا یا جو کچھ بھی وہ اسے کہتے ہیں اس میں سے گزرتے ہوئے بعض بڑی لطیف باتیں ہوئیں۔ مثلاً یہ بات کہ کوئی چیز بظاہر مذکر لگتی ہے لیکن ہوتی چھوٹی ہے اسی کو مؤنث بنا دیا جائے تو وہ بڑی چیز کا نام بن جاتا ہے۔ توا چھوٹی سی چیز ہے چولہے پر رکھ کر روٹی پکاتے ہیں لیکن توی ایک دریا کا نام ہے چونکہ اس گروپ میں محترم ملک سیف الرحمان صاحب بھی تھے اور خاکسار نسیم سیفی بھی۔ اس لئے بات اس پر بھی چلی کہ سیف ایک چھوٹی سی چیز ہے اور سیفی کہتے ہیں۔ "الٹی سیفی پڑنا یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اسی طرح بعض اور الفاظ بھی سامنے آئے مثلاً چھوٹے سے مکان کو کوٹھا اور بڑے مکان کو کوٹھی کہا جاتا ہے۔ اور ہنستے کھیلتے اس گروہ نے چھمب جوڑیاں کا دورہ کیا۔ اور واپس آکر حضرت امام جماعت الثالث کو اس دورے کی رپورٹ پیش کی۔...... (بحوالہ روزنامہ الفضل ۲۴ مئی ۹۵ء صفحہ ۶ کالم نمبر ۱، ۲)

دوست پرنسپل

(مکرم مظفر احمد سدھن صاحب آف ماریشس۔ مربی سلسلہ احمدیہ فجی)

خاکسار جامعہ میں ۱۹۷۸ سے ۱۹۸۶ تک تعلیم حاصل کرتا رہا۔ میں نے ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم کو بہت شفیق طبیعت پایا اور جب کبھی آپ نے کچھ سختی کی وہ بجا تھی۔ میرے تعلقات ملک صاحب مرحوم سے ایسے تھے گویا ایک باپ ہے جو سختی کرنے والا نہیں اور اس نرمی سے فائدہ اٹھایا جائے۔

خاکسار بعض طلباء کو فرانسیسی زبان پڑھایا کرتا تھا ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں فرانسیسی شاگردوں کو ناشتہ کروا رہا تھا ملک صاحب مرحوم مذکور کے کچن میں' جب ملک صاحب سے ملا تو خاکسار نے خواب سنائی اور کہا ملک صاحب میں چاہتا ہوں کہ خواب عملی طور پر پورا ہو۔ ملک صاحب نے کہا سدھن صاحب کیا کیا کچھ خریدنا ہے میں نے بتایا تو آپ نے پیسے دے کر کہا خرید لو اور میرے کچن میں آکر ناشتہ تیار کرکے شاگردوں کو کرواؤ۔ اس طور پر خواب عملی طور پر پورا ہو گیا۔

دوسرا واقعہ:۔ جب میرے والد صاحب مرحوم حسن سدھن صاحب اپریل ۸۴ میں وفات پا گئے کچھ روز بعد مجھے پتہ چلا کہ والد صاحب گزر گئے ہیں۔ جب میں نے ملک صاحب سے ذکر کیا آپ نے جواب دیا سدھن صاحب اگر ماریشس جانا چاہو تو انتظام کیا جائے گا میں نے کہا ملک صاحب میں پچھلے سال چھٹی گزار کر آیا ہوں میں نہیں چاہتا کہ جماعت پر پھر سے مالی بوجھ ہو تو آپ خاموش رہے۔

مفتی سلسلہ اور پھر پرنسپل جامعہ احمدیہ اور پھر زیادہ تر شاگردوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا انسان میں ایک کمال درجہ کی صفت ہے۔ پیسے خرچ کرنے سے بھی ملک صاحب گریز نہیں کرتے تھے جہاں تک میرا علم ہے جو ضرورت مند تھا حسب توفیق ملک صاحب پیسے دیتے تھے۔

ایک فقرہ میں میں کہہ سکتا ہوں کہ ملک صاحب ایک عالم باعمل' متقی پرہیزگار نیک دل غرض مومنانہ صفات والا انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ملک صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں اچھی جگہ عطا فرمائے

میرے ملک صاحب

(مکرم فضیل عیاض احمد صاحب)

دراز سرو قامت، گندم گوں رنگت، چہرے پر خوبصورت سفید داڑھی، جس میں کبھی کبھی کسی سیاہ بال کی جھلک بھی دکھائی دے جاتی، جسم بظاہر ناتواں لیکن اندر ایک قوی اور مضبوط روح، چہرے پر ہمہ وقت اک خوبصورت دل موہ لینے والی مسکراہٹ سردیوں میں لانبا اوورکوٹ اوڑھے اور گرمیوں میں کلیوں والا دیسی کرتا پہنے جامعہ کے کوریڈورز میں باوقار انداز میں آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے چلتے تو یوں لگتا کہ سارے جامعہ میں کلیاں سی چٹکنے لگی ہیں یہ تھے ملک سیف الرحمان صاحب مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ اور پرنسپل جامعہ احمدیہ۔

اکتوبر ۱۹۷۶ء کے ابتدائی دن تھے، موسم میں خنکی سی آنے لگی تھی، خدام الاحمدیہ کے اجتماع کی آمد آمد تھی۔ میں میٹرک کا سپلیمنٹری امتحان دے کر فارغ تھا۔ میرے والدین چند ماہ پہلے فاروق آباد سے ربوہ منتقل ہوئے تھے۔ ربوہ کے ماحول کا روحانی حسن میرے لئے ایک عجیب کیفیت جذب و حال رکھتا تھا۔ دارالعلوم شرقی (حال وسطی) کی بیت الذکر لطیف میں شام کو کبھی کبھی قرآن کریم کی ایک آیت کا ترجمہ سکھایا جاتا تھا یہاں ایک دوست سے تعارف ہوا۔ ایک روز کہنے لگے، تم جامعہ میں کیوں داخل نہیں ہو جاتے، ؟ کہنے لگے کہ وہاں بہت بڑی لائبریری بھی ہے۔ ہم کہ ٹھہرے لائبریری کے والا و شیدا جھٹ تیار ہو گئے۔ اور ٹھیک تیسرے دن جامعہ میں انٹرویو کے لئے حاضر تھے۔ وہاں انٹرویو کے لئے گئے، سبز رنگ کا جالی کا دروازہ تھا اس کے اندر چند افراد بیٹھے تھے۔ بعد میں تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ وہ تھے ملک مبارک احمد صاحب (عربی زبان میں نابغۂ روزگار اور عبقری تھے۔) مولانا غلام باری صاحب سیف مرحوم، محترم نورالحق تنویر صاحب اور صدر نشین تھے محترم ملک سیف الرحمان صاحب۔

میں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ (دل میں گھبراہٹ اور خوف اور ماتھے پر پسینہ)

ملک صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (آئیں بیٹھیں) فارم پر نظریں جما کر آپ کا نام؟۔ (یا للعجب، کیا اوپر نام لکھا ہوا نہیں؟)

میں: جی: فَضِیل (Fazeel) عیاض احمد۔ ایک نامانوس قہقہہ ابھرا!

ملک صاحب: یہ فَضِیل نہیں ہے بلکہ فُضَیْل ہے۔

باری صاحب: آپ جانتے ہیں کہ آپ کا نام کس کے نام پر ہے؟

میں: جی ایک مشہور صوفی بزرگ فُضَیْل بنِ عَیاض کے نام پر جن کا تذکرۃ الاولیاء میں ذکر ہے۔

ملک مبارک احمد صاحب: آپ کا یہ نام کس نے رکھا؟

جی میرے اَبّی جان نے! (بعد میں اَبّی بھی غلط نکلا یہ اَبُی تھا)

انٹرویو میں ہم کامیاب تھے اب ہم جامعہ کی درجہ ممہدہ میں داخل ہو گئے۔ یہ میرا محترم ملک صاحب سے پہلا تعارف تھا۔

وقت نے کروٹ لی' جامعہ احمدیہ کے سالانہ امتحان آ گئے اور میں فیل ہو گیا۔ اور یہ تہیہ کر لیا کہ جامعہ چھوڑ دوں۔ چٹ ملی "مجھے ملیں" نیچے دستخط ملک سیف الرحمان صاحب کے تھے۔ محترم ملک صاحب سے دفتر میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ فرمانے لگے کیا سن رہا ہوں؟ عرض کی کہ جامعہ میرے بس کی بات نہیں؟ فرمانے لگے جانتے ہو وقف کیا ہوتا ہے؟ عرض کی کیا ہوتا ہے؟ فرمانے لگے "خدا سے عہد" پھر فرمایا! کیا کرو گے۔ عرض کی کہ PAF میں جاؤں گا۔ فرمانے لگے کیا وہاں پڑھنا نہیں پڑتا؟۔ اس طرف اک طویل خامشی! پھر فرمایا کہ اچھا آپ جائیں۔ اگلے روز یاد فرمایا کہ "میں تمہیں اگلی کلاس میں بھجوا سکتا ہوں" لیکن کمزور رہ جاؤ گے۔ اگر سال لگاؤ تو بہتر ہو گا۔ عرض کی جی بہت اچھا۔ اور ہم ممہدہ میں دوسرے سال میں داخل ہو گئے۔ اور ہم نے محنت کی۔ محنت بار آور ہوئی۔ نتیجہ نکلا۔ کلاس میں اچھی پوزیشن لی۔

محترم ملک صاحب نے یاد فرمایا۔ ایک لفافہ عنایت فرمایا اور کہا کہ "اطاعت اور وفا" وقف کی روح ہیں۔ عاجز نے لفافہ کھولا تو اس میں ایک رقم تھی۔ اس سے میں نے پہلی کتاب خریدی۔ براھین احمدیہ پہلے چار حصے' ملک صاحب کو دکھائی' بے حد خوش ہوئے۔ اور مجھے یوں لگا کہ شفقت کے ایک سمندر نے میرے وجود کو گھیر لیا ہے۔

جامعہ میں بہت اچھا وقت گزرا' محترم ملک صاحب کی شفقتیں ایک باپ سے بڑھ کر تھیں۔ آپ کے اندر اپنے طلباء کے لئے اپنے شاگردوں کے لئے محبت کا ایک سمندر موجزن تھا۔ ایک روز ایک چھوٹے سے کاغذ پر لکھا ملا کہ آج دوپہر گھر آئیں۔ گرمی کا موسم تھا' جامعہ میں غالباً چھٹیاں تھیں۔ میں دوپہر ظہر کی نماز کے بعد آپ کے گھر کے دروازے پر تھا' دروازہ کھٹکھٹایا' کچھ دیر کے بعد محترم ملک صاحب کھڑا پائجامہ پہنے' سفید کرتہ (جس کے نیچے بنیان نہیں تھی) زیب تن کئے سر پر تولیہ لئے باہر آئے اور فرمایا اندر آ جائیں۔ اندر کمرہ نشست میں نہایت سادہ سی چند کرسیاں اور غالباً ایک دیوان پڑا تھا' آپ نے مجھے بٹھایا اور خود اندر تشریف لے گئے کافی دیر کے بعد آئے تو ہاتھوں میں ایک خوان تھا۔ میں نے عرض کی ملک صاحب میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ مسکرانے لگے اور فرمایا کہ یہ کھانا نہیں اور پھر خوان رکھا۔ سرپوش اٹھایا تو نہایت شیریں' رس دار اور ٹھنڈی انجیریں تھی۔ فرمانے لگے گھر کی ہیں۔ آپ کھائیں اور اس طرح اپنے ایک ایسے شاگرد کی حوصلہ افزائی فرمائی جس کا نہ تو کوئی خاندانی پس منظر اور نہ ہی کوئی غیر معمولی قابلیت۔

پکنک کا بے حد شوق تھا' اکثر چند شاگردوں اور دوستوں کے ہمراہ دریا پر' کسی باغ میں' کسی خوشگوار جگہ پر جانا پسند

فرماتے۔ ایک مرتبہ صبح صبح ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ دیکھا تو ایک دوست ہیں۔ کہنے لگے ملک صاحب کے ہمراہ ایک جگہ جانا ہے۔ انہوں نے آپ کو بھی بلایا ہے۔ میں تیار ہو کر حاضر ہوا۔ سردیوں کے دن تھے۔ کسی باغ میں جا کر امرود کھانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ وہاں گئے تو خوب امرود کھائے گئے۔

ہم نے فقہ اور اصولِ فقہ آپ سے پڑھا۔ اپنے مضمون پر بے حد حاوی اور اس کی باریکیوں سے خوب آگاہ تھے۔ لیکچر زبانی دیتے اور بسا اوقات لکھواتے بھی تھے۔

دوران لیکچر فقہ کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی تربیتی اور دوسرے علوم سے متعلق بھی گفتگو ہوتی۔ آپ کی نظر اپنے طالب علم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نہایت گہری ہوتی۔

شعر کا خاص ذوق رکھتے، فارسی کے بیسیوں بلکہ سینکڑوں اشعار ازبر تھے۔ قرۃ العین طاہرہ کا یہ شعر متعدد مرتبہ ان کی زبان سے سنا۔

اگر آں صنم زرہِ ستم پئے کُشتنم بنہد قدم
لَقَدِ اسْتَقَامَ بِسَیْفِہٖ فَلَقَدْ رَضِیْتُ بِمَا رَضٰی

غالباً یہ شعر ان کے مناسب حال بھی تھا۔ آپ کشتۂ تیغ وفا تھے اور رضائے یار میں راضی تھے۔ خلافت کا ادب و احترام ہم نے ان سے سیکھا۔ جب ۱۹۸۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع سریر آرائے خلافت ہوئے تو بیت المبارک میں مجلس عرفان ہوتی تھی۔ جو اہل ربوہ کی روحانی اور بصری لذتوں کے لئے ایک مائدہ تھی۔ جس میں اہل علم حاضر ہوتے اور عام لوگ بھی۔ محترم ملک صاحب بھی حاضر ہوتے۔ آپ اکثر تمام لوگوں سے پیچھے بیٹھتے۔ حضرت صاحب یاد فرماتے تو ایک لمحے کے توقف کے بغیر اٹھ کر قریب آجاتے، کبھی آپ کو ازخود سب سے آگے بیٹھتے نہیں دیکھا۔ آپ کے اندر خلافت سے والہانہ محبت اور شیفتگی کی جو لہر موجزن تھی وہ اپنے سامنے والوں پر بھی بے حد اثر کرتی تھی اور اس کا اظہار آپ کی گفتگو سے ہوتا تھا۔ جب بھی حضرت صاحب کا نام لیتے تو لہجے سے محسوس ہوتا کہ محبت پھوٹ پھوٹ کر آپ کے ہر بنِ مُو سے نکل رہی ہے۔

بے حد نفاست پسند اور ذوقِ سلیم کے حامل تھے۔ آپ کے وجود سے جمالیاتی احساسات کو تقویت ملتی تھی لیکن اس نفاست پسندی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ مہنگی اور قیمتی اشیاء کے خوگر تھے۔ نہیں بلکہ آپ کی سادگی و پرکاری تکلف سے مبرا تھی۔ آپ "وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ" کا پیکر تھے۔ کبھی ٹک شاپ پر جانا ہوتا تو بے تکلفی سے فرشِ زمین پر بیٹھ جاتے۔ دریا پر طلباء کے ساتھ ریت پر بیٹھنے میں بھی تکلف نہ کرتے۔ اپنے شاگردوں کو دوستوں کی طرح رکھتے تھے۔

یادیں ہیں کہ اُمڈی چلی آرہی ہیں لیکن آپ کے شش جہت وجود کے ہر زاویے کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ یہ چند حروف قلم برداشتہ ایڈیٹر خالد کی فرمائش پر لکھے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ محترم ملک صاحب کا وجود ان کے ہر شاگرد سے متقاضی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان کا حق تو ادا کر دیا جائے ورنہ جو علم کا شیریں دودھ انہوں نے ہمیں جُرعہ جُرعہ پلایا اس کا تو حق ادا نہیں ہو سکتا۔

فجزاهم الله احسن الجزاء۔

رُوئے گُل سیر ندیدم.......

(حضرت ملک صاحب کے صاحبزادے محترم ہشام قمر ملک صاحب۔ کینیڈا)

اب بھی جب ذرا سی آہٹ ہوتی ہے تو یکایک ذہن میں یہ خیال کوند سا جاتا ہے کہ ابا جان آئے ہیں پھر دوسرے ہی لمحہ ذہنی شعور گویا اپنی ڈیوٹی ادا کرتے ہوئے بول اٹھتا ہے۔ ابا جان تو فوت ہوگئے ہیں اور اسی جہان رنگ و بو سے ہمیشہ کے لئے وداع ہو چکے۔ تاہم دل نے بھی اپنی تسلی کے بہانے سوچ رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ تصور کی وادیوں میں یادوں کی محفل یکایک سج جاتی ہے اور اس میں ابا جان کی دلربا شخصیت کا وجود اپنے مخصوص انداز میں ابھرتا ہے اور یادیں پردہ ذہن پر ایک قافلہ کی مانند گزرنے لگتی ہیں۔ اور اسی عالم تصور میں ان محبتوں اور شفقتوں کے چشمے جو ان کی ذات اور ان کے وجود سے میرے لئے پھوٹے تھے پھر سے رواں ہو جاتے ہیں اور قلب و ذہن کو سیراب کر جاتے ہیں۔

ابا جان کو ۱۹۸۴ میں حضور انور کے ملک سے باہر آجانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ان ممالک میں رہنے کی توفیق ملی تھی۔ آئے تو عارضی طور پر ہی تھے مگر تقدیر الہٰی نے ان کی واپسی کا سفر کسی اور طرز پر مقدر کر رکھا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری دو ماہ انہوں نے میرے یہاں ہی گزارے تھے۔ آخری دن تک بھلے چنگے تھے۔ گو دیرینہ عوارض ذیابیطس وغیرہ عرصہ سے لاحق تھے۔ بلکہ یوں کہیئے کہ ان امراض سے ان کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ غالباً ۱۹۸۵ میں حضور اقدس نے ایک نہایت پیارے خط میں انہیں لکھا تھا کہ "دراصل آپ کی حالت عمر رسیدہ موٹر کی طرح ہے جس کی ایک دفعہ مرمت شروع کروا دی جائے تو پھر لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے۔ تاہم جلدی کوئی نہیں آپ اطمینان سے ریکنڈیشن ہونے کے بعد آئیں۔"

بہرحال آخری دن تک کبھی یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ اتنی جلدی ہم سب کو خیرباد کہہ جائیں گے۔ اس جوبلی کے سال میں انہوں نے سفر بھی خوب کئے تھے ملک ملک اور شہر شہر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے نظارے اور تائیدوں کے کرشمے بچشم خود دیکھے تھے۔ ٹورنٹو، واشنگٹن، ورجینیا، لاس انجلس، لندن اور پھر نیو جرسی، نیویارک سے ہوتے ہوئے ۲۷

اگست کو ایڈمنٹن واپس تشریف لائے تھے اور اب بھی دسمبر ۱۹۸۹ کا یہی پروگرام تھا کہ زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کرتے ہوئے پاکستان پہنچیں گے۔ مگر تقدیر کے پروگرام میں شاید یہ لکھا تھا کہ زمینی زیارتیں اور زمین کے سفر بہت ہو لئے اب تو آسمانی سفر اور آسمانی زیارتیں چاہئیں۔

آخری دن تک نہایت فعال زندگی گزاری ان ملکوں میں اپنے قیام کے دوران تین ضخیم کتب اور متعدد مضامین کی تصنیف کی توفیق پائی۔ ۲۳ اکتوبر کے دن کا آغاز بھی معمول کے دنوں کی طرح ہی ہوا تھا صبح کے وقت دو تین ضروری خطوط تحریر کئے ان میں سے ایک خط اپنے پیارے آقا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں بھی تھا خطوط کو ملفوف کر کے پتے تحریر کروائے۔ دوپہر کا سادہ سا لنچ کیا اور پھر باہر جانے کے لئے اپنا مخصوص لباس اوورکوٹ سفید شلوار اور قمیض زیب تن کئے پوری طرح تیار ہوئے۔ شاپنگ پلازہ پہنچ کر کار سے اترے مگر چند قدم چل کر قریب ہی لگے ہوئے جنگلے کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ میری والدہ اور بیوی نے جلدی سے سہارا دے کر زمین پر بٹھایا منٹوں میں ہی ہسپتال کی ایمبولنس آ گئی ڈاکٹر نے بتایا کہ ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ہسپتال پہنچ کر بھی کسی شدید تکلیف کے آثار نہ تھے بلکہ خود باتیں کرتے ہوئے مجھے بتاتے رہے کہ کیا محسوس ہو رہا ہے مگر چند گھنٹوں بعد Intensive care unit میں دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا جس کے بعد بلڈ پریشر بالکل Low ہوتا چلا گیا اور ہر دوا اور ہر تدبیر رائیگاں جانے لگی اور پھر اگلے روز ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر کی درمیانی شب ۲ بجے اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔

وفات کے وقت ہسپتال کے Intensive care unit میں میں ان کے سرہانے موجود تھا ڈاکٹر اور نرسوں کی پوری ایک ٹیم چشمہ حیات کو رواں کرنے کی خاطر اپنا آخری زور لگا رہی تھی طرح طرح کی مشینوں اور میڈیکل آپریٹس کی آوازوں نے ماحول کو بوجھل بنا رکھا تھا میں نے بھرائی ہوئی آواز میں دو تین مرتبہ ابا جان، ابا جان پکارا اور یہ بھی کہ میں آپ کے پاس ہوں مجھے دیکھیں ان کی بند آنکھوں کی پلکوں میں خفیف سی جنبش ہوئی اور آنکھیں نہایت آہستگی سے نیم وا ہوئیں مگر پھر دوسرے ہی لمحہ اسی سکون سے بند ہو گئیں۔ میرے اس شفیق باپ کو موت چند ہی لمحوں بعد اڑا لے جانے والی تھی۔ اور پھر یکایک مشینوں کی آوازیں کہ جو زندگی کی علامت تھیں خاموش ہو گئیں اور کمرے کی فضاء پر ایک عجیب سی خاموشی نے احاطہ کر لیا اور ابا جان کے چہرہ پر احساس درد کی جگہ ایک نا معلوم اطمینان نے لے لی۔ بقول شاعر ؎

جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے

ایک بیٹے کی حیثیت سے اپنے محبت سے سرشار باپ کا ذکر کرنے بیٹھا تو ذہن میں کئی زاویے ابھرے کس انداز کس اسلوب پر ان کی لاتعداد شفقتوں اور محبتوں کے ذکر کو احاطہ تحریر میں لاؤں جن سے وہ مجھے باوجود میری قسم قسم کی نالائقیوں کے ہمیشہ نوازتے رہے تھے۔ ان کی خاموش تضرعات کو لمحہ لمحہ میں نے اپنے حق میں قبول ہوتے ہوئے محسوس

کیا ہے۔ کیسے اس تعلق کی کیفیات اور قلبی وارداتوں کو الفاظ میں پروؤں۔ ہر زاویہ جو ابھرا میری ہی ناقص تحریر اور نااہلی کے جال میں الجھ کر معدوم ہوتا گیا۔ پھر سوچا کہ کیوں نہ ان کی یادوں کو انہی کی تحریروں کے سہارے سے سمیٹوں۔ ان شفقتوں سے معطر مکتوبات کی مدد سے جو کہ نہ صرف ایک باپ کے اپنے بیٹے سے محبت کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ ان سے ان کی شخصیت کے کئی اور پہلو بھی اجاگر ہوتے ہیں۔

غالباً ۱۹۸۳ء کا ذکر ہے ابا جان ذیابیطس اور پیشاب کی تکلیف کے باعث شدید بیمار ہوگئے تھے۔ ہم بھائیوں میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہ تھا البتہ جامعہ کے طلباء نے جن سے ابا جان اپنے بچوں جیسا محبت و شفقت کا سلوک رکھتے تھے خوب حق خدمت ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزا سے نوازے۔ ہم ان کے اس احسان کو کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتے۔

ابا جان کی اس بیماری کے وقت مجھے تعلیم وغیرہ وجوہ کی بنا پر ان سے ملے ہوئے پانچ چھ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اس بیماری اور کیفیت غم میں لکھی ہوئی میرے نام ان کی یہ تحریر باوجود مجسم درد ہونے کے ایک حسن اور توازن سے بھی مزین ہے۔ فرمایا:۔

"باپ کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ عام باپ' دوست باپ' قہار باپ' شفیق باپ' محبت سے سرشار باپ' جب تم یہاں تھے تو مربی قسم کے باپ سے زیادہ شاید تمہیں کچھ اور محسوس نہ کراسکا۔ مجیب تو اکثر یہاں بھی رہا تو باہر ہی رہا۔ تم قریب تھے مگر اپنی فطری کم گوئی اور گوناگوں مصروفیت کے باعث یہ ظاہر نہ کرسکا کہ میں دوست باپ بھی ہوں۔ بہرحال حالات نے پلٹا کھایا۔ ایسی دوری ہوئی کہ اتنے عرصہ میں ایک بار بھی انتظار بھری نظریں دو چار نہ ہوسکیں۔ اطہر اور دوسرے تو ایک دو بار آئے۔ مسرتوں کی گھڑیاں لائے لیکن یہ کسک باقی رہی کہ ہشام نہیں آیا۔ اس خلش نے ذہن کو کئی بار پراگندہ کیا۔ قدرت کے کھیل کیسے ہیں۔ اتنی دوری۔ ربوہ میں تو کوئی بھی نہ رہا۔ ان دنوں خاص طور پر یہ اداسی بعض اوقات بے چین کر دیتی ہے۔ نہ معلوم کیوں؟ ملاقات' حقیقی ملاقات تو ایک طرح کی ہوتی ہے کہ آنکھوں کی ٹھنڈک بچے آنکھوں کے سامنے ہوں لیکن دل کی تسلی کے لئے ملاقات کی اور صورتیں بھی ذہن نے سوچ رکھی ہوئی ہیں۔ کہتے ہیں المکتوب نصف الملاقات۔ تصور تصور میں ملاقات۔ ایک نقطہ پر دونوں طرف کی نظر بیک وقت جم جانے کی ملاقات۔ ایک دفعہ میں نے خط میں ایک شعر لکھا تھا وہ شعر کیسا ہے۔ اس کی صوری اور معنوی خوبیوں سے مجھے واقفیت نہیں۔ صرف دل کو لگا اور لکھ دیا۔ شعر یہ تھا۔ ؎

چاندنی جب بھی تیرے آنگن میں اترتی ہوگی
تجھ سے اے دوست میرا ذکر تو کرتی ہوگی

پھر سوچا تو سارا تصور ہی غلط نکلا۔ تمہارا تو چاند ہی اور ہے۔ جب تم پر چاند چمکتا ہے تو ادھر دن ہوتا ہے اور پھر تصور

اس طرف لے جاتا ہے کہ اتنے دور کے بیک وقت چاند اور سورج اور ستاروں کو دیکھنے والی اور ایک نقطہ پر گڑ جانے والی چاندنی کی یکجائی بھی نصیب نہیں۔ پیارے بچے اتنی دور چلے گئے اتنی دور چلے گئے کہ ملاقات کی کوئی مادی صورت نظروں میں نہیں جمتی ہاں ذہن اور تصور اور دل میں یادیں باقی ہیں اور جوں جوں وقت قریب آتا جارہا ہے یہ یادیں بڑھتی جا رہی ہیں اور غم کے مرغولے اٹھتے چلے آرہے ہیں۔ علاج تو کئی سامنے آتے ہیں لیکن ذہن کسی پر ٹکتا نہیں۔ ایک یہ کہ ہم دونوں وہاں آپ کے پاس چلے آئیں مگر یہ بھی اب ہفت خواں کا چکر لگتا ہے۔ آخر اتنی کوشش کا ماحصل کیا۔ جیسی طبیعت ڈھلی ہے اسکے ہوتے زیادہ عرصہ مرکز خلافت سے دور رہنا ایسا طبیعت مانتی نہیں"۔ (۱۹۸۳ء)

اس خط کے تھوڑا ہی عرصہ بعد ایسے حالات ہوئے کہ حضور انور ملک سے باہر تشریف لے آئے اور پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے اباجان کو یہاں ان ملکوں میں آرہنے کی توفیق عطا فرمائی جہاں وقتاً فوقتاً انہیں اپنے پیارے آقا کے دیدار و ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا۔

وہ سال جو انہوں نے یہاں گزارے تھے میرے لئے حسین یادوں کا مجموعہ لئے ہوئے ہیں۔ ان کا سلوک میرے ساتھ غیر معمولی طور پر مشفقانہ تھا۔ وہ واقعی طور پر محبت سے سرشار باپ تھے۔ گفتگو کے لحاظ سے تو وہ ہمیشہ سے کم گو ہی تھے۔ کبھی بھی نہ مجلس میں اور نہ ہی گھریلو ماحول میں بڑھ چڑھ کر باتیں نہیں کی تھیں مگر ان کے چہرہ پر شفیق سی مسکراہٹ ہر وقت طاری رہتی اور آنکھوں میں پیار کا سمندر موجزن۔ کبھی کبھار گھر میں ان سے عربی گرائمر کے اسباق لیا کرتا تھا۔ نہایت توجہ اور مہارت سے نکات کی وضاحت فرماتے تھے۔

روبرو مجلس میں تو مجھے ان سے کھل کر گفتگو کرتے ہوئے حجاب سا آجاتا تھا مگر خطوط کے پردہ میں میں بھی انہیں خوب باتیں سنا دیا کرتا تھا۔ کئی دفعہ تو محض خط لمبا کرنے کی خاطر ادھر ادھر کی باتیں لکھ دیا کرتا تھا۔ جنہیں وہ نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۸۸ء میں جب وہ لندن میں مقیم تھے تو ایک خط میں میں نے اپنی مصروفیات اور مشاغل کا ذکر کرتے ہوئے انہیں لکھا "اور من جملہ ان مشاغل کے ایک مشغلہ بالکل یوں کہیئے کہ مجبوری سے اپنا رکھا ہے کھیتی باڑی ہے جیسا کہ آپ کو علم ہی ہے ہماری جائے قیام کے پس و پیش کی زمین نہایت زرخیز ہے اور وہاں ہم نے خودرو جڑی بوٹیاں اور گھاس کے باغات کاشت کر رکھے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان سرکش باغات نے خود کو بالجبر کاشت کروا رکھا ہے اور ایسا ہے کہ ان کے اس فساد فی الارض کی ہفتہ وار بیخ کنی نہ کی جائے تو کل براعظم افریقہ کے جنگلات کہ جن کو اپنی وحشت پہ ناز ہے اپنی ہی ندامت کے پسینے میں غرق ہونے لگیں اور صد ہزار حشرات الارض کہ جو اپنی گزر اوقات انسانی خون پر کرتے ہیں خروج کرنے لگیں۔ چنانچہ اس خدشہ نقص امن نے کھیتی باڑی جیسی اذیت ناک مصروفیت کو اپنا مشغلہ بنانے پر مجبور کر رکھا ہے۔ یوں اس مشغلہ سے اپنی طبعی ناموافقت کا باعث

تاریخی بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کے محتاط مطالعہ اور تجزیہ سے باور ہوتا ہے کہ اجداد کے تجربات اس میدان میں حوصلہ شکن رہے ہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ اسی تاریخی پس منظر سے گھبرا کر آپ نے نوجوانی میں وادی سون کے اس پہاڑی گاؤں کو خیرباد کہا ہو گا"۔ ۱۹۸۸ء)

میرے اس خط کے جواب میں ابا جان نے تحریر فرمایا تھا "مطالعہ اور گارڈننگ کی مصروفیات بہترین مشغلہ ہیں۔ تمہارے گھر کے ساتھ کی کینیڈین فیملی کس تعہد کے ساتھ صحن کو خوبصورت بنانے کا اہتمام کرتی ہے۔ اس سے مستعدی اور باقاعدگی پیدا ہوتی ہے۔ اگر توجہ دی جائے تو مختلف قسم کی سبزیاں اور سلاد وغیرہ بھی اگائی جا سکتی ہیں۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام والا معاملہ ہے۔ تمہارے دادا جان کی کھیتی باڑی کی نوک پلک سنوارنے کی داستان بھی ایک تاریخ ہے۔ میں نالائق ہوں ورنہ قلمبند کرتا۔ بڑی مزیدار کہانی ہے"۔

پھر اسی خط کے ایک اور پیراگراف میں تحریر فرمایا "کیگری اور ایڈمنٹن کی رہائش کے دن یادگار تھے۔ یہ یاد مٹنے والی نہیں لیکن انسان حالات کے ریلے کے سامنے بے بس ہے۔ بچپن ایک سادہ سے پہاڑی دیہاتی ماحول میں بسر ہوا۔ اس کی اپنی ایک مٹھاس ہے۔ حالات نے اس مٹھاس میں تلخی ڈالی۔ پھر لاہور سے انس بڑھا۔ پھر قادیان ٹھوٹی بنا۔ وہاں دل لگا لیکن قدرت کی اپنی ایک ڈگر ہوتی ہے اور وہ بعض انسانوں کو اپنے ریلے میں بہا لے جانے پر اصرار کرتی ہے۔ پھر ربوہ گلشن بنا۔ پیار کے دائرے ابھرے۔ پھر عزیزوں اور پیاروں کو حالات نے دور دور کے ملکوں میں بکھیر دیا۔ ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی تھا۔ اور اب لندن میں دل لگانے اور برکات سمیٹنے کی کوشش ہے۔ قدرت کو کیا منظور ہے سمجھ سے بالا ہے۔ ایک رات خواب دیکھا کہ والد صاحب آئے ہیں۔ دروازہ سے داخل ہوئے ہیں۔ خاکسار ان سے بغلگیر ہو گیا اور بڑی رقت کے ساتھ کہتا ہوں کہ باوا جان میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ اسی حالت میں آنکھ کھل گئی اور اب یہ شعر گنگناتا رہتا ہوں۔ ؎

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

ایک اور خط جو وفات سے قریباً ایک سال پہلے کا ہے۔ اس میں لکھا "جب نیو جرسی میں تھا تو وہاں ایک دن ٹی وی پر کوئی یہ شعر پڑھ رہا تھا جس کا آغاز کچھ یوں تھا۔ ؎

انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو اس شہر میں جی کا لگانا کیا

دل بھر آیا۔ تمہاری امی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ضبط نہ ہو سکا۔ بہتیری کوشش کی۔ کہ انہیں پتہ نہ لگے مگر وہ تاڑ گئیں اور بااصرار پوچھنے لگیں کہ روتے کیوں ہو۔ بس اتنا جواب دے کر رہ گیا کہ کیگری یاد آتا ہے۔ بہرحال وقت بہترین معالج ہے۔ آہستہ آہستہ نقوش لاشعور کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ آخر کبھی تو اپنے ٹھکانے پہنچ ہی جائیں گے۔

دعا کرتا ہوں کہ احباب کیلگری، ایڈمنٹن خوش رہیں۔ آباد رہیں۔ خون جو میرا بڑھے تم ترقی کرو۔ سب کو دین و دنیا کی برکات میسر آئیں۔ کاروبار میں کامیابیاں حاصل کریں۔ سب کینیڈا کی ترقی اور بہبود کے لئے دعا کرتا ہوں۔ یہاں لندن میں آرام ہی آرام ہے۔ حضور انور سے اکثر شرف ملاقات نصیب ہو جاتا ہے۔ ابھی کوئی مستقل کام سپرد نہیں ہوا۔ کبھی کبھی کوئی سوال آجاتا ہے کہ اس کا جواب لکھو یا فلاں مضمون کی تصحیح کردو وبس۔ آج کل حضور ہفتہ اور اتوار انگریزی درس دیتے ہیں۔ بارہ بجے سے ڈیڑھ بجے تک، زبان کی وجہ سے کچھ سمجھ آتا ہے کچھ سمجھ نہیں آتا۔ مگر ثواب کی خاطر بیٹھ رہتے ہیں۔ گزشتہ جمعہ حضور نے واقعہ راولپنڈی اور اسلام آباد پر بڑا تفصیلی تبصرہ فرمایا۔ اللہ اس قوم کو سمجھ دے اور ان کے احساس کو بیدار کردے۔ آج رات خواب دیکھا کہ ہمالہ کے پہاڑوں پر پھر رہا ہوں۔ ہر طرف پانی کے چشمے ابل ابل کر بہہ رہے ہیں۔ ایک مٹی کے ٹیلے سے صاف اور شفاف پانی کے دو چشمے بڑی تیزی سے نکل کر بہہ رہے ہیں۔ نظارہ بڑا عجیب لگا دل بھر آیا اور ٹیلہ کے ساتھ گال لگا کر زار زار رویا کہ خدایا تو نے ان پتھروں اور مٹی کے ٹیلوں کو بھی فیض رساں بنایا ہے۔ نامعلوم مدت سے یہ زمین کے مختلف قطعات کو سیراب کر رہے ہیں۔ یہ عاجز بندہ تیری رحمانیت سے کیوں محروم ہے۔ کیا اسے تو فیض رساں نہیں بنائے گا۔ اسی آہ و زاری میں آنکھ کھل گئی۔ دعا کریں کہ یہ صرف خواب ہی نہ رہے حقیقت بن جائے اور کسی مقبول خدمت دین کی توفیق مل جائے"۔ (۱۹۸۸ء)

وادی سون کی پتھریلی سرزمین کا وہ پہاڑی باشندہ جب احمدیت کے گلشن کا پھول بنا تو دل کا کیسا حلیم اور مزاج کا کیسا منکسر ہوا کہ تادم آخر دیس دیس اور قریہ بہ قریہ پھرتا علم و عرفان کے موتی سمیٹتا بانٹتا خاک وطن سے ہزارہا کوس دور اپنے محبوب حقیقی کے وصال کو پا گیا۔ جسد خاکی اٹھائے ہم تین غمزدہ بھائی ربوہ پہنچے جہاں اگلے روز بہشتی مقبرہ ان کی آخری آرام گاہ قرار پائی۔

اپنے اس "محبت سے سرشار باپ" "دوست باپ" کے چہرے کا جب آخری دیدار کیا تو بے اختیار برستی ہوئی آنکھوں اور محزون دل کے ساتھ یہ خیال آیا کہ ؎

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

بقیہ از صفحہ...... 195

کافی عرصہ رہے اور ایران بھی ہمارے پاس تشریف لائے۔ وہاں حافظ اور سعدی کے مزارات پر جاکر بہت خوش ہوئے۔ ۲۰۰۰ سال پرانے قدیم کھنڈرات اور بادشاہ کا ایک محل جس میں کہ ۱۰۱ مختلف قسم کے گلاب کے پودے لگے ہوئے تھے دیکھکر خوب انجوائے کیا۔ سادہ الفاظ میں مختصرا اپنے تاثرات لکھ دیئے ہیں آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی محترم ملک صاحب کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

مت سہل ہمیں جانو!

(مکرم مولانا فضل الٰہی صاحب بشیر) **************

☆نوٹ:۔ یہ مضمون مولانا فضل الٰہی صاحب بشیر سے کئے گئے ایک انٹرویو کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ جو مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب اور مدیر خالد نے حضرت ملک صاحب کے بارے میں کیا تھا۔

مجھے بھی بہت سارے دیگر افراد کی طرح یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے ملک صاحب سے ان کے ابتدائی زمانہ میں پڑھا ہے جبکہ ملک صاحب ابھی نئے نئے مدرسہ احمدیہ میں پڑھانے کے لئے آئے تھے۔ ۳۸ یا ۳۹ سن کی بات ہے آپ کا علم بہت پختہ تھا اور پڑھانے کے اعتبار سے یہ خوبی تھی کہ جو کچھ پڑھاتے وہ طالب علم پر واضح کر دیتے تھے' پڑھنے والے پر کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہوتا تھا۔

ملک صاحب کی ایک اور خوبی جو انہیں نمایاں کرتی ہے وہ آپ کی سنجیدگی اور متانت تھی ملک صاحب باوجود اس کے کہ نوعمری میں پڑھانے کے لئے مامور ہوئے یعنی آپ کی عمر بمشکل ۲۴۔ ۲۵ سال ہو گی لیکن آپ نہایت سنجیدہ اور متین تھے اور باوجود اسکے کہ غیر احمدیوں کے "مولویانہ" ماحول سے آئے تھے آپ میں ملاں والا تعصب اور تنگ نظری نہ تھی۔ اور آپ کی یہ خوبی اور وصف آخر دم تک قائم رہا۔

جب آپ پرنسپل تھے اور مفتی سلسلہ بھی تو خاکسار جامعہ میں پڑھاتا تھا اس وقت بھی کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ بعض فقہی امور پر بات ہوتی بحث ہوتی تو آپ بہت حوصلہ سے بات کو سنتے اور اگر کبھی انہیں اپنی کی ہوئی بات میں ترمیم یا تردید کی ضرورت محسوس ہوتی تو بغیر کسی حیل وحجت کے آپ اپنی بات واپس لیتے بلکہ دوسرے کا شکریہ ادا کرتے۔

ایک واقعہ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ رمضان کے مہینہ میں مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب' اور مکرم حافظ محمد رمضان صاحب کے ساتھ ایک مسئلہ پر بیت مبارک میں بات ہو رہی تھی یہ دونوں بزرگ اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ مولانا صاحب نے حضرت ملک صاحب سے پوچھا کہ اعتکاف میں کھانا "بیت" سے باہر کھایا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ کیونکہ اگر وہیں کھانا کھایا جائے تو بیت میں گند وغیرہ پڑنے کا خدشہ رہتا ہے ملک صاحب نے فرمایا ہاں بیت کے باہر کھایا جاسکتا ہے۔ میں نماز پڑھنے بیت مبارک گیا تو حافظ محمد رمضان صاحب اس فتویٰ کے بارے میں کہنے لگے کہ

ہم نے تو آج تک یہ مسئلہ نہیں سنا کہ کھانا کھانے کے لئے بیت سے باہر جایا جا سکتا ہے۔ اور مجھے بھی اس مسئلہ میں ملک صاحب سے اختلاف تھا۔ خاکسار اگلے روز جامعہ آیا تو ملک صاحب سے اس مسئلہ پر بات ہوئی۔ میں نے کہا کہ معتکف کو "اِلاّ لِحَاجَۃٍ" کے تحت اشد مجبوری کے تحت تو بیت سے باہر جانے کی اجازت ہے یعنی ایسی حاجت جو بیت سے باہر جانے پر مجبور کر دے۔ کھانا تو اس میں نہیں آ سکتا۔ آپ نے باہر کھانے کے لئے کیسے اجازت دے دی ہے؟ محترم ملک صاحب نے بڑے تحمل سے میری بات کو سنا اور فرمایا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں اور اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔

اسی طرح حضرت ملک صاحب کی یہ بڑی خوبی تھی کہ مسائل کو بے تکلفی کے ساتھ ڈسکس کرتے تھے اور اپنی کسی بات پر اڑ نہیں جاتے تھے۔ اور نہ ہی بہت ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اور اس خوبی کو چار چاند ایک دوسری بات نے لگائے تھے کہ باوجود اتنے بڑے فقیہہ اور عالم ہونے کے آپ نے کبھی اپنے علم یا عقل کو حرف آخر نہیں سمجھا۔ بلکہ خلیفہ وقت کی بات یا ان کی رائے یا فیصلہ سامنے آتا تو ملک صاحب فوراً بانشراح صدر اپنے سارے علم اور عقل کو اسی کے تابع فرما لیتے اور پوری بشاشت کے ساتھ اس پر عمل کرتے۔ مجھے کئی بار ملک صاحب سے فقہی امور پر بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ میں نے یہ بات نوٹ کی ہے کہ حضرت ملک صاحب کے اندر خلفاء سے گہری عقیدت تھی۔ اور کامل اطاعت کی روح۔

ملک صاحب کمال ادب اور احترام کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے اور پھر اپنا سارا علم اپنی ساری عقل خلیفۃ المسیح کی رائے یا فیصلہ کے تابع کر دیتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے بھی حضرت ملک صاحب کی وفات پر ان کی غیر معمولی اطاعت کی اسی خوبی کا بطور خاص ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔ "ملک صاحب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی علم عطا فرمایا۔ غیر معمولی فراست عطا فرمائی۔ غیر معمولی اطاعت کی روح عطا کی......"

اس کے ساتھ ساتھ ملک صاحب کو کبھی کسی بات پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا اس شخص میں عجز و انکسار کا ایک عجیب رنگ تھا کہ اب بھی رشک آتا ہے مجھے یاد ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ایک دفعہ باتوں باتوں میں ذکر آیا کہ حضور ملک صاحب کے شاگرد ہیں۔ (اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے تو جب بھی حضرت ملک صاحب کا ذکر کیا ہے تو ساتھ عموماً فرماتے ہیں کہ میرے استاد ہیں) لیکن ملک صاحب نے کبھی ایسا نہیں کہا یہ تو میرا شاگرد ہے یا میں نے اس کو پڑھایا ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں ذکر کر رہا ہوں کہ ایک مرتبہ ذکر بھی ہوا کہ حضرت صاحب آپ کے شاگرد ہیں تو آپ کی آنکھوں میں نمی آ گئی اور فرمانے لگے کہ اب تو مجھے حسرت ہوتی ہے کہ میں ان پر کچھ اور شفقت کر لیتا۔ بس یہی فرمایا اور خاموش ہو گئے۔

الغرض ملک صاحب کے اندر عجز و انکسار، محبت و شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اور جتنا وسیع آپ کا علم تھا اتنا ہی آپ کو اللہ نے حوصلہ عطا کیا ہوا تھا۔ ایسے لوگ کم کم ہی دنیا میں پیدا ہوتے ہیں۔ بڑی دیر کے بعد ایسے انسان

دیکھنے نصیب ہوتے ہیں۔ بقول میر ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

اللہ تعالیٰ ملک صاحب مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ہماری جماعت کبھی بھی کسی بھی لمحہ ایسے باعمل اور عالم فقیہہ اور صاحب کردار خدام سے خالی نہ رہے۔ آمین۔
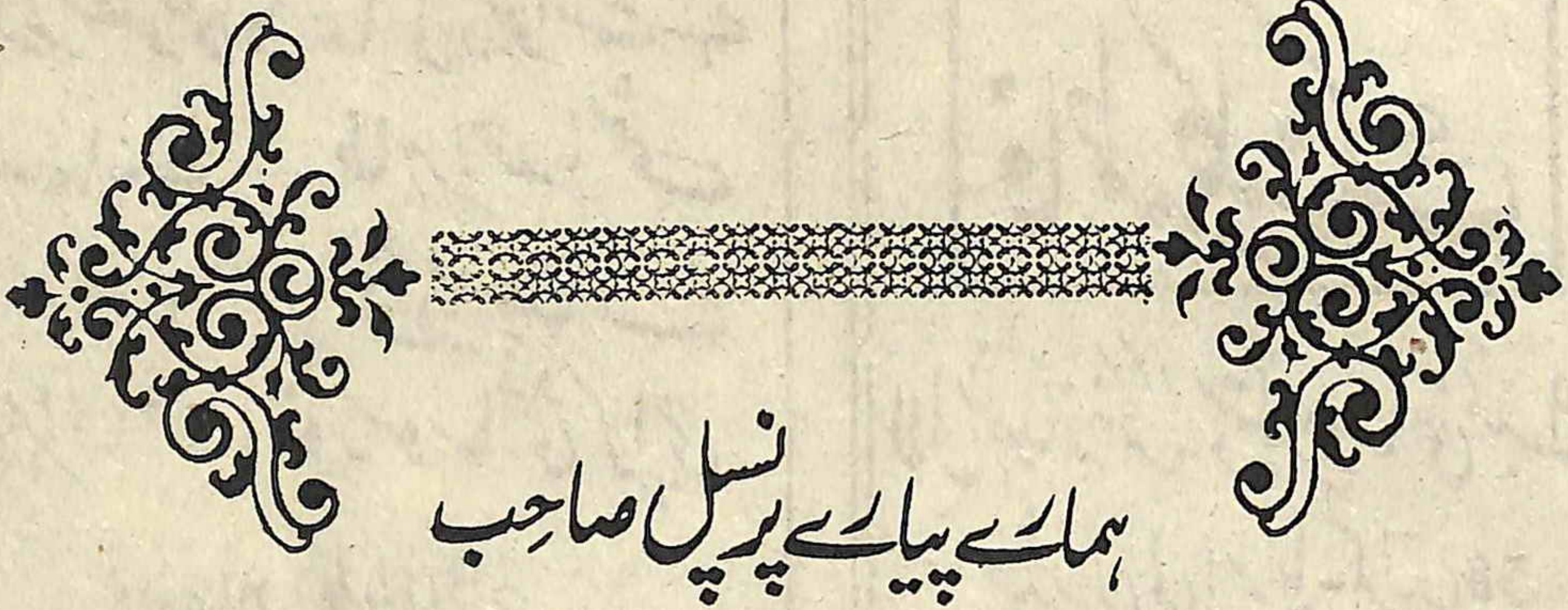
ہمارے پیارے پرنسپل صاحب

انڈونیشیا سے مکرم وحی الدین صاحب مربی سلسلہ لکھتے ہیں

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ ہم تمام انڈونیشین طلباء کی (جو جامعہ میں پڑھتے تھے) ملاقات تھی۔ ملاقات کے دوران حضور نے از راہ شفقت میری طرف اشارہ کرکے حضرت ملک صاحب کو فرمایا کہ اسکو ضائع نہ کریں۔

اس کے بعد ملاقات ختم ہوگئی لیکن حضرت ملک صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کے اس ارشاد مبارک کو یاد رکھا اور ملک صاحب نے مجھے بہت پیار دیا۔ اپنے گھر چائے پر بلاتے اور کبھی کھانے کی دعوت دیتے۔ ہر طرح سے میرا خیال رکھتے۔ میں نے ملک صاحب سے کبھی کسی ضرورت کا ذکر نہیں کیا لیکن حضرت ملک صاحب خود میری ضرورتوں کا خیال رکھتے کبھی رقم عطا فرماتے اور کبھی کسی اور ذریعہ سے میری ضرورت پوری فرمادیتے۔

ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے ایام تھے اور میں دفتر جلسہ سالانہ میں ڈیوٹی دے رہا تھا۔ بہت افسردہ تھا شاید یہ وجہ بھی تھی کہ میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا۔ اس دوران حضرت ملک صاحب تشریف لائے اور کچھ روپے مجھے عنایت فرمائے۔ حالانکہ میں نے ملک صاحب سے ذکر تک بھی نہیں کیا تھا۔ میرا دل خدا کی حمد سے لبریز ہوگیا۔ اور آج بھی سوچتا ہوں تو حضرت ملک صاحب کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ ہم کس طرح اپنے وطن اور ماں باپ سے دور وہاں تھے لیکن ملک صاحب کی محبتوں اور شفقتوں نے ہمیں والدین کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ میری دعا ہے کہ خدا جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔

سب کہاں کچھ ....

(مکرم محمود احمد صاحب شاہد سابق صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ آسٹریلیا)

فقہی ذہن کے ساتھ ساتھ اگر شگفتہ مزاجی بھی ہو تو ایک حسین امتزاج کہلانے کا حق رکھتا ہے ہمارے محسن استاد حضرت ملک سیف الرحمان صاحب ان دونوں خوبیوں کے مالک تھے۔ علم فقہ میں پوری دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ خوش مزاجی اور خوش خلقی آپ کی طبیعت کا ایک نمایاں وصف تھی۔ ادارہ خالد کے ہم ممنون ہیں کہ وہ ہمارے محسنوں اور جماعت کے بزرگوں کے ذکر خیر کی تاریخ کو محفوظ کرنے کے لئے ایسے نمبر کا اہتمام کر رہا ہے۔

فجزاہم اللہ احسن الجزا۔

حضرت ملک صاحب کے متعلق بعض واقعات پیش خدمت ہیں جن سے آپ کی سیرت کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

ایک دفعہ جامعہ احمدیہ کی سالانہ کھیلوں کے موقعہ پر ہم نے ملک صاحب سے عرض کیا کہ آپ کو کس کھیل سے دلچسپی ہے۔ فرمانے لگے کہ کھیل سے کوئی گہری دلچسپی نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن میں اسکول کے زمانہ میں ایک مرتبہ فٹ بال کھیلتے ہوئے مجھے گول کیپر مقرر کیا گیا۔ اتفاق سے مخالف ٹیم کے کھلاڑی بال لیکر آئے تو ہمارے دفاعی کھلاڑیوں میں سے کوئی بھی روکنے والا نہیں تھا اور گول ہو گیا اس پر میری ٹیم کے لڑکوں نے خوب مذاق کیا اور دل شکنی کی جس کی وجہ سے میں کھیل سے بددل ہو گیا اور آئندہ سے کھیل میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور آہستہ آہستہ پھر اس میں دلچسپی ختم ہو گئی یہ بات بتا کر آپ نے ہم طلباء کو نصیحت کے رنگ میں فرمایا کہ آپ لوگ بھی اس بات کا خاص خیال رکھا کریں کہ کھیل میں ہار جیت تو لازمی ہے اور ہارنے کا دکھ اور غم بھی ہوتا ہے لیکن ہارنے کی ذمہ داری کسی ایک ساتھی پر اس طرح نہ ڈالیں کہ اس کی دل شکنی کا باعث بن جائے اور یہ ایک بدخلقی بھی ہے۔

ہمارے ایک محسن سید میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ کی وفات کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ ایک لمبا عرصہ انہوں نے جامعہ کی خدمت کی ہے اور حسن انتظام کے لحاظ سے وہ سلسلہ کے ایک بے مثال کارکن تھے اس لئے ان کی سیرت پر مشتمل واقعات کو مرتب کر کے شائع کرنا طلباء جامعہ اور سلسلہ کے دیگر کارکنان کے لئے مفید اور نفع رساں ثابت ہو گا۔ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب جامعہ کے پرنسپل تھے ان کی سرکردگی میں یہ امور طے پانے تھے۔ استاذی المکرم مولانا نور الحق صاحب انور کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ ہمارے نگران ہوں گے اور جو مواد ہم جمع کریں

گے اس کو مولوی صاحب مرتب کریں گے۔ اس کام کے دوران ہم نے بارہا مشاہدہ کیا کہ حضرت ملک صاحب اپنے رفقاء کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ اس دوران کئی مرتبہ محترم ملک صاحب نے مجھے بلا کر ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب کے آرام اور ہر طرح کی سہولت کا خاص طور پر خیال رکھا جائے پھر فرمایا کہ ان کے لئے روزانہ دودھ بھی باقاعدگی سے مہیا کریں اور آرام کی غرض سے ان کے کمرے میں بستر وغیرہ کا بھی انتظام کر دو تاکہ انہیں کسی قسم کی تکلیف کا احساس نہ ہو۔

جب کتاب مکمل ہوئی تو مجھے ملک صاحب فرمانے لگے کہ آپ کو تو علم ہے کہ سید میر داؤد احمد صاحب کتنے نفیس انسان تھے اور تم طلباء کے لئے بھی اچھی اچھی چیزیں پسند کرتے اور ان کو مہیا کرنے کی سعی فرماتے اور کتب کی اشاعت کے سلسلہ میں بھی وہ نفیس اور عمدہ کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب پسند فرماتے تھے لہٰذا ان کی سیرت پر مشتمل کتاب بھی عمدہ اور نفیس کاغذ پر ہونی چاہئے لہٰذا یہ کتاب جو "سیرت داؤد" کے نام سے شائع ہوئی ہم نے آرٹ پیپر پر شائع کی۔

حضرت ملک صاحب کی یہ ہمیشہ کوشش ہوتی تھی کہ جامعہ کے طلباء سلسلہ کے لئے مفید اور بہترین کارکن بن سکیں اور اس سلسلہ میں وہ اپنے طلباء میں نہ صرف یہ صلاحیتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتے بلکہ ان صلاحیتوں کو مزید اجاگر کرتے۔ ایک مرتبہ آپ کی زیر نگرانی ایک لٹریچر کمیٹی کا انعقاد عمل میں آیا اور حضرت ملک صاحب نے مجھے بھی اس کا ممبر بنایا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ میں تو علمی کام کرنے کی کوئی صلاحیت مجھے نظر نہیں آتی میں کیا کام کروں گا فرمایا کہ مجھے تو آپ کے بارے میں حسن ظن ہے اور ویسے بھی تم لوگوں سے یہی امید رکھتا ہوں کہ تم سب سلسلہ کے لئے بہترین وجود ثابت ہو اور اس کے لئے میں آخر دم تک کوشش بھی کرتا رہوں گا۔

جب ۱۹۷۹ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے بطور صدر خدام الاحمدیہ میرا نام منظور فرمایا تو میں بہت گھبرایا ہوا تھا اور متفکر تھا میں نے ایک روز حضرت ملک صاحب کو دعا کے لئے کہا اور عرض کیا کہ گھبراہٹ بہت ہے نہ تو کوئی تجربہ ہے اور نہ ہی بولنا آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خلافت کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرو جس نے منظوری دی ہے وہ دل گردہ رکھتا ہے۔ فرمانے لگے کہ مجھے دیکھو میں ایک عرصہ سے کام کر رہا ہوں (مفتی سلسلہ کے طور پر) اب تک نہ بول سکتا ہوں (یعنی تقریر وغیرہ) اور نہ ہی کوئی ایسی تحریر ہے مگر خلافت کی برکت ہے۔ اس کی اطاعت کی برکت ہے۔ خلیفۃ المسیح جو ذمہ داری ڈالیں تو جسم تیار نہ بھی ہو تو اپنی روح کو پوری طرح مستعد کر کے اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتوں کو نیک نیتی اور پورے خلوص کے ساتھ بروئے کار لاؤ' خلفاء میں عظیم الشان وسعت حوصلہ اور درگذر کی نعمت خدا نے ودیعت کی ہوتی ہے وہ کمال خندہ پیشانی سے اپنے خدام کی کوتاہیوں کو برداشت بھی کرتے ہیں اس لئے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ملک صاحب کی یہ بات ہزار نصائح پر بھاری تھی۔

ربوہ سے آپ کو اس کے مرکز خلافت ہونے کی وجہ سے بے حد محبت تھی۔ جب آپ ربوہ سے کینیڈا تشریف لے گئے تو آپ سے خط و کتابت کے ذریعہ بھی محبت اور پیار کا تعلق قائم رہا میں نے ایک دفعہ لکھا کہ لگتا ہے کہ مغرب میں آپ کا دل لگ گیا ہے۔

تو اس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ میں تو اپنا جسم لیکر آیا ہوں دل تو ربوہ میں ہی ہے۔ گھر سے نکل کر جامعہ آنا اور گھر سے بیت المبارک نمازوں کے لئے جانا' راستے میں بزرگوں اور دوستوں کے سلام و محبت کے نذرانے' یہ ساری رونقیں دل کی تاریخ کا ایک حصہ بنتی جا رہی ہیں۔ ربوہ کی مٹی اور گرم ہوا دل و دماغ کے لئے غیر موزوں نہیں' یورپ کی ساری بہاریں اور اس کی حسن و خوبصورتی کے سارے نظارے ربوہ کی ایک مٹی اڑاتی ہوئی گلی پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔

حضرت ملک صاحب نے اپنے خط میں جس بات کا ذکر کیا تھا وہ اب ہم جب باہر آئے ہیں تو ایک حقیقت بن کر سامنے آئی ہے۔

حضرت ملک صاحب سے میری آخری ملاقات لندن میں ۱۹۸۹ء کے جلسہ سالانہ پر ڈاکٹر مجیب الحق صاحب کے کلینک پر ہوئی آپ وہاں چیک اپ کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ بیمار تھے مگر بہت محبت اور شفقت سے ملے۔ گو آپ بہت نحیف اور ضعیف ہو چکے تھے لیکن آپ کی یہ محبت اور شفقت ویسے ہی جوان تھی جیسی آج سے ۲۰ سال قبل۔ میں نے عرض کیا کہ آپ میری باری پر اندر چلے جائیں میں بعد میں دکھا دوں گا فرمایا کہ نہیں آپ لوگوں نے ڈیوٹی پر بھی جانا ہے اس لئے تم پہلے فارغ ہو جاؤ تا کہ سلسلہ کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی میں تاخیر نہ ہو۔ پھر اسی پرانی محبت اور والدین جیسی شفقت بھرے لہجہ میں فرمایا کہ "کچھ کھاؤ گے"۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں ملک صاحب اور پھر ویسے بھی اب تو ہم بھی بوڑھے ہو گئے ہیں۔ فرمانے لگے کہ میرے لئے تو تم بچے ہی ہو۔ کیا محبت اور کیا شفقت تھی اس انسان میں۔

حضرت ملک صاحب کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیں تو رسول مقبول ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بہت مزہ دیتا ہے الغنی غنی النفس حضرت ملک صاحب گو مادی لحاظ سے دولت مند نہیں تھے مگر آپ کی شفقت اور حسن سلوک بڑے بڑے دولت والوں کو مات کرتا تھا۔ اب بھی آپ کی عنایات کی سینکڑوں یادیں میرے دل کے آنگن میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں اور پھولوں کی طرح میرے دل و دماغ کو معطر کر رہی ہیں۔ اور ان نمناک آنکھوں اور غمناک دل میں غالب کا یہ شعر حضرت ملک صاحب کی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے۔ ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

مشفق و مہربان وجود ــــ پرنسپل جامعہ احمدیہ کی

خوشگوار یادیں

(مکرم عبدالسمیع خان صاحب)

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کی ذات کا تصور کریں تو ایک مشفق و مہربان وجود کا سراپا ابھرتا ہے جو اپنے دائرہ فیض میں سب کے لئے سراپا خیر ہے۔ مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ان کے پرنسپل جامعہ احمدیہ ہونے کے زمانہ میں جامعہ میں داخل ہوا اور فقہ اور صرف ونحو میں ان کی خاص طور پر شاگردی کی۔

اس کے بعد انہیں کے زیر سایہ کچھ پڑھانے کی بھی توفیق ملی بعض پہلوؤں سے انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اس سارے عرصہ پر نظر ڈال کر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان کی جانب سے کسی کی طرف شر بہتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ ان کے خیالات اور جذبات میں دوسروں کی ہمدردی اور خیر خواہی کی موجیں نظر آئیں۔

جامعہ احمدیہ اور طلباء کے تعلق میں ان کی پالیسی یہ نظر آئی تھی کہ محض قانون کے نفاذ کی بجائے اخلاقی قوتوں کو ابھارا جائے۔ چنانچہ قابل اور ذہین طلباء کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کر کے آگے لائے جس کے نتیجہ میں دوسروں میں طبعًا یہ شوق بیدار ہوتا تھا کہ وہ بھی آگے بڑھیں اور مفید وجود بنیں۔

ان کوششوں کو اگر کسی جگہ پوری طرح پھل نہ لگتے تو پھر مجبورًا تادیب کی طرف مائل ہوتے تھے مگر اس میں بھی رحم اور نرمی کا پہلو غالب ہوتا تھا۔ اس طرز عمل کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ حضرت ملک صاحب امتحان کے نتیجہ کے اعلان کے بعد تمام کلاسوں میں نمایاں پوزیشنیں حاصل کرنے والے طلباء کو اپنے دفتر میں مدعو کرتے اور موسم کے مطابق خاطر تواضع کرتے۔ اپنے ہاتھ سے ماکولات اور مشروبات اٹھا کر دیتے اور خوب حوصلہ افزائی کرتے اور طلباء میں یہ احساس بیدار کرتے کہ انہیں نہ صرف اس اعزاز کو قائم رکھنا ہے بلکہ اس سے آگے بڑھنا ہے۔

محترم ملک صاحب کے اس رویہ کی گواہی ان کے بہت سے شاگرد دیں گے۔ میں اس بارہ میں ذاتی طور پر ان کا بہت ممنون احسان ہوں۔ ایک سال مکرم منیر احمد صاحب جاوید اور خاکسار اپنی اپنی کلاس میں اول آئے تھے جمعرات کو

نتائج کا اعلان نوٹس بورڈ کے ذریعے ہوا جمعہ کی نماز بیت اقصیٰ میں پڑھ کر نکلے تو حضرت ملک صاحب سے بڑے دروازے پر ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مبارک باد دی اور فرمایا بڑی گرمی ہے سیر کے لئے کہیں جاؤ۔ ہم نے عرض کیا دل تو بڑا چاہتا ہے مگر وسائل اجازت نہیں دیتے فرمایا کہاں جانا چاہتے ہو۔ عرض کیا کوئٹہ کی خواہش ہے۔ فرمایا صبح میرے دفتر آ جانا۔ چنانچہ اگلے دن ہم پہنچے تو اپنی ذاتی جیب سے معقول رقم عطا فرمائی جس سے ہم نے خوب استفادہ کیا اور کوئٹہ کی وادی کے نشیب و فراز میں ان کی یاد آتی رہی۔

ملک صاحب کو تربیت کا ڈھنگ بھی خوب آتا تھا۔ دینی کاموں کے لئے طلبہ کو اپنے ساتھ لگاتے اور قریب رکھ کر ان میں بھی نیک جذبے پیدا کرتے۔ جامعہ احمدیہ میں ۵ تربیتی گروپ قائم تھے ان کے پانچوں نگرانوں کے ساتھ ملک صاحب ہفتہ وار میٹنگ کرتے اور طلبہ کے مسائل کا جائزہ لیتے اور جہاں ضرورت محسوس کرتے وہاں ذاتی طور پر دلچسپی لے کر رہنمائی فرماتے۔ ملک صاحب کے تربیت یافتہ بہت سے مربیان آج بہت سے کلیدی عہدوں پر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

طبیعت میں نرمی غالب تھی لیکن اگر حکمت تقاضا کرتی تو پھر سختی بھی کرتے۔ بعض طلبہ نے ہوسٹل کے نظم و ضبط کو نقصان پہنچایا جن میں بعض بڑے گھرانوں اور بااثر خانوادوں سے تعلق رکھنے والے بھی تھے تحقیق پر ان کا جرم ثابت ہوا تو ملک صاحب نے سب کے سامنے انہیں سزا دی اور کسی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

جامعہ کے کارکنوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتے اور ان کی ذاتی ضروریات اور مسائل کا اندازہ کرکے انہیں بھی حل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

محترم ملک صاحب کو جماعت کی آئندہ کی علمی ضروریات اور انکے پورا کرنے کیلئے قائم مقام تیار کرنے کا بہت فکر رہتا تھا۔ اسلیئے آپ نے تخصص یعنی مختلف مضامین میں ماہرین تیار کرنے کا منصوبہ بنا کر حضور سے منظوری لی اور آج آپکی ذاتی نگرانی میں تیار شدہ متعدد علماء سلسلہ کی علمی اور انتظامی خدمات احسن رنگ میں انجام دے رہے ہیں۔

یہ وہ معاملہ تھا جس کا ملک صاحب کو جنون کی حد تک خیال تھا اور بعض دفعہ دفتری لحاظ سے عدم تعاون کے باوجود آپ نے اس کو پروان چڑھانے کی ہر ممکن سعی کی۔ ہر مہینہ کم از کم دو دفعہ منتخب طلباء کو اکٹھا کرتے ان کے مطالعہ کا جائزہ لیا جاتا اور مزید ہدایات دی جاتیں اور ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔

یہاں پر تاریخی لحاظ سے ریسرچ سیل کے قیام کا ذکر مناسب ہوگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ مکرم ملک صاحب سے حوالے منگواتے رہتے تھے اور ملک صاحب متفرق طالب علموں سے مدد لے کر انہیں تلاش کرواتے۔ اس سے طلباء کی تربیت بھی ہوتی رہتی تھی۔

جنوری ۸۳ء کی بات ہے کہ حضرت صاحب نے ملک صاحب سے فرمایا کہ آپ اپنے ساتھ ایک مستقل ٹیم بنائیں

اور ریسرچ سیل قائم کریں ملک صاحب نے اس کی سکیم حضور کی خدمت میں بھجوا کر منظوری حاصل کی اور باقاعدگی سے کام شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ جب بھی حضور کی طرف سے کوئی ارشاد ملتا تو ملک صاحب ساری ٹیم کو لے کر جامعہ کی لائبریری میں ڈیرے ڈال دیتے طبیعت میں تھکاوٹ ہوتی تو اپنے لئے چارپائی بستر بھی وہیں منگواتے تمام حوالہ جات حضور کی خدمت میں بھجوانے سے پہلے آخری مرتبہ خود نظر ڈال کر تسلی کرتے اور اس بارہ میں قطعاً کسی قسم کی کوتاہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

حضور کی خلافت کا پہلا جلسہ سالانہ تھا جلسے سے غالباً دو دن پہلے کی بات ہے حضور نے کچھ حوالے طلب فرمائے اور فرمایا رات ۷ بجے تک حوالے مل جائیں۔ ملک صاحب نے ہم چند خدام کو اکٹھا کیا لائبریری میں ڈیرہ جمایا خود کتابوں کی نشان دہی کرنے لگے۔ اکثر حوالے مل گئے مگر چند حوالے مل نہیں رہے تھے اور وقت ختم ہو رہا تھا ہم سب جلدی جلدی لگے ہوئے تھے اور ملک صاحب فرما رہے تھے جلدی کرو حضور کے پاس پہنچنا ہے۔

خدا نے فضل کیا اور سوائے ایک کے سب حوالے مل گئے ملک صاحب نے ہمیں فرمایا تم تلاش جاری رکھو۔ مجھے چونکہ وقت پر پہنچنا ہے اس لئے میں جاتا ہوں۔ چنانچہ تانگہ منگوایا اور روانہ ہوگئے اور پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو اطلاع کی کہ میں حضور کے مقرر کردہ وقت پر آگیا ہوں۔ حضور کسی کام میں مصروف تھے اور چند منٹ دیر سے طلب فرمایا اتنی دیر میں اللہ تعالیٰ نے وہ آخری مطلوبہ حوالہ بھی مہیا فرما دیا اور ایک طالب علم اسے لے کر تیزی سے قصر خلافت پہنچ گیا ابھی ملک صاحب انتظار کر رہے تھے آخری حوالہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حضور کی خدمت میں پیش کر کے ہم سب کے لئے دعا کی درخواست کی۔ حضور نے رات کو خوشنودی کے اظہار کے طور پر مٹھائی کا ڈبہ عطا فرمایا ملک صاحب کا پیغام صبح صبح ملا کہ آؤ اور تبرک لے لو۔ چنانچہ سب کشاں کشاں پہنچے اور اپنا حصہ وصول کیا۔

مزید حوصلہ افزائی اور برکتوں کے حصول کے لئے ملک صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ سے وقت حاصل کیا تاکہ ریسرچ سیل کے ممبران اپنے آقا کے حضور حاضر ہوں اور براہ راست ہدایات حاصل کریں۔ چنانچہ ایک دن بعد نماز عصر حضور نے قصر خلافت کے لان میں طلب فرمایا حضور کی طرف سے چائے وغیرہ کا بہترین انتظام تھا اور حضور بڑے بے تکلف انداز میں گفتگو بھی فرما رہے تھے اور مختلف چیزیں کھانے کے لئے پیش فرماتے تھے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی اس ملاقات میں حضور نے ممبران کو قیمتی ہدایات عطا فرمائیں۔ یہ ملاقات ہماری زندگیوں کا بہت خوبصورت لمحہ تھا۔ اور اس کے لئے ہم ہمیشہ ملک صاحب کیلئے دعاگو رہیں گے۔

مختلف مبلغین جو بیرونی ممالک سے واپس آتے یا مختلف علوم کے ماہرین ربوہ آتے تو انہیں جامعہ احمدیہ میں بلا کر لیکچر کروائے جاتے جو طلبہ کے ذہنی افق کو وسیع کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوتے تھے۔

آپ کے زمانے میں جامعہ میں سیمینارز کا سلسلہ جاری ہوا جس میں مختلف ممالک اور براعظموں پر سیمینارز خاص

طور پر قابل ذکر ہیں ان میں جماعت کے چوٹی کے مقررین اور ماہرین حصہ لیتے اور بزرگان سلسلہ اور اہل ربوہ کی بڑی تعداد شامل ہو کر استفادہ کرتی۔ کئی مواقع پر سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ) نے بھی تشریف لاکر خطاب فرمایا ان پروگراموں میں شامل ہونے والوں کو آج بھی وہ ایام گرماتے رہتے ہیں۔

ایک بار حضور نے ٹیلی پیتھی سے متعلق جامعہ میں لیکچرز کا سلسلہ جاری فرمایا اور غالباً ۶، ۷ لیکچر دیئے یہ بہت قیمتی سرمایہ تھا جسے ریکارڈ بھی کیا گیا مگر افسوس کہ اب وہ کہیں سے بھی دستیاب نہیں ہو رہا۔

جامعہ صبح سویرے اسمبلی سے پہلے پہنچ جانا اور ہمہ وقت حاضر رہنا آپ کی مستقل عادت تھی آخری دور میں بیماری اور ضعف کی وجہ سے سائیکل چلا کر آنے میں دقت ہوتی تھی ایک دو دفعہ راستے میں گر بھی گئے مگر اپنے فرائض کو سرانجام دینے کے لئے اس قسم کی تکالیف کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔

ڈسپلن کی پوری پابندی کرواتے اور اس بارہ میں جزئیات تک کو مدنظر رکھتے۔ طلبہ کا یونیفارم، ٹوپی جوتی چیک کرتے یہاں تک کہ بوٹوں کے تسمے بھی صحیح بند ہوئے ہیں یا نہیں اس کا بھی معائنہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ کو بتایا کہ بعض طلبہ کی بنیانیں جرابیں اور رومال اچھی طرح صاف نہیں ہوتے تو آپ نے اس بارہ میں مؤثر تقریر فرمائی اور صفائی کے قیام کے لئے اور بھی اقدام کئے۔

اپنے مضامین میں ملک صاحب کی دلچسپی اور مہارت کی وجہ سے یہ مضامین بہت مقبول تھے اور متعدد طلباء انکو اپنے پسندیدہ مضامین قرار دیتے تھے اور کئی بزرگوں کا کہنا ہے کہ یہ محض ملک صاحب کی شخصیت اور روحانیت کا اثر تھا۔

ملک صاحب کے علم اور فراست کے مقابلہ پر ہم طفلان مکتب کی کیا حیثیت تھی لیکن ہمارے سوالات کو خندہ پیشانی سے نہ صرف سنتے بلکہ پوری محنت کے ساتھ سمجھاتے۔ سرقہ کے جرم اور سزا کے متعلق فقہاءؒ کے خیالات کی تفصیل ہمیں سنا رہے تھے آخر پر میں نے عرض کیا کہ یہ فتاویٰ تو چوری سے روکنے کی بجائے چوری کی ترغیب دیتے ہیں تو مسکرائے اور فرمایا ضروری نہیں کہ تم سب خیالات سے اتفاق کرو انہیں پڑھنا اور سننا ضروری ہے اور اختلاف کے لئے ٹھوس دلائل ہونے چاہئیں۔ پھر دبے لفظوں میں فرمایا کہ اتفاق تو مجھے بھی نہیں مگر ان تمام امور سے واقفیت ضروری ہے اور نئے اجتہاد کے لئے ان سب معاملات کا علم ہونا چاہئے۔

مکرم ملک صاحب دو مضامین کے خاص طور پر ماہر تھے فقہ اور صرف و نحو اور یہ دونوں ایسے مضامین ہیں جو عام طور پر خشک اور بیزار کن سمجھے جاتے ہیں اور جو شخص ہمہ وقت ان میں کھبا ہوا ہو اس کی طبیعت پر بھی لازماً ان کا اثر ہوگا مگر ملک صاحب کی طبیعت پر ان کا کوئی منفی اثر نہیں تھا اور آپ کا مزاج بڑا شگفتہ تھا اور اس میں کسی نوع کی یبوست نہ تھی۔

کئی دفعہ جب کام کا بوجھ زیادہ ہوتا تو اپنے چند ہم مزاجوں کے ساتھ تفریح کا پروگرام بناتے کئی دفعہ مکرم مولانا محمد

احمد صاحب جلیل (مفتی سلسلہ) کو ساتھ اصرار کر کے لے گئے کیونکہ انہیں مولانا جلیل صاحب کے لطائف اور بیان کرنے کا انداز بہت پسند تھا۔ اس قسم کی محفلوں کا تمام انتظام ملک صاحب خود ہی فرماتے تھے۔ جامعہ میں سال میں کم از کم دو دفعہ پکنک کرواتے اور خود سارے پروگرام میں حاضر رہ کر لطف اٹھاتے اور آپ کی وجہ سے سٹاف کے بھی اکثر ممبر موجود ہوتے اور طلبا کی تربیت کے پہلو بھی زیر غور آتے رہتے۔

شعری ذوق بھی بہت اچھا تھا۔ فارسی اور اردو کے اچھے اشعار یاد تھے بعض دفعہ طلبہ کی درخواستوں اور اساتذہ کی رپورٹس پر تبصرہ ان کے اوپر ہی اشعار کی صورت میں کرتے جو بہت لطف دیتے اور اس بارہ میں کئی دوسرے اساتذہ سے آپ کی نوک جھونک بھی جاری رہتی جس میں مولانا محمد احمد صاحب جلیل قابل ذکر ہیں۔ ملک صاحب اس سے خوب محظوظ ہوتے اور قطعاً برا نہیں مناتے تھے۔

علمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ صحت کی طرف بھی آپ کی توجہ تھی روزانہ کھیل تو پہلے سے جاری تھی اس میں پوری پابندی کراتے مگر ایک خاص سلسلہ یہ ہوا کہ آپ کے زمانہ میں سائیکل سفر شروع ہوئے۔ مختلف گروپ فروری کے معتدل موسم میں مختلف علاقوں کے تفریحی اور معلوماتی دوروں پر جاتے اور اساتذہ بھی ہمراہ ہوتے اور اس دوران جماعت کی تربیت اور دعوت الی اللہ کے مقاصد بھی پیش نظر رہتے۔

یہ بہت ہی مفید سلسلہ تھا جو ۱۹۸۴ تک جاری رہا اور پھر حالات کی خرابی کی وجہ سے بند کرنا پڑا۔ طلباء سے بہت محبت تھی اور سب سے خاندان کے سربراہ کے طور پر سلوک فرماتے۔ جامعہ کے عرصہ قیادت کے دوران ایک مرتبہ (غالباً ۷۶ میں) آپ کینیڈا تشریف لے گئے اس وقت گرمیوں کی چھٹیاں تھیں مگر جانے سے قبل حتی الامکان موجود سب طلباء سے مل کر گئے وہاں سے بھی خطوں کے ذریعہ سلام بھجواتے رہے۔ وہاں کے دلچسپ حالات لکھتے جو نوٹس بورڈ پر لگا دیئے جاتے واپسی پر ناصر ہوسٹل تشریف لائے اور سب سے بڑی بشاشت اور محبت کے ساتھ ملے اور حالات پوچھتے رہے۔

الغرض آپ کی ذات علم اور محبت کا ایک پیکر تھی جس سے سب نے اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھایا۔ دوسروں کی خطائیں اور غلطیاں بخشتے تھے اور اپنے خدا سے بھی اپنے لئے یہی توقع رکھتے تھے۔ یہی خواہش اور دعا آپ کے خود نوشت کتبہ پر بھی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ آپکے وجود پر بڑی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے اور آپکے جاری کئے ہوئے فیض ہمیشہ جاری رہیں۔

لالۂ صحرائی

حضرت امام جماعت کا ایک مکتوبِ گرامی

(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت ملک صاحب کو ایک خط لکھا جس سے حضرت ملک صاحب پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے اعتماد کی ایک جھلک نمایاں ہے:۔)

"سیرت کے مضمون میں خصوصیت کے ساتھ بہت خلاء محسوس ہو رہا ہے کیونکہ جب تک سیرت کے پہلو پر توجہ نہ دی جائے تربیت کا مضمون مکمل نہیں ہوتا۔ آپ کی فکر اور سوچ کی راہیں درست ہیں اور سیرت سے متعلق جو لٹریچر کا خاکہ آپ نے پیش فرمایا ہے مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ دیگر مصروفیات کے باعث میں بذات خود اس کام کی طرف توجہ نہیں دے سکتا ورنہ خواہش تو یہی تھی کہ تمام مذکورہ مضامین پر خود قلم اٹھاتا آپ سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ للّٰہی نصرت فرمائیں گے اور ہر رسالے کا الگ الگ عنوان مقرر کرکے اس کا قدرے تفصیلی خاکہ کھینچیں گے۔

اس مشورہ کے علاوہ میں آپ سے یہ بھی توقع رکھتا ہوں کہ حسب استطاعت جو رسالہ خود تصنیف فرما سکتے ہوں اس پر خود توجہ دیں کیونکہ آپ کے ذہن میں مذکور لٹریچر کا جو حسین و دلنواز نقشہ ہے وہ آپ کے سمجھانے کے باوجود کسی دوسرے عالم کے ذہن میں اپنے تمام تر نقوش کے ساتھ منعکس نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ آپ اس کا حق خود ادا کر سکتے ہیں الا ماشاء اللہ کسی دوسرے کو ویسی توفیق میسر نہیں آ سکتی۔ بس وہاں بیٹھے اپنی مرمتیں بھی کرواتے رہیں اور ڈاکٹروں کو بھی موقع دیں کہ وہ مشق ناز کرتے چلے جائیں اور حسب سابق اور حسب عادت اندھیروں سے روشنیوں کی طرف قلابے بھی بھرتے رہیں۔

اللہ آپ کا ہر آن حافظ و ناصر ہو۔ آپ کے علم میں برکت ڈالے اور وہ تمام لالہ صحرائی جو آپ کے وجود کے پنہاں گوشوں میں کھل رہے ہیں انہیں منظر عام پر لانے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

والسلام خاکسار

(مرزا طاہر احمد)

خلیفۃ المسیح الرابع

(۲۵-۱۱-۸۵)

آئیڈیل ــ استاذ

(مکرم میر غلام احمد صاحب نسیم)

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀
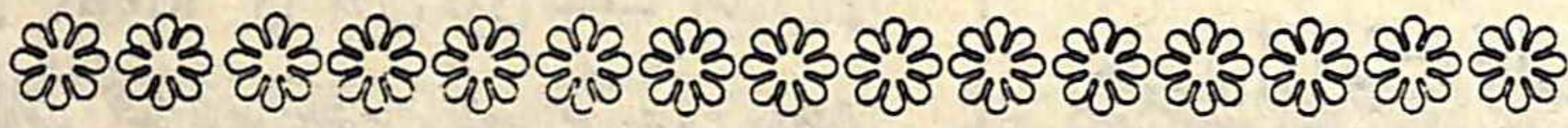
شعور کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ذوق جستجو دامن گیر ہوا۔ اس ذوق کی تکمیل کے ذرائع کی ابھی تلاش ہی تھی کہ برصغیر میں آزادی کی شمع روشن ہونے کے ساتھ ہی ہندوستان تقسیم ہوگیا اور تقسیم کے ساتھ ہی مسئلہ کشمیر بھی پیدا ہوگیا۔ حصول تعلیم کے ذرائع مسدود ہوگئے۔ ذوق جستجو نے ساتھ نہ چھوڑا۔ کشاں کشاں نوزائدہ خداداد مملکت پاکستان میں آگئے۔ زندگی کے مستقبل کے راستہ کا تعین پہلے سے ہوچکا تھا۔ عرض گزار ہوئے کہ مزید تعلیم کا حصول سابقہ ذرائع سے ممکن نہیں رہا۔ حکم ہوا احمد نگر ضلع جھنگ چلے جائیں اور جامعہ احمدیہ میں داخلہ لے لیجئے۔ افتاں وخیزاں منزل پر پہنچے۔ داخلہ لیا' نیا ماحول تھا' نئے چہرے تھے۔ رفتہ رفتہ روشناس ہوتے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد ایک دبلے لیکن طویل قامت شخص ' رنگت نکھرتی ہوئی' داڑھی خشخشی 'پروقار دھیمی چال چلتے ہوئے کلاس روم میں داخل ہوئے۔ کلاس روم کیا تھا ایک متروکہ حویلی کا طویل کمرہ جو غالباً ماضی قریب میں حیوانوں کو سردی گرمی سے بچانے کے لئے تعمیر کیا گیا ہوگا۔ جملہ طلباء اس نئے آنے والے استاد کے احترام میں کھڑے ہوگئے۔

"تشریف رکھئے" کی دھیمی آواز کانوں سے بمشکل ٹکرائی۔ گفتگو کا آغاز ہونے پر معلوم ہوا کہ ان کے ذمہ ادارے نے "علم صرف" کی تدریس کی ہے اور کہ "علم صرف" کا تعلق عربی زبان کی گردانوں اور صیغہائے گوناگوں سے ہوتا ہے۔ آغاز تدریس میں ہی ارشاد ہوا صرف کی گردانیں یاد کرنی پڑتی ہیں۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یہ گردانیں کامل اساتذہ کی نگرانی میں یاد کی ہیں اور کبھی کبھی موسم گرما کی شدت میں بیلوں سے چلنے والے کنویں کی "ٹنڈ" کے نیچے بیٹھ کر یاد کی ہیں۔ تدریس علم صرف کی گھنٹی ختم ہوئی۔ معلم علم صرف اسی پروقار انداز اور دھیمی چال کے ساتھ کلاس روم سے چلے گئے۔ یہ تھی ہماری پہلی ملاقات ملک سیف الرحمان صاحب سے جو آگے چل کر محنت' کام میں لگن' بے لاگ خدمت' فرائض کی ادائیگی کے اعتبار سے جماعت میں انمٹ نقوش چھوڑ گئے اور حضرت ملک سیف الرحمان کے نام سے یاد کئے گئے اور کئے جاتے رہیں گے۔

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب نے چند دن پڑھانے کے بعد کلاس میں آنا چھوڑ دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جماعت

نے ایک نیا کالج "جامعۃ المبشرین" کے نام سے جاری کیا ہے اور وہ اس میں پڑھانے پر متعین ہوئے ہیں۔ جامعہ احمدیہ سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد "جامعۃ المبشرین" میں داخل ہوئے تو دوبارہ ملک صاحب سے ملاقات ہوئی لیکن بطور مدرس "علم صرف" کے نہیں بلکہ "فقہ اور تصوف" کے مدرس کے طور پر۔ ہم اس وقت عمر کے اس حصہ میں سے گزر رہے تھے جس عمر میں عموماً ہر طالب علم کو کسی نہ کسی "Ideal" کی تلاش ہوتی ہے۔ آئیڈیل کی تلاش کے مقاصد مختلف ہوسکتے ہیں لیکن ہم نے جس مقصد کے لئے زندگی کی راہ متعین کی تھی اس کے لئے اس کا مطلب صرف علم میں ترقی کرنے کے لئے کسی نمونہ کی تلاش تھی اور اس کے لئے اساتذہ میں سے ہی کوئی ہو سکتا تھا۔ ہماری نظر انتخاب نے انہیں منتخب کیا اور ان کے طور طریقے خصوصاً مطالعہ وغیرہ میں اپنانے کی ناکام کوشش میں مصروف ہوگئے۔

تعلیم سے فراغت ہوگئی۔ میدان عمل شروع ہوگیا۔ بیرون پاکستان خدمت کرنا نصیب میں لکھا تھا۔ تین چار سال بعد واپسی ہوئی۔ ملاقات ہو جاتی بلکہ دعوت پر گھر بلاتے۔ پھر روانگی ہو جاتی۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ ۱۹۷۹ء میں زیمبیا سے واپسی پر جامعہ میں تعیناتی ہوگئی۔ اس وقت حضرت ملک صاحب جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے۔ تدریسی فرائض کے علاوہ جامعہ کے احاطہ کی "باغبانی" کی نگرانی بھی حصہ میں آئی۔ جامعہ کی موجودہ "ٹک شاپ" کی جانب شمال ایک کیاری میں "کماد کی فصل" تھی۔ ایک روز تقریباً تین یا چار بجے بعد دوپہر مالی بھاگا بھاگا آیا کہ طلباء نے فصل تلف کر دی ہے اور کیاری میں بیٹھے گنے چوس رہے ہیں۔ آکر دیکھا تو واقعی فصل ختم ہونے کے قریب تھی۔ چند پودے کھڑے تھے۔ مالی سے کہا کہ یہ بھی کاٹ دو۔ کچھ تم لے جاؤ اور چند ایک ملک صاحب کے گھر پر انہیں دے دو۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح انہیں علم ہو جائے گا کہ کماد کی کیاری ختم ہوگئی ہے لیکن انہوں نے گنے واپس کر دیئے۔ کیوں واپس کئے اس سوال کا جواب تلاش کرنا ہم سب پر چھوڑ دیا۔

●●●●●●●●●●●●

ڈھونڈا کریں گے ہم تمہیں فصلِ بہار میں

میرے پیارے ابّا جان!

(حضرت ملک صاحب کی صاحبزادی امۃ اللطیف صاحبہ امریکہ)

میرے پیارے ابا جان ملک سیف الرحمان صاحب ۲۵۔ اکتوبر کی صبح کو دو بجے اڈمنٹن کینیڈا میں انتقال فرما گئے۔ دل حزیں ہے۔ آنکھیں اشکبار ہیں لیکن ہم خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

پیارے ابا جان نہایت شفیق باپ تھے اور ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو جاتے تھے دعا اور ہر ممکن تدبیر کرتے۔ اپنے آرام پر بچوں کے آرام کو ترجیح دینے والے تھے۔ حسین یادیں چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

پیارے ابا جان کی یادیں فلم کی طرح دماغ میں گھومتی ہیں۔ جب میں کینیڈا پہنچی تو ابا جان ICU میں تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ سانس کی آواز آتی تھی۔ بلانے پر کچھ آنکھیں کھولتے لیکن فوراً بند ہو جاتی تھیں۔ اگلے دن صبح وفات پا گئے۔ ایسے لگتا تھا جیسے سو رہے ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ پیارے ابا جان ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔

ہارٹ اٹیک سے دو روز قبل فون پر باتیں کیں۔ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ سب بچوں سے بہت پیار تھا لیکن میرے ساتھ تو لگتا تھا کہ سب سے زیادہ ہے۔ میری دلی خواہش کو بھانپ لیا کرتے تھے۔

میری امی بتایا کرتی ہیں کہ جب میں پیدا ہوئی تو رویا بہت کرتی تھی تو اکثر تمہارے ابا ساری ساری رات تمہیں گود میں لے کر پھرتے تھے۔ مجھے بیٹا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں اچھی خاصی بڑی تھی غالباً نویں دسویں کلاس کی طالب علم تھی۔ گرمیوں میں رات کو جب پیاس لگتی تو اپنی امی کو آواز دیتے ہوئے کہتی "آپا پانی" تو ہمیشہ پیارے ابا جان پانی لے کر آجاتے تھے۔ کبھی کوئی بیمار پڑتا تو ابا جان ہر طرح کی تیمار داری کرتے۔ کبھی کھانسی لگتی تو پیارے ابا جان رات کو اٹھ کر کبھی گلے میں دوائی لگاتے کبھی گلے کے باہر سے مالش کرتے اور کہتے کہ تمہاری ایک ایک کھانسی کی آواز میرے دل پر ہتھوڑا بن کر لگتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آدھی رات کو ابا جان میرے سرہانے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ بیٹا کیا بات ہے۔ میں نے حیران ہو کر ان کو کہا کہ

ابا جان کوئی بات نہیں تو کہنے لگے کہ ابھی تم نے سوتے سوتے "ہائے" کہا تھا۔ سوتے میں کہیں ہائے نکل گیا ہو گا۔ پیارے ابا جان نے اتنا بھی انتظار نہ کیا کہ دوسری بار آواز آئے، فوراً آکر حال پوچھنے لگے۔ نیند ان کی بڑی ہلکی تھی۔ ذرا سی آواز پر بیدار ہو جاتے تھے۔

مجھے سائنس پڑھنے کا شوق تھا۔ جب میں نے دسویں کا امتحان پاس کیا تو مجھے آگے سائنس پڑھنے کی خواہش تو تھی (ان دنوں ربوہ میں لڑکیوں کا کوئی سائنس کالج نہیں تھا) لیکن میں نے اس کا اظہار نہ کیا کیونکہ گھر کے حالات ایسے نہیں تھے کہ میں لاہور جاکر پڑھتی۔ ابا جان واقف زندگی تھے۔ سات بچے تھے۔ بمشکل گزارہ ہوتا تھا لیکن ایک روز ابا جان میرے پاس آئے اور کہنے لگے بیٹا لاہور جاکر پڑھنے کو دل کرتا ہے؟۔ میں نے کہا کرتا تو ہے کہنے لگے کہ تیار ہو جاؤ لاہور جائیں گے۔ نہ جانے ابا جان نے کہاں کہاں سے قرض لے کر مجھے اور پھر ایک وقت میں مجھ سے چھوٹی بہن باسط کو اکٹھے ایم۔ ایس۔ سی کروانے کے لئے اخراجات پورے کئے۔ جب ہم دونوں ایم۔ ایس۔ سی کے آخری سال میں تھیں تو ہڑتال کی وجہ سے سالانہ امتحان لیٹ ہوتے جا رہے تھے۔ ہم گھر گئے تو امی نے مجھے بتایا کہ قرض حسنہ کی آخری قسط بھی اپریل میں ختم ہو چکی ہے اور امتحان لیٹ ہوتے جا رہے ہیں۔ تمہارے ابا جان پریشان ہیں دعا کرو جلد امتحان ہو جائیں۔ جب ہم لاہور واپس گئے تو پتہ چلا کہ یونیورسٹی میں دو وظیفے نئے نکلے ہیں۔ ایک لڑکے کے لئے اور ایک لڑکی کے لئے۔ لڑکی والا خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے مل گیا اور اس طرح ایک سال کا وظیفہ یکمشت مل گیا۔ ابا جان لاہور آئے تو کہنے لگے بیٹا کتنے پیسے چاہئیں۔ میں نے ابا جان سے کہا اب تو وظیفہ مجھے مل گیا ہے اب تو پیسوں کی ضرورت نہیں تو کہنے لگے بیٹا وہ تو تمہارے اپنے پیسے ہیں۔ میں نے ابا جان سے کہا ابا جان آپ کیسی باتیں کرتے ہیں اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عجیب سلوک تھا ان کا۔

ایم۔ ایس۔ سی کے دوران ایک مرتبہ میں نے ابا جان کو خط لکھا تو کسی کام کے لئے لاہور آنے کے لئے لکھا اور لکھا کہ فلاں تاریخ کو آپ لاہور آئیں۔ اس روز سارا دن ابا جان کا انتظار کرتی رہی لیکن ابا جی نہ آئے۔ شام ہوئی تو مجھے بڑا رونا آیا کہ ابا جان کیوں نہیں آئے۔ آنسو تھمنے میں ہی نہ آتے تھے۔ مجھے یہ تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں لکھوں اور ابا جان نہ آئیں۔ میری روم میٹ ایک شیعہ فرقہ سے تعلق رکھنے والی لڑکی تھی۔ وہ بڑی حیران تھی کہ باپ بیٹی میں ایسا تعلق بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرے روز میں کلاس میں تھی تو کسی نے مجھے بتایا کہ تمہارے ابا جان ہوسٹل میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ کیمپس اور ہوسٹل کے درمیان تقریباً ایک میل کا راستہ تھا۔ میں ہوسٹل کی طرف چل پڑی۔ مئی جون کا مہینہ تھا اور شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ جب میں آدھے راستہ میں پہنچی تو دیکھا کہ ابا جان پسینہ سے شرابور کیمپس کی طرف چلے آرہے ہیں۔ مجھ سے کہنے لگے کہ کل مجھے جامعہ سے چھٹی نہ مل سکی۔ مجھے معلوم تھا کہ تم پریشان ہو رہی ہو گی کہ میں کیوں نہیں آیا۔ آج میں کلاس لے کر بس پر بیٹھ کر آیا ہوں۔ (بس میں سفر کرنے سے ان کو بڑی دقت ہوتی تھی کیونکہ بار بار پیشاب آنے کی ان کو تکلیف تھی)۔ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ میں نے خوامخواہ ابا جان کو تکلیف دی۔ میری امی بھی کبھی کبھی ہوسٹل آیا کرتی تھیں۔ وہ شیعہ لڑکی ابا جان اور امی سے اس قدر متاثر تھی کہ ایک مرتبہ اس نے ان کے متعلق خط لکھا کہ

"تمہارے عظیم الشان ماں باپ"۔

میری شادی جب ہوئی تو میں نے امریکہ جانا تھا۔ میری فلائٹ لاہور سے تھی۔ پیارے ابا جان میری رخصتی کرتے ہی گاڑی میں بیٹھ کر اتنا لمبا سفر کر کے کراچی گئے تاکہ جب میں لاہور سے کراچی پہنچوں تو وہ وہاں ہوں اور مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ کراچی میں غالباً پہلی مرتبہ گئے تھے اور ارادہ تھا کہ بعد میں کچھ روز ٹھہر کر کراچی کی سیر وغیرہ بھی کریں۔ لیکن مجھے رخصت کرنے کے بعد فوراً واپس ربوہ چلے گئے اور لکھا کہ تمہیں رخصت کر کے دل اس قدر بے چین ہو گیا کہ قرار نہ آتا تھا۔ اس لئے میں واپس ربوہ چلا گیا۔

۱۹۶۹ء میں ہم واپس پاکستان آئے۔ امریکہ سے آتے ہوئے کئی جگہوں پر رکے۔ ہر جگہ ابا جان نے انتظام کیا ہوا تھا کہ ایئر پورٹ پر ہمیں لوگ لینے آئے ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی۔ ان دنوں ابا جان کوئٹہ میں مقیم تھے۔ کچھ تصنیف کا کام کر رہے تھے۔ اس لئے ہم کوئٹہ سے ہوتے ہوئے لاہور گئے۔ کوئٹہ میں ان دنوں پانی کی قلت تھی۔ نلوں میں پانی بند تھا۔ صرف تھوڑی دیر کے لئے آتا تھا تو برتن بھر لیتے تھے۔ میں بچوں کے گندے کپڑے دھونے لگی تو ابا جان آگئے اور کہا بیٹا میں پانی ڈالتا جاتا ہوں تم دھولو۔

غالباً ۱۹۷۵ء میں میں پاکستان گئی۔ بڑے دو بچے شیراز میں ہی تھے اپنے ابا کے ساتھ۔ چھوٹے دو بچوں کو لے کر گئی تھی۔ کسی وجہ سے واپسی لیٹ کرنی پڑی۔ واپسی کی سیٹ بک کروانے کے لئے ابا جان نے بڑی کوشش کی۔ سیٹ لاہور سے بک ہونی تھی۔ لاہور سے دوبئی تک کی تو بک تھی دوبئی سے شیراز تک کی بک نہ تھی۔ آخری دن تک کوئی جواب نہ آیا۔ میں بڑی پریشان تھی۔ دو بچے اتنے دنوں سے اکیلے شیراز میں تھے اس لئے جلدی واپس جانا چاہتی تھی۔ ان دنوں گاڑی ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر نہ رکتی تھی اس لئے ابا جان نے کار کا انتظام کیا تاکہ میں چنیوٹ جا کر گاڑی میں بیٹھوں۔ میرے بہنوئی میرے ساتھ تھے۔ ابا جان بیمار تھے اس لئے ساتھ نہ آئے۔ چنیوٹ میں گاڑی نہ ملی اس لئے بذریعہ بس لاہور جانا پڑا۔ جب PIA کے آفس گئی تو انہوں نے کہا کہ دوبئی سے شیراز تک کوئی سیٹ نہیں ہے۔ جواب آگیا ہے اور انہوں نے اسی وقت میری لاہور سے دوبئی تک کی سیٹ بھی کینسل کر دی۔ بڑی پریشانی تھی۔ جب میں گھر پہنچی جہاں لاہور میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے تو دیکھا کہ ابا جان بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ تم نکل کر گئے تو کریم کا تار آگیا کہ دوبئی سے شیراز تک کی سیٹ بک ہو گئی ہے۔ میں بس پر بیٹھ کر آگیا ہوں کہ شاید یہ تار تمہارے کام آجائے۔ مجھے بڑا دکھ ہوا کہ ابا جان نے بیماری میں اتنی تکلیف کی۔ میں نے ان کو بتایا کہ اب تو انہوں نے میری لاہور سے دوبئی تک کی سیٹ بھی کینسل کر دی ہے۔ ابا جان کہنے لگے تم جا کر کوشش تو کرو میں دعا کرتا ہوں۔ جب میں تار لے کر وہاں گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم اس تار کو نہیں جانتے اور یہ کہ اب تو آپ کی لاہور سے دوبئی تک کی سیٹ بھی نہیں ہے۔ میں بڑی پریشان تھی۔ سمجھ نہ آتی تھی کہ کیا کروں۔ مجھے یہ بھی دکھ تھا کہ ابا جان اتنی دور سے تکلیف اٹھا کر آئے ہیں۔ اتنی دیر میں PIA کا افسر خود ہی اٹھ کر میرے پاس آگیا اور بڑی شفقت سے کہنے لگا کہ بی بی کیا بات ہے۔ میں نے اسے سارا ماجرا سنایا تو اس نے فوراً کہا کہ میں ذمہ داری لیتا ہوں اور بکنگ کرنے والے آدمی سے کہا کہ فوراً اس کی سیٹ بحال کرو اور مجھے کہا کہ بی بی کل جہاز چلنے سے کافی پہلے ایئر پورٹ پر پہنچ جانا۔ دوسرے

دن فلائٹ تھی۔ مجھے نہ صرف لاہور سے دوبئی تک کی سیٹ مل گئی بلکہ دوبئی سے شیراز والے جہاز پر بھی کوئی دقت پیش نہ آئی کیونکہ آدھے سے زیادہ جہاز خالی تھا۔ اس وقت سمجھ میں آیا کہ لاہور میں صرف تنگ کر رہے تھے اور حقیقت نہ تھی۔

یہ اباجان کی دعائیں اور کوشش ہی تھی کہ میں مزید پریشانی سے بچ گئی ورنہ نہ جانے کب تک وہ یہی جواب دیتے اور تنگ کرنے کے لئے کہتے کہ سیٹ نہیں ہے۔

۸۰-۱۹۷۹ء میں میں بہت بیمار ہوگئی تھی۔ میری امی کو میرے پاس امریکہ بھجوایا۔ خود بوڑھے تھے۔ سخت غمزدہ تھے میری بیماری کی وجہ سے۔ کوئی بچہ پاس نہ تھا۔ روکھی سوکھی کھاتے تھے لیکن میری امی کو لکھتے تھے کہ میری فکر نہ کرو تمہیں چاہے دو سال تک رہنا پڑے رہو۔ میری بیٹی ٹھیک ہو جائے۔ ایک سال اکیلے رہے۔

ہم جب کبھی ربوہ جاتے اگر کوئی بچہ بیمار ہو جاتا تو ہم سے بڑھ کر پریشان ہو جاتے۔ رات کو اٹھ اٹھ کر آتے حال پوچھتے۔ دوائی دیتے غرض دوسروں کے آرام کو اپنے آرام پر ترجیح دیتے۔ میری امی بتاتی ہیں کہ جب بچہ کی پیدائش ہوتی تو دس روز تک اباجان اپنے ہاتھ سے نہایت اہتمام سے ناشتہ تیار کرتے میری امی کے لئے اور بچوں کے لئے بھی۔ طبیعت میں نفاست تھی۔ صفائی پسند تھے۔ درویش صفت تھے۔ انہیں یہی ہوتا تھا کہ بچوں پر بوجھ نہ بنوں۔ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرلیتے تھے۔ بوقت ضرورت اپنے کپڑے خود دھو لیتے تھے حتی کہ رفو بھی کرلیا کرتے تھے۔ جب بھی ہم فون پر بات کرتے تو مختصر بات کیا کرتے تھے۔ پھر کہتے اپنی امی سے بات کریں۔ ان کو یہ خیال رہتا کہ ہمارا فون کا بل زیادہ نہ آئے۔ ان کی تحریر میں چاشنی تھی۔ ان کے خطوط پڑھ کر بڑا لطف آتا تھا۔

پیارے اباجان جامعہ کے طلباء سے نہایت شفقت کا سلوک کرتے تھے۔ ان کی ہر ممکن امداد کرتے۔ خصوصاً غریب طلباء کی شادیوں پر ہم لوگوں میں تحریک کرکے رقم جمع کرکے ان کو دیتے۔ اس سال اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اباجان کو بہت سی تقریبات میں شمولیت کا موقعہ عطا فرمایا۔ پہلے صد سالہ جوبلی کا فنکشن واشنگٹن میں اٹینڈ کیا پھر دو مرتبہ ٹورانٹو کینیڈا میں جانے کا موقع ملا۔ ایک مرتبہ صد سالہ جوبلی کے BANQUET میں شمولیت کے لئے اور دوسری مرتبہ جلسہ سالانہ کے لئے پھر واشنگٹن میں جلسہ سالانہ میں شمولیت کی۔ پھر لاس اینجلس بیت الذکر کے افتتاح میں شریک ہوئے۔ ڈزنی لینڈ کی سیر بھی کی۔ اس کے بعد لندن کے جلسہ سالانہ میں شمولیت کی اور پھر کیلگری میں جلسہ سالانہ میں شمولیت کی۔ اب پاکستان جانے کا ارادہ تھا۔ ویزا کے لئے تصویریں کھنچوانے بازار گئے تھے کہ طبیعت خراب ہوئی۔ ہسپتال گئے اور وہیں وفات پاگئے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۳ نومبر ۱۹۸۹ء کے خطبہ جمعہ میں پیارے اباجان کا بہت احسن ذکر خیر کیا ہے۔ اس میں حضور نے اباجان کے اچھے استاد ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں مجھے یاد ہے کہ جب میں نویں دسویں کلاس کی طالب علم تھی تو دینیات کی کتاب کھول کر کم ہی پڑھتی تھی۔ جب امتحان ہوتا تو اباجان سے کہتی کہ آج شام جلد گھر آجائیں۔ میں زبانی سوال کرتی جاتی اباجان جواب دیتے جاتے۔ صبح اسمبلی پر میری سہیلیاں میرا انتظار کر رہی ہوتیں تھیں۔ ان کو پتہ ہوتا تھا کہ میں اپنے اباجان سے پڑھ کر آئی ہوں گی۔ ان کو اگر کوئی سوال پوچھنا ہوتا تو مجھ سے پوچھ لیتی

بقیہ صفحہ 66 پر

(دائیں سے بائیں) مکرم رشید احمد صاحب، حضرت ملک صاحب، کرنل محمد سعید صاحب اور عرفان احمد صاحب
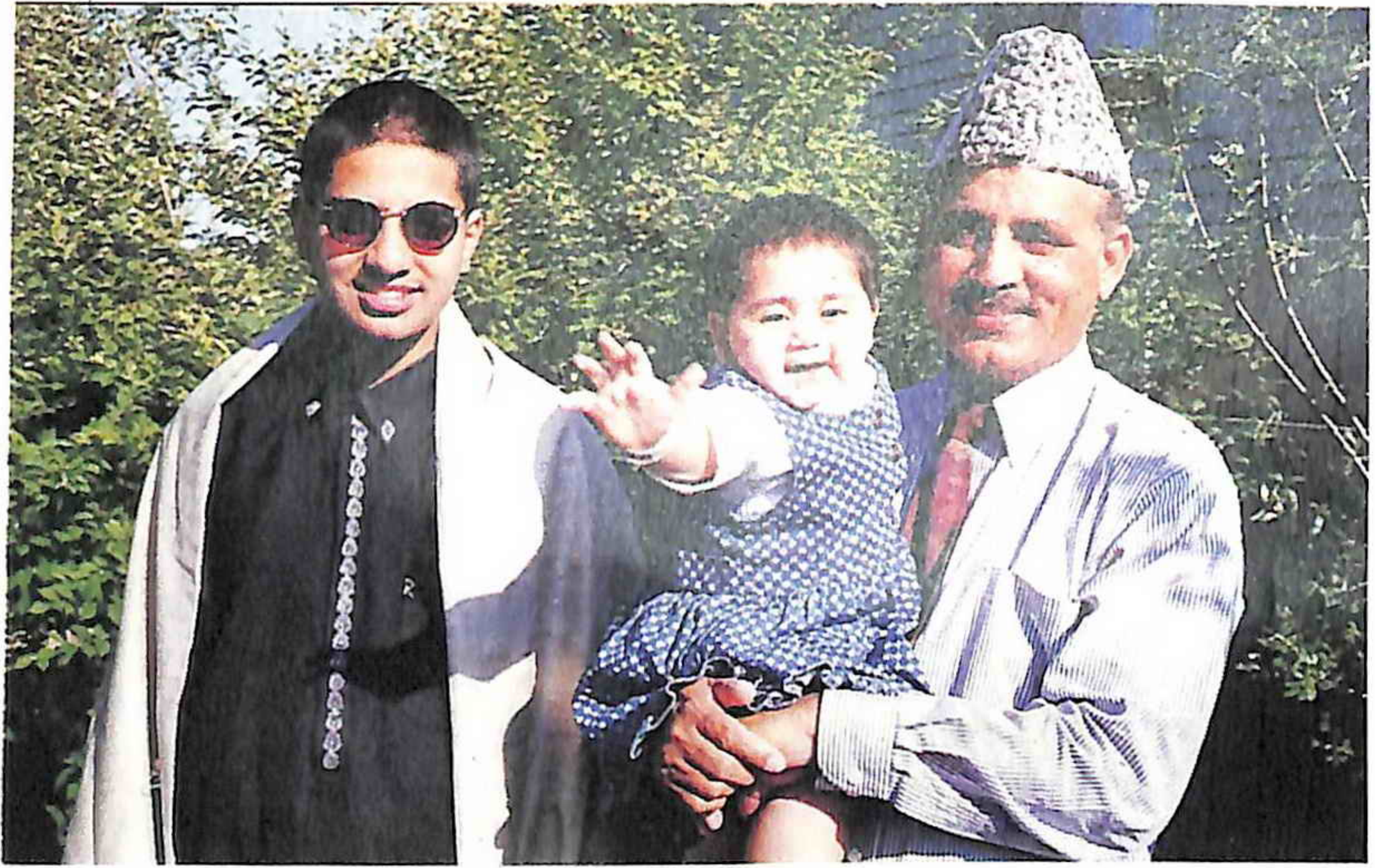
حضرت ملک صاحب کے داماد عبدالباری صاحب
عزیز طاہر احمد صاحب، نواسی سارہ صباحت۔

حضرت ملک صاحب کے داماد

مکرم ڈاکٹر کریم اللہ صاحب زیروی

مکرم مرزا بشیر احمد صاحب نوشہرہ کینٹ

مکرم سید منصور احمد شاہ صاحب

ایک پتھر کی بھی تقدیر بدل سکتی ہے   شرط یہ ہے کہ قرینے سے تراشا جائے

حضرت ملک صاحب کے آبائی گاؤں کھوتکہ (احمد آباد) کا ایک منظر
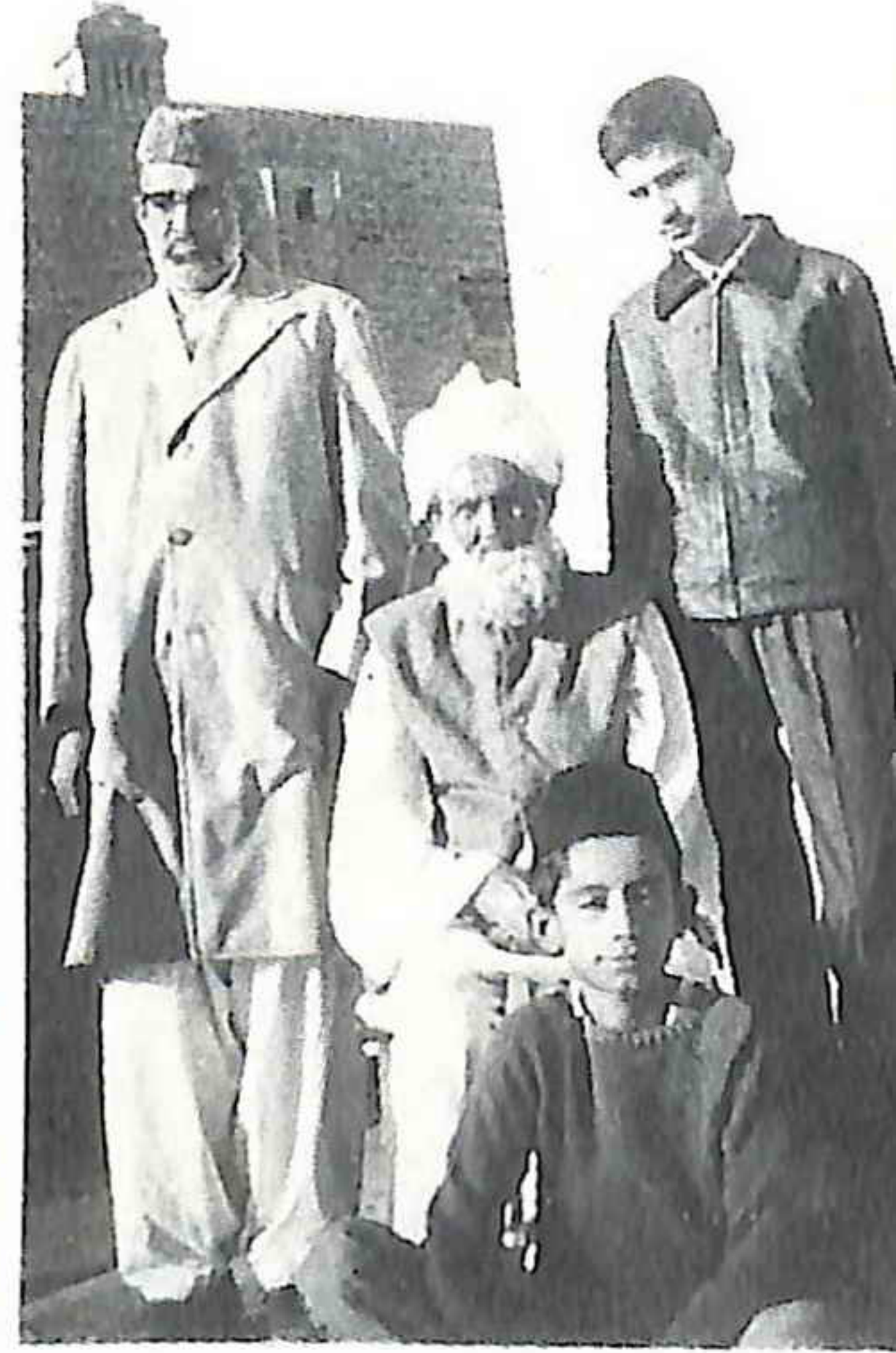
ئیں سے دائیں) حضرت ملک صاحب، آپ کے
الد بزرگوار حضرت قاضی دوست محمد صاحب
و ملک صاحب کے بیٹے ملک مجیب الرحمٰن صاحب
نیچے بیٹھے) مکرم ہشام قمر صاحب۔

صد سالہ جشنِ تشکر کے جلسہ سالانہ لندن کے موقع کی یادگار تصویر

ذَهَبَ الَّذِيْنَ اُحِبُّهُمْ

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

(مکرم پیر صلاح الدین صاحب مرحوم)

ملک صاحب کی وفات ایک قومی نقصان ہے جس کی بظاہر تلافی نظر نہیں آتی اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ لوگوں کو صبر کی توفیق دے۔

میں نے جماعت کے دو علماء سے بہت استفادہ کیا ہے جلیل صاحب اور ملک صاحب۔ ملک صاحب نے میرا قرآن مجید اردو کا ترجمہ لفظاً لفظاً دیکھا اور اس میں فقہی مسائل اور گرامر کی کئی غلطیاں درست کیں۔

میں نے ان جیسا شفیق استاد ساری عمر نہیں دیکھا' تکبر اور بناوٹ جو اکثر علم کے ساتھ آ جاتی ہے کا ان میں نام تک نہ تھا وہ گرامر میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور ہماری جماعت میں ان کے پلہ کا کوئی دوسرا عالم نہیں تھا۔ بلکہ مجھے تو انکے قریب بھی کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ لغت قرآن کی تصنیف کا کام کر رہا تھا کہ حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ اگر کوئی مشکل پیش آئے تو ان کو لکھوں۔

افعالِ تعجب کے متعلق مجھے وضاحت نہیں تھی۔ ملک صاحب اس کو مجرد لیتے تھے بعض علماؒ اس کی شکل کی وجہ سے اسکو افعل سے لیتے ہیں پروفیسر لین نے بھی اس کو افعل کے ماتحت ہی بیان کیا ہے علماؒ نے اس بارہ میں مجھے گزشتہ حوالہ جات بھی بھیجے۔ میں نے حضرت صاحب کو خط لکھا حضرت صاحب نے میرا خط ملک صاحب کو بھیج دیا ملک صاحب نے اس پر کئی صفحات کا نوٹ لکھا جو حضرت صاحب نے مجھے بھیج دیا۔ میں سمجھتا ہوں اس نوٹ کے بعد ملک صاحب کی ڈیوٹی ختم ہوگئی تھی۔ لیکن ملک صاحب اس کے بعد تین چار مرتبہ میرے پاس آئے اور گھنٹہ گھنٹہ بھر مجھے سمجھاتے رہے۔ حتیٰ کہ میرے جیسا کودن طالب علم بھی سمجھ گیا کہ آپ کی بات درست ہے۔

لغت میں جب میں جزیہ کے متعلق لکھنے لگا تو مجھے بہت مشکل پیش آئی۔ میں نے ملک صاحب کو لکھا۔ آپ نے بڑا واضح اور مدلل جواب دیا جو غیر احمدی علماؒ کے موقف سے بالکل مختلف تھا۔ میں نے لغت میں جو نوٹ لکھا اگرچہ بنیادی طور پر وہی تھا جسکی طرف ملک صاحب نے میری راہنمائی کی۔ لیکن اس سے کچھ مختلف تھا۔ میں نے اس کا ترجمہ ملک صاحب کو بھیجا آپ نے لکھا کہ آپکا نظریہ قرآن کے زیادہ مطابق ہے۔ سبحان اللہ کہاں اتنا بڑا فقیہ اور کہاں ایک کچی جماعت کا طالب علم لیکن آپ نے کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔

میں نے یہ خوبی مولانا محمد احمد صاحب جلیل میں بھی دیکھی ہے۔ انگریزی کے معاملہ میں میں نے پروفیسر حمید مرحوم سے بہت استفادہ کیا ہے ان میں بھی یہ خوبی پائی جاتی تھی۔ لیکن ایک بہت مشہور مفسر قرآن کو جب میں نے لکھا کہ اوی کا ترجمہ آپ نے "الگ لے گیا" کیا ہے اسکی کیا سند ہے۔ تو انہوں نے ایسا متکبرانہ جواب دیا کہ اسکے بعد میں نے انکو خط لکھنا بند کر دیا۔ ملک صاحب کے پاس بیٹھ کر مجھے ایک

روحانی خوشی محسوس ہوتی تھی وہ استاد ہی نہیں ایک مشفق دوست بھی تھے۔ میں نے ان میں خود غرضی، تکبر اور نمائش کا کوئی پہلو نہیں دیکھا۔ مجھے ان کی وفات کا غم اپنے والد کی وفات کے غم کی طرح ہوا ہے۔

میں نے قرآن والد صاحب سے جلیل صاحب اور ملک صاحب سے پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں کو جزائے خیر دے۔ میرے نزدیک مشفق استاد کا درجہ باپ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اگرچہ میری زندگی کا بیشتر وقت تو میرے کمرے ہی میں گزرتا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ دنیا خالی خالی سی ہوگئی ہے۔

جنکو میں جانتا ہوں اور جن سے میں محبت کرتا ہوں ادھر کی نسبت ادھر انکی بہت کثرت ہوگئی ہے۔ اور میں جمہوریت پسند طبیعت رکھتا ہوں۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

ذَهَبَ الَّذِيْنَ اُحِبُّ هُمُ
فَبَقِيْتُ مِثْلَ السَّيْفِ فَرْدًا

کہ وہ لوگ جن سے میں محبت کرتا تھا وہ تو چلے گئے اور میں اس تلوار کی طرح رہ گیا جو اکیلی میان میں رہ جاتی ہے
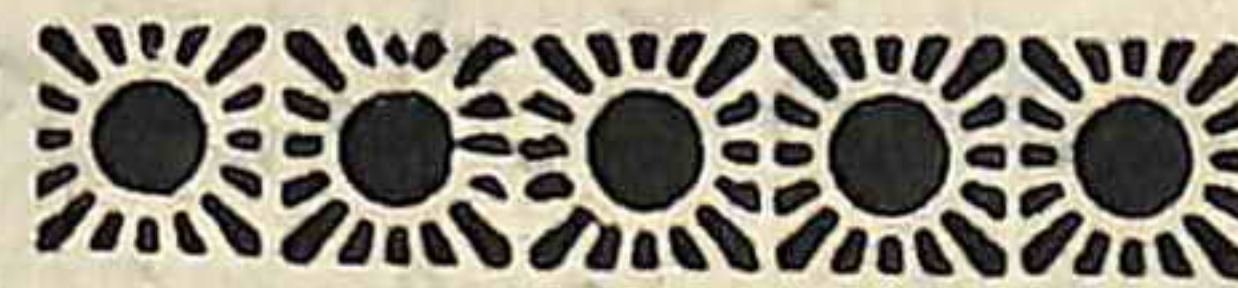
سراپا شفقت

(مکرم صاحبزادہ مرزا عبد الصمد احمد صاحب)
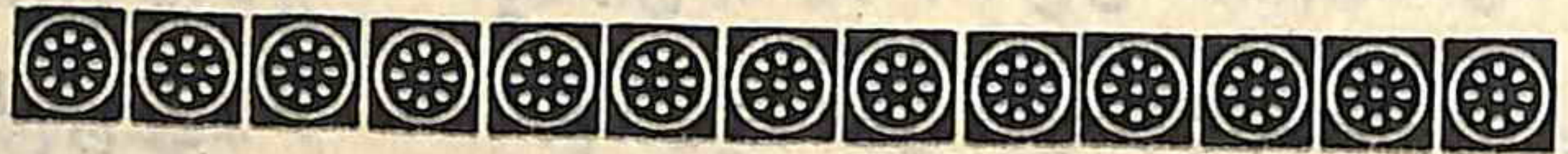
استاذی المکرم حضرت ملک سیف الرحمان صاحب جن کی شاگردی پر ہر طالب علم کو فخر ہے۔ میں بھی ان خوش قسمت افراد میں سے ہوں جن کو حضرت ملک صاحب سے فقہ اور حدیث پڑھنے کا اعزاز حاصل ہے۔ حضرت ملک صاحب سے واقفیت تو بچپن سے ہی تھی۔ ان کے منجھلے صاحبزادے ہشام قمر صاحب سکول کے میرے ساتھی تھے اور ملک صاحب کی اہلیہ صاحبہ خاکسار کی سکول کی ابتدائی کلاسوں میں استانی تھیں۔ اس طرح حضرت ملک صاحب سے بہت قریب کا تعلق رہا۔ لیکن جب جامعہ میں داخل ہونے کے بعد حضرت ملک صاحب سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا تو ہمیشہ یہ احساس رہا کہ آپ صرف استاد ہی نہیں بلکہ ہر طالب علم سے اتنے گہرے تعلقات ہیں کہ بہترین دوست ہیں اور شاگردوں سے اتنے شفیق کہ باپ کی سی شفقت۔ مجھے یاد ہے کہ جامعہ احمدیہ میں داخل ہونے کے چند دن بعد حضرت ملک صاحب نے فرمایا کہ جب بھی تمہیں کوئی تکلیف ہو یا کوئی مسئلہ ہو یا پڑھائی میں مشکل ہو تو بلا جھجک میرے پاس آنا اور مجھے یاد ہے کہ پھر میں تو ہمیشہ ہی حضرت ملک صاحب کے پاس بلا جھجک اپنے مسائل کم، دوستوں کے مسائل زیادہ لے کر چلا جایا کرتا تھا اور کبھی بھی ملک صاحب نے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ ہمیشہ بات سنتے اور راہنمائی فرماتے تھے۔

پہلی دفعہ میں اپنے ایک دوست کی سفارش کرنے گیا جو مجھ سے ایک سال پہلے داخل ہوا تھا مگر پہلے سال میں فیل ہو گیا تھا۔ انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ یہ چل نہیں سکتے اس لئے ان کو فارغ کر دیا جائے۔ وہ دوست بہت پریشان تھے۔ میں نے کہا ایک ہی راستہ ہے حضرت ملک صاحب کے پاس جاتے ہیں۔ ایک سمیسٹر کی مہلت لے لیتے ہیں۔ چنانچہ ڈرتے ڈرتے خاکسار جب حضرت ملک صاحب کے پاس گیا تو بات سن کر ہنسے اور فرمانے لگے بہت مشکل میں ڈال دیا ہے۔ چند دن بعد معلوم ہوا کہ اس کو ایک سمیسٹر کے لئے بیٹھنے کی اجازت مل گئی ہے اور پھر اللہ کے فضل سے وہ دوست محنت کر کے ہر سال پاس ہوتے گئے اور مربی سلسلہ بن گئے۔

حضرت ملک صاحب ڈسپلن کے بہت قائل تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر ہوتی تھی۔ ہر طالب علم کو ہر جہت سے Perfect دیکھنا چاہتے تھے۔ باوجود بڑی عمر کے ہر روز

باقاعدہ اسمبلی میں تشریف لاتے اور جب طلباء اسمبلی سے فارغ ہو کر کلاس میں جارہے ہوتے تو ہر ایک کو ایک نظر میں ایسا دیکھتے کہ وہ بھی سمجھ نہ پاتا کہ کیا کمی رہ گئی ہے۔ کسی کو یہ اشارہ کرتے کہ تسمے درست نہیں۔ بوٹ پالش صحیح نہیں۔ قمیض کا کالر مڑا ہوا ہے۔ کف کا بٹن ٹوٹا ہوا ہے۔ اتنی تیزی سے ہر طالب علم کو دیکھ کر توجہ دلا رہے ہوتے تھے۔

اگر کسی کلاس میں شور ہو رہا ہوتا یا طلباء باہر جارہے ہوں تو پھر بہت سختی ہوتی تھی مگر یہ سختی بھی بہت مؤثر ہوتی تھی کہ ہر ایک کو پورا پورا احساس ہوتا تھا کہ واقعی غلطی کی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ہم تو ڈانٹ کے بعد بھول جاتے اور ایک دو دن بعد پھر کوئی نہ کوئی شرارت ہوتی تھی۔ مگر حضرت ملک صاحب کی شفقت اتنی تھی کہ مجھے یاد نہیں کہ کبھی بھی ایسا وقت آیا ہو کہ ادھر انہوں نے طلباء پر ناراضگی کا اظہار کیا اور ادھر حضرت ملک صاحب نے کسی رنگ میں اس کی دلجوئی نہ کی ہو۔ ضرور ایسا ہوتا تھا کہ اگر انفرادی ہو تب بھی اور اگر اجتماعی ناراضگی کا اظہار ہو تب بھی حضرت ملک صاحب بعد میں بلا کر کسی نہ کسی رنگ میں دلجوئی کرتے۔ کبھی چائے پلا کر کبھی دودھ لسی پلا کر۔

جامعہ احمدیہ کی پڑھائی کے دوران کورس کا حصہ ایک یہ بھی تھا کہ پیدل سفر جو ایک بہت سخت ٹریننگ تھی کیا جائے۔ ہماری کلاس کا سفر ربوہ سے سرگودھا پھر سرگودھا سے خوشاب اور پھر خوشاب سے سرگودھا اور ربوہ کا تھا۔ گویا یہ تقریباً ۱۸۰ کلو میٹر کا سفر تھا جو چار دن میں کرنا تھا۔ اس سفر کی شرائط میں یہ بھی تھا کہ کھانا وہی ہو گا جو ساتھ لے جایا جائے گا۔ راستہ میں خرید کر یا مانگ کر کھانا منع تھا۔ نہ ہی انتظامیہ کی طرف سے ملنے کا امکان تھا۔ دوسرے دن سب کا کھانا تقریباً ختم ہو گیا۔ سوائے بسکٹ یا چنے وغیرہ کے۔ حضرت ملک صاحب جب دوسرے دن ہمیں دیکھنے خوشاب آئے تو ہم سب نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح رات کو تازہ کھانا مل جائے مگر ملک صاحب نے سب کی بات کو رد کر دیا کہ نہیں یہ کورس ہے۔ مشقت برداشت کرو اور ہم تھے جو مسلسل حضرت ملک صاحب کے پیچھے پڑے رہے کہ آدھی روٹی سالن کے ساتھ کی منظوری دے دیں۔ پھر جاتے جاتے ملک صاحب نے ایک روٹی اور تھوڑا سا سالن کی منظوری دے دی۔

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ حضرت ملک صاحب کا اپنے شاگردوں کے ساتھ شفیق باپ کی طرح تعلق تھا۔ انفرادی طور پر ہر طالب علم کے حالات پر گہری نظر ہوتی۔ ایسے طلباء جن کو مالی مشکلات ہوتی تھیں خاموشی سے ان کی مدد کرتے اور مدد بھی ایسی کہ اس طالب علم کی ضرورت پوری ہو جاتی۔ مجھے تب یہ معلوم ہوا جب ایک دوست کے بارہ میں خاکسار نے حضرت ملک صاحب سے عرض کیا کہ اس کو مالی تنگی کی بہت پریشانی ہے اور ملک صاحب کو اس بات کا علم نہ تھا۔۔ پھر میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ دوست کی طرف سے کبھی ایسی پریشانی کا اظہار نہیں ہوا اور وہ ہمیشہ خوش ہی نظر آتا تھا۔

حضرت ملک صاحب اپنے بچپن کے واقعات اکثر سنایا کرتے تھے اور پھر احمدیت قبول کرنے کے واقعات سناتے۔ ایک دفعہ خاکسار نے عرض کیا کہ آپ کا زمانہ طالب علمی تو کھیل کود میں گزرا اور اب اللہ کے فضل سے آپ مفتی سلسلہ ہیں تو فرمانے لگے سب حضرت مصلح موعود کے احسانات ہیں اور رو پڑے اور کہنے لگے کہ میں کچھ نہ تھا' نہ ہوں۔ حضرت مصلح موعود نے مجھ پر محنت کی۔ آپ نے مجھے کبھی ایک مدرسہ کبھی دوسرے مدرسہ سے پڑھوایا اور خدا کا فضل ہے جو آج مجھے

عزت احمدیت میں ہے وہ دوسری زندگی میں کہاں۔

سیر و تفریح کے بھی بہت شوقین تھے۔ جن کا تعلق ملک صاحب سے قریب کا نہ تھا ان کو تو واقعی حیرانگی ہوگی کہ خاموش طبیعت کے بزرگ انسان مفتی سلسلہ یہ تو ہر وقت پڑھنے پڑھانے والے ان کی دلچسپی تو تدریس تک ہی ہوگی۔ حالانکہ حضرت ملک صاحب تفریح کے بہت قائل تھے اور مہینہ میں ایک بار ضرور پکنک کا پروگرام ہوتا۔ اکثر تو چاندنی رات میں دریا پر جاتے اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے حضرت ملک صاحب کے ساتھ بہت سی پکنک کیں۔ ایسی پکنک میں حضرت ملک صاحب اپنا حصہ ضرور ڈالتے تھے کہ اگر رقم اکٹھی کر رہے ہو تو میرے حصہ کی کتنی رقم اگر ہر فرد کھانے کی کوئی چیز لا رہا ہے تو میں کیا لاؤں اور اس میں بہت شوق سے حصہ لیتے تھے۔

آخری بات یہ کہ حضرت ملک صاحب خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت عزت کرتے تھے۔ مجھے اب بھی وہ نظارہ یاد ہے جب خاکسار نے حضرت ملک صاحب سے کہا کہ میں جب بھی آپ کے پاس آتا ہوں آپ کھڑے ہو جاتے ہیں اور مجھے شرمندگی ہوتی ہے تو فرمانے لگے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے نسبت ہے کیوں نہ کھڑا ہوں اور خاکسار ہر بار یہی کہتا کہ میری کیا حیثیت ہے آپ نہ کھڑا ہوا کریں مگر ہر بار یہی جواب دیتے۔

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ حضرت ملک صاحب کی شاگردی کے ساتھ ساتھ خاکسار ان کی اہلیہ کا بھی شاگرد ہے۔ سکول کی ابتدائی تعلیم ان سے حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وہ دِل کہ جو شفقت و اُلفت تھا سراپا

****

(مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب سجّاد)
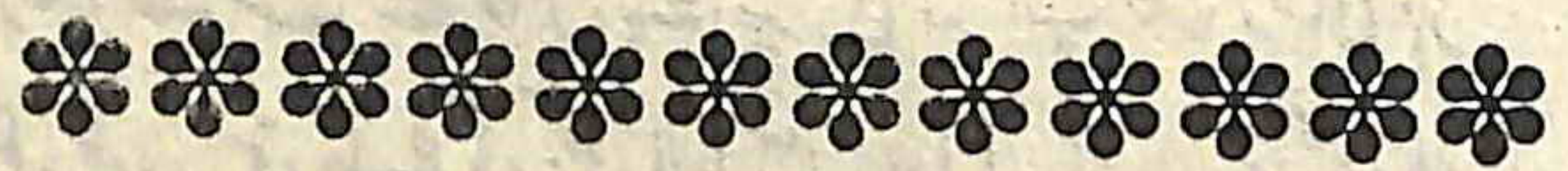
زندگی میں انسان کو بعض ایسے وجودوں سے واسطہ پڑتا ہے جو اپنے نہ ہونے کے باوجود اتنے اپنے ہو جاتے ہیں کہ ان کی یاد کئی اپنوں کی یاد پر حاوی ہو جاتی ہے۔ حضرت ملک صاحب بھی ایک ایسے حسین و دلکش شخصیت کے مالک اور اتنے اپنے تھے کہ بسا اوقات والدین اور حضرت ملک صاحب کی شفقتوں کے مابین موازنہ کے وقت پلڑا حضرت ملک صاحب کی جانب جھک جاتا تھا اور اب بھی جھک جاتا ہے۔ حلیم و بردبار، متواضع، باوقار، دل و دماغ کو موہ لینے والے، اگرچہ ان سے تفصیلی ملاقات نہ بھی ہو ہر ایک کو اتنے اپنے لگنے والے کہ ہر ایک گمان کرے کہ صرف مجھے ہی چاہتے ہیں۔ استاد مگر محض سبق پڑھانے والے نہیں بلکہ مشفق باپ کی طرح ہر طالب علم کی ہر پہلو سے بھلائی چاہنے والے اپنے طلباء کی ترقی کو دیکھ کر خوش ہونے والے بلکہ مزید ترقیات کی دعا دینے والے اسی طرح جسطرح باپ اپنے بیٹے کو پھلتا پھولتا دیکھ کر اپنے اندر ایک خاص جذبہ سکون و اطمینان کا پاتا ہے۔ ؎

خون جو میرا بڑھے تم ترقی کرو

والی بات تھی۔ یہ آخر اکتوبر ۱۹۷۷ء کی بات ہے انصار اللہ مرکزیہ کا سالانہ اجتماع احاطہ دفتر انصار اللہ ربوہ میں ہو رہا تھا۔ یہیں پر اپنے والد صاحب کے ہمراہ حضرت ملک صاحب کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ میں جامعہ میں داخلہ کی غرض سے آیا تھا۔ داخلہ ایک لحاظ سے مکمل ہو چکا تھا۔ مگر آپ نے والد صاحب سے فرمایا کہ آپ اب جائیں اب ہم خود ان کو سنبھال لیں گے اور واقعی جب تک آپ جامعہ میں رہے (یعنی مئی ۱۹۸۴ء تک) آپ نے اپنے بچوں کی طرح قدم قدم اپنے اس عہد کا ایفا کیا۔

جامعہ میں داخلہ کے بعد ابتداء سے آخر تک ایک بات جو مسلسل دیکھی وہ آپ کے اندر بے تکلفی اور وقار کا ایک عجیب امتزاج تھا۔ طلبہ میں آپ کا غیر معمولی احترام تھا اسی احترام کے نتیجہ میں ہر ایک پر آپ کا ایک خاص قسم کا

رعب تھا جو کہ دبدبہ یا سخت گیری کے نتیجہ میں ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ بزرگی' تقویٰ شخصیت کی جاذبیت' شفقت اور دلی خلوص اور آپ کی دعائیں اسکا اصل سبب تھیں۔ آپ کے وقار اور طبیعت کے ایک خاص قسم کے ٹھہراؤ کے باوجود آپ کے اندر ایک ان دیکھی کشش تھی جو ہر ایک کو کھینچ کر آپ کے قریب کر دیتی تھی۔ کبھی کوئی پیریڈ فارغ ہوتا یا کوئی استاد کسی مصروفیت کی وجہ سے چند منٹ تاخیر کرتا تو سردیوں کے موسم میں طلبہ کلاس سے نکل کر باہر برآمدے میں دھوپ میں کھڑے ہو جاتے تھے اس اثناء میں جب ملک صاحب حسب معمول راؤنڈ پر آتے تو بڑی کلاسوں کے طلبہ بھی تیزی سے کلاس میں جاکر اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ جاتے۔ لیکن اس کے پیچھے ملک صاحب کی دہشت یا خوف نہیں تھا بلکہ جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں آپکے احترام کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا ایک خاص قسم کا رعب تھا جو بعض اوقات موقع سے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کو باندھے رکھتا تھا۔ سب سے خاص بات یہ تھی کہ آپ تک رسائی ہر ایک کے لئے بہت آسان تھی۔ سب کو یقین ہوتا تھا کہ اسکی ضرور سنی جائے گی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کسی کی بات سنے بغیر اس کے متعلق کوئی فیصلہ کر دیا ہو۔ اگر کسی کے متعلق کوئی شکایت ہوتی تو اسے وضاحت کرنے کا' اپنا موقف پیش کرنے کا پورا موقعہ دیتے۔

وسعت حوصلہ ایسا کہ آپ کے پے در پے احسانات کے باوجود اگر کوئی ناسمجھی اور نالائقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

خلاف احترام بات کر دیتا تو بھی آپ کی نوازشات پر سکون بہتے سمندر کی طرح پہلے کی طرح جاری رہتیں اور آپ کا یہ حسن سلوک اسے مسخر کر کے چھوڑتا۔

اگر تربیت کے لئے سزا دینا لازمی ہو جاتا تو سزا بھی دیتے مگر واضح نظر آتا کہ اس سے زیادہ خود سزا اور اذیت کاٹ رہے ہیں۔ اور سزا کے بعد آپ کی نوازشات بے پایاں پیار اور محبت کے ساتھ ٹھنڈی پھوہار کی طرح برستیں' صاف محسوس ہوتا کہ آپ اس فرد سے ہرگز ناراض نہیں بلکہ اس کی غلطی سے ناراض تھے۔

ایک مرتبہ ہماری کلاس کی کمزور تعلیمی حالت کی بناء پر فیصلہ کیا کہ ہم عید قربان (جو چند دن بعد آنے والی تھی) کی رخصتوں پر گھر نہیں جائیں گے بلکہ یہیں رہ کر پڑھیں گے فیصلہ کر کے پھر پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ ہم نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح رخصت دے دیں مگر ناں ہاں میں نہ بدلی۔ آخر فرمایا کہ اچھا عید کے دن فجر کی نماز کے بعد سے لے کر عشاء کی نماز سے قبل تک رخصت ہے۔ ان تمام دنوں میں باقاعدہ استاد ہمیں تشریف لا کر پڑھاتے رہے اور آپ باقاعدہ نگرانی رکھتے تھے مگر بعد میں دو دفعہ ہماری کلاس کی بھرپور دعوت کی اور اس کے علاوہ ایک بڑی رقم بھی دی کہ پکنک کر لیں۔

آپ نے کبھی بھی اپنی ذاتی پسند یا ناپسند کو قانون قرار نہیں دیا۔ بلکہ طبیعت اور ذہن کی فراخی ہر دوسرے کی جائز رائے یا طرز عمل کی متحمل تھی۔ اساتذہ تو الگ رہے طلبہ پر بھی اپنی مرضی ٹھونستے نہ تھے۔ ہاں ایک خاص انداز میں

اپنی خواہش اور خوشی کا اظہار فرما دیا کرتے تھے اور آپ کا یہ انداز حکم سے زیادہ اثر رکھتا تھا۔

تعسف آپ کے مزاج کے بالکل خلاف تھا یعنی کسی عبارت یا لفظ سے بغیر کسی قوی دلیل کے کوئی معنی کھینچ تان کر نہ بناتے تھے نہ ایسا کرنے دیتے تھے۔

طلبہ کی خوشی میں خوش ہونا آپ کا ایک امتیاز تھا۔ علاوہ جامعہ کی اجتماعی پکنک کے اگر کچھ طلبہ ذاتی طور پر پکنک کا پروگرام بناتے اور آپ سے شمولیت کی درخواست کرتے تو آپ قبول فرما لیا کرتے تھے طلبہ کے ساتھ مل جل کر رہتے۔ ہلکی پھلکی گفتگو اور لطائف سے محظوظ کرتے۔ مگر ہر بات میں تربیت کا پہلو ہمیشہ غالب رہتا تھا۔ اجتماعی پکنک پر بھی صبح سے اختتام تک خود موجود رہتے اور ہر ایک طالب علم کا بغور جائزہ لیتے رہتے اور اگر مزاحیہ پروگرام میں کوئی ایسی بات آ جاتی جسے نامناسب خیال فرماتے تو فوراً روک کر ٹوک دیتے۔ طلبہ اپنی بعض مشکلات یا ضروریات کے سلسلہ میں یا ویسے ہی آپ سے ملنے کے لئے بلا تکلف آپ کے گھر چلے جاتے تھے۔

جن سے زیادہ پیار تھا ان کی تربیت سے بھی غافل نہ ہوتے۔ تربیت کرنے کا ایک انداز یہ تھا کہ بعض اوقات ایسے طلبہ کو کچھ رقم دیتے جن کو ضرورت نہ ہوتی یا جو خود مالی لحاظ سے فراخی رکھنے والے ہوتے اور پھر مسلسل گہری نظر سے جائزہ لیتے رہتے کہ وہ اس رقم کو کس مصرف میں لاتا ہے۔

تربیت کا ایک اور انداز ملاحظہ ہو۔ ایک مرتبہ خاکسار کو بلاوا آیا۔ حاضر ہوا تو کچھ رقم دے کر فرمایا کہ مغرب کی اذان ہونے والی ہے جلدی سے بازار سے کچھ پھل لے کر جاؤ اور جامعہ کی ٹک شاپ پر خالد محمود سدھو صاحب کو دے آؤ۔ اس نے افطاری کرنی ہے۔ میں نے حکم کی تعمیل کر دی دو تین دن کے بعد پھر بلایا اور فرمایا کہ میں نے آپ کو رقم دے کر بھیجا تھا وہ کیا کی؟ میں نے عرض کیا تعمیل ارشاد کر دی تھی۔ فرمایا یہ کافی نہیں کام کرنے کے بعد اور خصوصاً اخراجات وغیرہ کے سلسلہ میں مکمل رپورٹ لازماً دینی چاہیے۔

آپ کو طلبہ کی پریشانیوں اور ضروریات کا نجانے کہاں سے اور کیسے علم ہو جاتا تھا۔ حالانکہ یہ بات بھی نہ تھی کہ طلبہ نے کسی سے اپنی ضرورت کا اظہار کیا ہو اور اسکے ذریعہ سے بات آپ تک پہنچ جاتی ہو۔ ہمارے ایک دوست نے بتایا کہ ابھی وہ جامعہ میں نئے نئے داخل ہوئے تھے کسی سے کوئی واقفیت بھی نہ تھی ۔ انہیں ایک بڑی رقم کی شدید ضرورت پڑ گئی بڑی پریشانی ہوئی خدا کے سوا کسی سے کچھ کہا بھی نہیں۔ ہوسٹل میں رات کو کلاس کے چند طلبہ اجازت لے کر ایک دوسرے طالب علم کے کمرے میں اکٹھے ہو کر پڑھا کرتے تھے۔ خلاف معمول ملک صاحب رات کو ہوسٹل کے راؤنڈ پر تشریف لے آئے اور ہر کمرہ میں گئے اس وقت اس طالب علم کے کمرہ میں بھی گئے۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا کیوں کہ وہ ایک دوسرے کمرہ میں پڑھ رہے تھے انہوں نے گرمی کی وجہ سے قمیض اتار کر کرسی کی پشت پر لٹکائی ہوئی تھی۔ وہ دوست بیان کرتے ہیں کہ جب میں پڑھ کر واپس آیا تو قمیض کچھ مختلف طرح سے کرسی کی پشت پر پڑی تھی

اور پھر نظر قمیض کی جیب پر پڑی تو اس میں کچھ رقم تھی نکال کر دیکھا تو بعینہ اتنی رقم ڈالی گئی تھی جتنی کہ اسے ضرورت تھی۔ یقیناً کوئی غیر مادی ذریعہ ہی تھا ملک صاحب کے علم کا۔

ایک مرتبہ خاکسار رمضان میں جو کہ گرمیوں کی چھٹیوں میں آیا تھا ربوہ آگیا کہ چند ایام رمضان کے مرکز سلسلہ میں گزارے جائیں۔ محترم ملک صاحب نے میرے ذمہ ایک کام لگا دیا کہ خلافت لائبریری جاکر حوالہ جات تلاش کیا کروں۔ روزانہ جتنا کام کرلیتا آپ کو دکھا دیتا۔ اس دوران غیر متوقع طور پر میری جیب بالکل خالی ہوگئی حتی کہ واپس گھر جانے کا کرایہ بھی نہ بچا اور سحری افطاری پر کچھ خرچ تو بہر حال ہونا تھا۔ اپنی اسی پریشانی کے حل کے متعلق سوچتے ہوئے خلافت لائبریری سے واپس آرہا تھا کہ جامعہ کے عقب میں ریلوے لائن کے ساتھ (جہاں اب سبزی وغیرہ کی بہت سی دکانیں ہیں) کچے راستہ پر آرہا تھا کہ سامنے سے محترم ملک صاحب سائیکل پر آتے نظر آئے۔ شدید گرمی تھی۔ ایک درخت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہاں سایہ میں آجاؤ سائیکل سے اترے اور جیب سے ڈاک کا پرانا لفافہ نکالا اس میں ایک بڑی رقم تھی نکال کر ساری مجھ دے دی اور فرمایا تم کام کر رہے ہو یہ تمہارا انعام ہے۔ افطاری وغیرہ کر لیا کرو۔

آپ کو اپنے تمام طلبہ کا تفصیلی تعارف ہوتا تھا یعنی کس گھرانہ سے تعلق ہے والدین، بہن بھائی کتنے ہیں کیا کرتے ہیں وغیرہ مالی اخلاقی حالات کیسے ہیں اس کے خاندان میں اور کوئی معروف فرد وغیرہ وغیرہ' اور ہر ایک سے اس کے مزاج اور حالات کے موافق Deal فرماتے۔

اگر کوئی اپنی تکلیف یا پریشانی کا ذکر کرتا تو نہایت محبت اور پوری توجہ سے بات سنتے اور نہ صرف بہترین مشورہ سے نوازتے جس سے دل مطمئن ہو جاتا بلکہ اس کی تکلیف کے ازالہ کے لئے سراً و جہراً حتی الامکان کوشش فرماتے۔

بڑی باقاعدگی کے ساتھ صبح اسمبلی کے وقت جامعہ تشریف لے آتے حاضری و تلاوت کے بعد جب طلبہ قطاروں میں کلاسوں کی طرف جاتے تو ہر طالب علم کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیتے۔ اگر یونیفارم نہ پہنا ہوتا کپڑے گندے ہوتے کوئی بٹن ٹوٹا ہوتا کسی جگہ کپڑوں کی سلائی ادھڑی ہوتی بوٹ نہ پہنے ہوتے جوتے پالش نہ ہوتے تو قطار سے نکال کر تنبیہہ کرتے اور بعض اوقات اسی وقت ہوسٹل بھیج دیتے کہ اس کی درستی کرکے آؤ۔ یا اگر کسی کو پریشان دیکھتے تو دفتر بلا لیتے اور ایسی محبت اور اپنائیت سے سبب پوچھتے کہ بتائے بنا نہ بنتی۔ سر پر ٹوپی پہننے اور داڑھی رکھنے کی تلقین فرماتے مگر اس میں کوئی تلخی یا نامناسب شدت نہ ہوتی بلکہ نرم نصیحت ہوتی آپ کی نصیحت نے کبھی کسی کی عزت نفس کو مجروح نہیں کیا تھا خواہ اجتماعی نصیحت فرما رہے ہوں یا کسی کو الگ بلا کر انفرادی طور پر سمجھا رہے ہوں۔

بعض اوقات مقررہ استاد کے نہ آنے پر کلاس میں تشریف لے آتے اور کبھی بزرگوں کے اور کبھی اپنے پرانے

حالات سناتے اور کبھی سوالات بھی کرتے۔ ایک ایسے ہی موقع پر ہماری کلاس میں تشریف لے آئے اور ایک سوال پوچھا۔ پہلے طالب علم نے جواب دیا تو فرمایا کھڑے رہو اس کے بعد ہر طالب علم نے اس سے برعکس جواب دیا تو ان سب کو بھی کھڑا کرتے گئے۔ آخر میں فرمایا پہلے طالب علم کا جواب درست تھا میں تم لوگوں کو پرکھ رہا تھا کے اپنی سوچ سے جواب دیتے ہو کہ نہیں۔

آپ کی ایک یہ بھی عادت تھی کہ مثالوں یا بجھارتوں کی صورت میں نصیحت فرماتے تھے ایک ایسے ہی موقعہ پر ہماری کلاس میں تشریف لے آئے اور فرمانے لگے ایک بات کا سبب بتائیں میں نے ایک نیا ٹب خریدا ہے۔ اس میں سے کسی جگہ سے پانی نہیں رستا نلکے کی ٹونٹی سے ربر کا پائپ لگا کر ٹب میں ڈال رکھا ہے دو تین مرتبہ ایسا ہوا کہ پانی آیا' ٹب بھرا تو ٹب سے بغیر کسی استعمال کے پانی غائب ہے۔ بتائیں سبب کیا ہے؟ ہم نے کافی مغزماری کی مگر نہ بوجھ سکے آخر فرمانے لگے کہ اصل وجہ یہ ہے کہ گھر سے باہر پائپ نسبتاً نیچا ہے اور جب پیچھے سے پانی کی سپلائی ختم ہو جاتی ہے ۔ تو باتھ روم کے نسبتاً بلند ہونے کی وجہ سے ٹونٹی سے لٹکے ہوئے ربڑ کے پائپ کے ذریعہ پانی واپس چلا جاتا ہے۔ اور ٹب خالی ہو جاتا ہے۔ پھر اس بات کو محض ایک پہیلی کے طور پر یہیں ختم نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ اس طرح انسان کی حالت ہے کہ بعض اوقات اسے اپنے پوشیدہ رخنے نظر نہیں آتے یا ان کی طرف توجہ نہیں جاتی مگر وہ اسکی استعدادوں اور طاقتوں کو بظاہر نظر نہ آنے والے طریقوں سے ضائع کر دیتے ہیں اس لئے اپنا باریک نظر سے محاسبہ کرتے رہا کرو۔ یقیناً بہتوں کے لئے آپ کی یہ نصیحت کارآمد ہوئی اور بہتوں کے لئے ہمیشہ کارآمد رہے گی۔

لیکن آپکی ان تمام محبتوں' عنایتوں' شفقتوں اور لاڈ پیار کے ساتھ ساتھ یہ بات اٹل تھی کہ آپ قواعد کے معاملہ میں رعایت نہ فرماتے تھے مثلاً قواعد کے مطابق ضروری تھا کہ ربوہ سے باہر جانے کی رخصت لینے کیلئے طالب علم کو اپنی درخواست پرنسپل صاحب کو پیش کرنے سے قبل تربیتی گروپ کے نگران اور سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل کی سفارش کرانی ہوتی تھی لیکن خواہ طالب علم آپکا کتنا ہی لاڈلا ہوتا قاعدہ کی پابندی ضرور کراتے براہ راست رخصت نہ دیتے تھے۔

بہرحال آپ تو چلے گئے مگر آپ کی یادیں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گی ہمارے لئے سرمایہ حیات رہیں گی۔ ہمیں وقف زندگی کی نازک گزرگاہ پر چلتے ہوئے سہارا دیتی رہیں گی گو ہماری آنکھیں آپ کو دیکھنے سے محروم ہو گئی ہیں مگر ہمارے دل ہر لحظہ آپ کو دیکھ سکتے ہیں۔ آپ سے گفتگو کر سکتے ہیں' راہنمائی لے سکتے ہیں آپ کی محبتوں کی شیرینی اور چاشنی محسوس کر سکتے ہیں۔ ہاں مگر ایک چبھن کے ساتھ طبیعت میں ایک گداز اور ناقابل بیان احساس کے ساتھ ایک ایسے احساس کے ساتھ جسے وہ شخص محسوس نہیں کر سکتا جس نے اس بے شمار شاخوں والے شجر کے ٹھنڈے سایہ میں عافیت نہ پائی ہو اور آپ کے احسانات کا مزہ نہ چکھا ہو۔

اے خدا!! تو حضرت ملک صاحب کو ان کے احسانات اور عنایات کا خود اجر دے۔ ہم تو جس طرح والدین کی

شفقتوں کا اجر دینا تو کجا ان کا احاطہ بھی نہیں کر سکتے۔ اسیطرح حضرت ملک صاحب کی محبتوں اور احسانوں کا اندازہ نہیں کر سکتے اس لئے اے خدا ہم تیرے کلام اور تیرے رسول ﷺ کے کلام کی اقتداء میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا تو ہی ہماری طرف سے ان احسانوں اور عنایتوں کا اجر دے بلکہ تو خود انکا اجر ہو جا۔ آمین یا رب العالمین

☆ شکریہ

ہماری درخواست پر بہت سارے احباب نے حضرت ملک صاحب کے خطوط اور تصاویر ہمیں ارسال کیں جن سے ہم نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ان کے اسماء گرامی ہم بغرض دعا شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے آمین۔

☆ مکرمہ محترمہ امتہ الرشید شوکت صاحبہ (اہلیہ صاحبہ حضرت ملک صاحب) ☆ مکرم و محترم مجیب الرحمان صاحب ملک (حضرت ملک صاحب کے صاحبزادے) ☆ مکرم و محترم ہشام قمر ملک صاحب (حضرت ملک صاحب کے صاحبزادے) ☆ مکرمہ امتہ الحمید صاحبہ (حضرت ملک صاحب کی صاحبزادی) ☆ مکرم و محترم کریم اللہ زیروی صاحب۔ ☆ مکرم و محترم عبدالباری صاحب۔ ☆ مکرم و محترم میر غلام احمد صاحب نسیم۔ ☆ استاذی المکرم پرنسپل جامعہ احمدیہ (مکرم و محترم سید میر محمود احمد صاحب ناصر) ☆ مکرم و محترم مولانا محمد احمد صاحب جلیل۔ ☆ مکرم و محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔ ☆ مکرم و محترم حبیب الرحمان صاحب زیروی۔ ☆ مکرم و محترم جمیل الرحمان صاحب رفیق۔ ☆ مکرم و محترم عبدالماجد صاحب طاہر۔ ☆ مکرم و محترم حمید احمد خالد صاحب۔ ☆ مکرم و محترم محمد اقبال عابد صاحب۔ ☆ ۔ مکرم و محترم ارشد اقبال صاحب۔ ☆ مکرم و محترم ریاض محمود باجوہ صاحب۔ ☆ مکرم و محترم نصیر احمد انجم صاحب۔ ☆ مکرم و محترم ڈاکٹر عبدالخالق خالد صاحب۔ ☆ مکرم و محترم ظہیر احمد خان صاحب۔ ☆ مکرم و محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب طاہر۔ ☆ مکرم و محترم عبدالسمیع خان صاحب۔ ☆ مکرم و محترم نذیر احمد صاحب (کارکن جامعہ احمدیہ)

☆ اسی طرح ہم نے بہت سارے احباب کی خدمت میں حضرت ملک صاحب کی سیرت کے متعلق واقعات لکھنے کی درخواست کی تھی لیکن بہت کم احباب کے مضامین ہمیں موصول ہوئے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے ان احباب کو بھی جن کے مضامین موصول ہوئے اور ان کو بھی جن تک ہماری درخواست تو پہنچی لیکن وہ لکھ نہ سکے کیونکہ ویسے تو قوی امید ہے کہ ان احباب نے ملک صاحب کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھنے کا ضرور سوچا ہوگا۔ لیکن مصروفیت آڑے آگئی ہوگی۔ اللہ ان کو بھی ان کی نیک نیت کا اجر دے آمین۔ (مدیر خالد)

دلکش یادیں

(مکرم عبدالباری صاحب کیلگری کینیڈا)
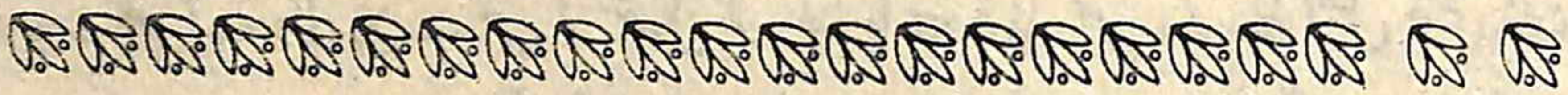
حضرت ملک صاحب نے تقریباً ساڑھے تین سال ہمارے ہاں قیام فرمایا ان کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ہر روز گھنٹوں ان سے تبادلہ خیالات کا موقع ملتا رہا اور پھر کئی سفر ان کے ساتھ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ زندگی چونکہ فانی ہے اور ہر فرد بشر نے اس جہان سے ایک دن کوچ کر جانا ہے اور اس قانون قدرت کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ ورنہ ملک صاحب کی شخصیت ایسی تھی کہ جن کو صدیاں زندہ رہنا چاہیئے تھا۔ جس کا اٹھنا بیٹھنا اور سونا جماعت کے لئے تھا۔ جس کا ہر لحہ لوگوں کی بھلائی محبت اور پیار کے لئے وقف تھا اونچے لمبے صاف گندمی رنگ کی سفید بجتی ہوئی پوری داڑھی اور کالی جناح کیپ کے ساتھ بہت بھلے معلوم دکھتے تھے۔ بولتے تو پھول کھلتے البتہ زیادہ تر خاموش رہنا پسند فرماتے۔

خاکسار کو پہلی مرتبہ غالباً ۱۹۶۴ میں حضرت ملک صاحب مرحوم سے ملاقات کرنے کا موقع ملا خاکسار تعلیم القرآن کلاس (جولائی ۱۹۶۴) میں ربوہ ایک ماہ کے لئے حاضر ہوا تھا جہاں حضرت ملک صاحب مرحوم تشریف لاتے اور پڑھا کر خاموشی سے واپس تشریف لے جاتے اس کے بعد ۱۹۶۵ اور ۱۹۶۶ میں مجھے کلاس پر جانے کا پھر موقع ملا اور حضرت ملک صاحب سے ملاقات کے مواقع ملتے رہے۔ میری ملاقات کی غرض صرف اور صرف یہ ہوتی کہ آپ سلسلہ عالیہ کے مفتی ہیں اور جماعت میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ ان جیسے بزرگوں سے ملاقات ایک ثواب کا درجہ رکھتی ہے یہ واقفیت یک طرفہ تھی یعنی خاکسار تو ان کو جانتا تھا مگر وہ مجھے قطعاً نہیں جانتے تھے۔ ۱۹۶۹ میں خاکسار ملک سے باہر ڈنمارک آگیا اور یہ ملاقات کے مواقع بھی ختم ہو گئے۔ ۱۹۷۲ کی بات ہے میرے بڑے بھائی جان چوہدری فضل قادر صاحب آف کمالیہ میرے رشتہ کے بارے میں کوشاں تھے اور میری یہ دلی خواہش تھی کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے کسی خادم کے گھر اگر رشتہ ہو جائے تو میرے لئے یہ سعادت ہوگی......

(حضرت ملک صاحب کے ہاں انکی صاحبزادی کے ساتھ) رشتہ پیش ہونے پر حضرت ملک صاحب مرحوم نے مجھے ایک تفصیلاً خط تحریر فرمایا جس میں قُولُوْا قولاً سدیدًا کو سامنے رکھتے ہوئے تمام تفصیلات لکھ بھیجیں اور مزید فرمایا کہ بعض

اوقات آدمی کی شہرت بہت ہوتی ہے مگر وہ نہیں ہوتا جو شہرت ہوتی ہے لہٰذا آپ شہرت پر نہ جائیں۔ اسی خط میں لڑکی کے بارے قد۔ جسم۔ رنگ طبیعت عادات کے بارے میں تفصیل سے لکھا اور فرمایا کہ اب استخارہ کرو اور دعا کے بعد تفصیل سے جواب دو تا بات چلائی جائے یا ختم کر دی جائے۔ الحمدللہ کہ بعد استخارہ اور انشراح بات آگے چلائی گئی۔ ۱۹۷۳ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے نکاح پڑھایا۔ نکاح کے بعد حضرت ملک صاحب مرحوم کا تفصیلاً خط آیا جس میں مبارک باد اور شادی کے سلسلہ میں بعض ہدایات لکھتے ہوئے فرمایا ایسے مواقع پر لوگ پیسے کا ضیاع کرتے ہیں اس سے بچنا چاہئے پیسہ کام آنے والی چیز ہے اس کو سنبھال کر رکھنا چاہئے فرمایا دلہن کے لئے اصل خوشی خاوند کی محبت ہوتی ہے۔ اگر وہ خوشی میسر رہے تو زیورات کسی کھاتے میں نہیں آتے۔ پیار اور محبت سے گھر جنت کا نظارہ پیش کرتا ہے۔ فرمایا تمہارا نکاح ہو گیا ہے اور تم ہونے والی بیوی کو خط لکھ سکتے ہو۔ خط و کتابت سے دونوں فریقین محظوظ ہوتے ہیں اور ملاقات بھی قائم رہتی ہے۔ پھر جلد نکاح کے بعد شادی ہو گئی اور بشریٰ (حضرت ملک صاحب کی بیٹی) کو پن ہیگن دلہن بن کر آئی۔ شادی کے بعد حضرت ملک صاحب کے خطوط باقاعدہ آتے جن کو پڑھ کر بہت لطف اندوز ہونے کا موقع ملتا۔ حضرت ملک صاحب کی تحریر بہت میٹھی تحریر ہوتی اور بیان اسقدر اچھا ہوتا ایسے لگتا کہ ایک ہار میں موتی پروئے ہوئے ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں مجھے لکھا کہ ۶۳ سال کی عمر ہو گئی ہے اصل زندگی تو اتنی ہی ہے اب جو ملے وہ تو زائد فضل ہے۔ (چونکہ آنحضرت ﷺ کی عمر ۶۳ سال تھی اس کی طرف اشارہ ہے۔)

☆ کینیڈا کا پہلا سفر

حضرت ملک صاحب مرحوم جون ۱۹۷۶ء میں مع بیگم صاحبہ اور دو بیٹوں عزیز ہشام قمر صاحب (جو اس وقت جماعت احمدیہ ایڈمنٹن کینیڈا کے صدر ہیں) اور عزیز اطہر بشیر (جو اس وقت امریکہ کی مرکزی مجلس عاملہ کے ممبر ہیں) ٹورنٹو تشریف لائے۔ اسی سال حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ٹورنٹو تشریف لائے حضرت ملک صاحب مرحوم کو دیکھ کر اظہار خوشنودی فرمایا۔ حضرت ملک صاحب مرحوم کو اس چھوٹے سے قافلہ کے ساتھ نیاگرا فال کی تہہ تک جانے کا موقع ملا اس قافلہ کی راہنمائی نیاگرا فال کے میئر کر رہے تھے۔ پھر حضرت ملک صاحب مرحوم کو حضرت خلیفہ الثالث کے ساتھ سی این ٹاور C. N. Tower پر چائے پینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

قیام ٹورنٹو میں ربوہ کی یاد بہت ستاتی بلکہ ایک خط محترم غلام باری سیف صاحب کو لکھا وہ خط انصار اللہ میں شائع ہوا اس میں فرمایا یہاں کی پکی سڑکوں اور گھاس کے میدانوں سے ہمارے پیارے ربوہ کی خاک ہزاروں درجے بہتر ہے اس میں لت پت ہونے کا بھی ایک مزہ ہے۔

☆ کینیڈا کا دوسرا سفر

جون ۱۹۸۴ میں آپ نے کینیڈا کا دوسرا سفر اختیار فرمایا راستہ میں لندن ایک ماہ قیام فرمایا اور پھر براستہ نیو جرسی۔ ہمپٹن ہوتے ہوئے ۲۶ اگست کو کیلگری تشریف لائے جہاں ہمارے ہاں قیام فرمایا میرے لئے یہ باعث عزو شرف تھا کہ حضرت ملک صاحب جیسا فرشتہ سیرت انسان میرے گھر میں تشریف رکھے۔ روزانہ لنچ اکٹھا ہوتا اور باتیں سننے اور سنانے کا موقع ملتا۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ پورے قیام کے دوران ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ کبھی کوئی بات ایسے ہی منہ سے نکل گئی ہو۔ سلسلہ کے علماء کا نام بے حد احترام سے لیتے اور ان کی خوبیاں بیان فرماتے۔ روزانہ صبح اٹھ کر تیار ہوتے اور پھر تقریباً ۸ گھنٹے گاؤ تکیے لگا کر بیٹھ جاتے اور مختلف کتابوں کی تیاری میں مصروف رہتے۔ آپ نے یہاں رہ کر حدیقہ الصالحین کی ۱۰۰۰ ہزار احادیث پوری کیں۔ تاریخ افکار اسلامی، دارالحرب اور دارالسلام کے بارے میں مقالہ جات لکھے جو لندن مرکز بھجوائے گئے۔ U.C یونیورسٹی کی لائبریری میں جاتے اور وہاں گھنٹوں عربی کتب کے مطالعہ میں صرف کرتے اور فرماتے کاش جوانی کی عمر میں ان لائبریریوں میں آنے کا موقع ملتا تو علم سیکھنے کا موقع ملتا۔

☆ سفر

یہاں رہ کر آپ نے بہت سارے سفر اختیار فرمائے۔ خصوصاً جوبلی ۱۹۸۹ میں تو حد کر دی۔ کیلگری سے لندن جلسہ پر تشریف لے گئے۔ پھر ٹورنٹو جلسہ جوبلی پر تشریف لے گئے۔ لاس اینجلس کی (بیت الذکر) کے افتتاح پر وہاں تشریف لے گئے۔ پھر جب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کیلگری اور ایڈمنٹن تشریف لائے تو پھر ایڈمنٹن تشریف لے گئے

حالانکہ آپ کا جسم روح کا ساتھ نہیں دے رہا تھا مگر قوت پرواز کی پوری پوری کوشش کرتے رہے ایک دفعہ میں نے ذکر کیا کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ Jasper (ایک صحت افزا مقام ہے) پر تشریف لے گئے تھے کیا خیال ہے؟ فرمایا چلیں۔ ساڑھے تین صد میل کا سفر بذریعہ کار وہاں تشریف لے گئے کہ چونکہ حضور نے وہ جگہ دیکھی لہذا وہاں جانا ایک خوشی کی بات ہے۔

☆ حضرت اقدس کی شفقت

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار شفقتیں تھیں ایک کا ذکر کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔ ایڈمنٹن شہر میں سارے ویسٹرن کینیڈا کے احباب جماعت اکٹھے ہوئے تھے۔ جب کھانے کا وقت آیا تو منتظمین نے عرض کیا کہ حضور کھانا تیار ہے شروع فرمائیں حضور کھانے کے قریب تشریف لائے اور فرمایا ملک صاحب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ وہ ہیں فرمایا

ملک صاحب ادھر آئیں میں آپ کو کھانا ڈال کر دیتا ہوں آپ تو میرے استاد ہیں۔ حضرت اقدس نے خود اپنے ہاتھ سے حضرت ملک صاحب کو کھانا ڈال کر دیا اور پھر خود اپنے لئے ڈالا اور تناول فرمایا۔

☆ بیماری

حضرت ملک صاحب مرحوم کئی سال سے ذیابیطس کے مریض تھے۔ جب کینیڈا ۱۹۸۴ میں تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۷۵ سال کے قریب تھی جسم کمزور البتہ روح جوان تھی۔ آپ کے کئی میجر اپریشن ہوئے آنکھوں کے اپریشن کروائے جو کامیاب رہے۔ ۱۹۸۷ میں پراسٹیٹ کا اپریشن کروایا اور پھر گابلیڈر کا اپریشن کروایا جو خدا کے فضل سے کامیاب رہے۔ اس بڑی عمر میں ایسے اپریشن کامیاب ہونا محض اس کا فضل تھا میرے نزدیک حضرت ملک صاحب مرحوم کا اکتوبر ۱۹۸۹ تک زندہ رہنا خود ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ جب پین کریز کا اپریشن ہونے لگا تو تمام ایکسرے وغیرہ چیک ہونے پر ڈاکٹر نے بتایا کہ کینسر ہے۔ ڈاکٹر نے ھشام ملک سے کہا کہ اپنے والد محترم کو بتا دیں جب آپ کو بتایا گیا تو آپ نے فرمایا دیکھا جائے گا جو اللہ کو منظور ہوگا اور ڈاکٹر نے کہا کہ ملک صاحب زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک زندہ رہ سکتے ہیں۔

جب اپریشن ہوا تو ڈاکٹر نے کہا کہ اس نے اس کو بائی پاس کر دیا ہے اور اس جگہ کو نہیں چھیڑا جہاں کینسر تھا۔ حضرت اقدس کی دعائیں کام کر رہی تھیں جب چھ ماہ بعد ڈاکٹر نے چیک کیا تو اس نے بتایا کہ وہاں تو کچھ نظر نہیں آتا نہ جانے وہ کہاں چلا گیا ہے وہ تو بالکل ختم ہوگیا ہے۔ اس کے بعد حضرت ملک صاحب دو سال زندہ رہے اور خوب سفروں میں دن بسر کئے۔ حضرت ملک صاحب حضرت اقدس کی خدمت میں باقاعدہ دعا کے لئے خط لکھتے رہتے اور دعائیں حاصل کرتے رہے اور انہی دعاؤں کے طفیل جوبلی کا جلسہ دیکھنا نصیب ہوا۔

☆ وفات

۱۴؍اکتوبر ۱۹۸۹ کی شام کو گھر فون پر اطلاع ملی کہ حضرت ملک صاحب ایڈمنٹن میں ایک پلازا میں داخل ہو رہے تھے (جہاں وہ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت عالی میں خط میل کرنے گئے ہوئے تھے اور ساتھ ایک دو اور کام تھے) کہ دل کا حملہ ہوا اور بذریعہ ایمبولنس ہسپتال پہنچایا گیا ہے اور ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ عزیزوں کو اطلاع کر دی جائے کیلگری اور ایڈمنٹن کا فاصلہ ۳۰۰ کلومیٹر ہے خاکسار مع بچوں کے شام کو وہاں پہنچ گیا سیدھا

ہسپتال حاضر ہوا۔ حضرت ملک صاحب کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا جواباً آپ نے وعلیکم السلام کہا۔ میں نے خیریت دریافت کی فرمایا بالکل ٹھیک ہوں رات خیریت سے گذری اگلی صبح پھر حاضر ہوئے طبیعت ٹھیک لگ رہی تھی دو بجے کے قریب میں نے اجازت چاہی فرمایا کدھر جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ برادرم ڈاکٹر مجیب الرحمان اور امتہ اللطیف کو ایرپورٹ پر لینے جا رہا ہوں میں نے دیکھا ملک صاحب کے چہرہ پر خوشکن مسکراہٹ تھی۔ ۲ گھنٹے کے بعد جب میں ان کو لے کر آیا تو دیکھا کہ ملک صاحب کی طبیعت خفی حالت کی طرف رواں ہے اس کے باوجود جب مجیب نے آکر سلام کیا تو ملک صاحب نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا آ گئے ہو۔

عزیزم ڈاکٹر مجیب الرحمان نے ماہر قلب سے پوچھا کہ کیا صورت حال ہے اس نے کہا کہ محترم ملک صاحب ۲ سال پہلے موت کو جھانسا دے گئے تھے پر اس دفعہ مشکل لگتا ہے۔ ۲۴ اکتوبر کی شام دیر تک یعنی رات ۱۱ بجے تک حضرت ملک صاحب کے بیٹے بیٹیاں اور بیگم صاحبہ وہاں بیٹھے رہے اور پھر گھر واپس آ گئے۔ اسی رات ایک بجے ہسپتال سے فون آیا کہ حالت خراب ہے۔ ڈاکٹر مجیب ملک' ہشام ملک اور خاکسار فوراً ہسپتال پہنچے ہم تینوں پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ۲ بجکر ستائیس منٹ پر حضرت ملک صاحب نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۲۵ اکتوبر کی صبح ۷ بجے حضرت اقدس کی خدمت میں خاکسار نے بذریعہ فون پر آپ کی وفات کی خبر دی۔ حضرت صاحب نے فرمایا انا للہ و انا الیہ راجعون اور فرمایا "ایک باوفا دوست رخصت ہوگیا" حضور نے انتظام کے بارے میں دریافت فرمایا عرض کیا کہ ربوہ لے جا رہے ہیں ویسٹرن کینیڈا کی جماعت کو اطلاع دی گئی اور جنازہ کی تیاری شروع کر دی مقامی جماعت نے بڑے احسن رنگ میں مہمانان کرام کو سنبھالا اس موقع پر کیلگری ۔ سیسکٹون۔ وینکوور کا سفر طے کر کے بڑی تعداد میں دوستوں نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔

حضرت ملک صاحب کو غسل دینے میں خاکسار اور چوہدری مبارک علی صاحب آف قادیان نے سعادت حاصل کی۔ آپ کا جنازہ ایڈمنٹن میں محترم مبارک نذیر صاحب نے پڑھا۔ جب آپ کی نعش ایر پورٹ ٹورنٹو پہنچی تو مقامی جماعت　اس Box کو جس میں نعش تھی　امیگریشن والوں سے لے کر بیت الاسلام ٹورنٹو لے آئے جہاں ٹورنٹو کی جماعت جنازہ پڑھنے کے لئے حاضر ہوئی تھی اس کام کا سہرا مکرم و محترم نسیم مہدی صاحب امیر جماعت احمدیہ کینیڈا اور ان کی ٹیم کے سر ہے۔ محترم مہدی صاحب نے اپنی شاگردی کا حق ادا کیا اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔ اور پھر بذریعہ جہاز براستہ ٹورنٹو۔ کراچی۔ فیصل آباد ربوہ پہنچا۔

☆ متفرقات

☆ حضرت ملک صاحب مرحوم کو سلسلہ عالیہ اور خلافت سے عشق کی حد تک محبت تھی آپ انتہائی میانہ روی کی عملی

تصویر تھے۔ آپ کو ایک لمبا عرصہ تقریباً ۴۱ سال تک سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مفتی رہنے کا شرف حاصل ہوا اور تین خلافتوں کا دور دیکھا اور مقبول خدمت دین کی توفیق پائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ سے تو از حد پیار تھا حضور کا نام آنے پر آنکھیں تر ہو جاتی فرمایا کرتے تھے حضور کو نظر نہ لگے۔ جس رفتار سے جماعت کو چلانا شروع کیا ہے مخالف کا حسد بڑھ گیا ہے اور ان کے پاس اور کوئی چارہ نہیں رہا سوائے اس کے کہ وہ ایسے حالات پیدا کر دیں جس سے حضور کو پاکستان سے نکلنا پڑھے۔ پھر فرماتے کہ اسی میں بہتری ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی انہیں حالات میں ہجرت فرمائی تھی۔

☆ بعض لوگوں کو غلو کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ اپنے تعلقات کا دائرہ بڑا وسیع بتاتے ہیں ایسے لوگوں کو ضرور سننا چاہئے تا ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے ایسے لوگوں سے اختلاف نہیں کرنا چاہئے اس سے بدمزگی پیدا ہوتی ہے۔ سننے سے کم از کم وہ خوش تو ہو جائے گا اور اپنا کچھ بھی حرج نہیں ہو گا۔

☆ فرماتے مالی قربانیوں میں اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لینا چاہئے ایسے وعدے نہ ہوں جو صرف وعدے ہی رہ جائیں جماعت نے اپنے کام بجٹ کے مطابق پروگرام سے کرنے ہوتے ہیں۔

☆ کبھی عہدہ کی خواہش نہیں ہونی چاہئے اور اگر مل جائے تو پوری طرح نبھاؤ اور خود نہ چھوڑو۔

☆ بچوں سے نہایت حسن سلوک سے پیش آتے آپ کی وفات پر ایک غیراز جماعت دوست جو جنازہ میں شامل تھے کہنے لگے حضرت ملک صاحب کی یہ عادت مجھے بہت پسند تھی کہ وہ بچوں کو بھی آپ کہہ کر بلاتے تھے اس سے بچے ادب سیکھتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار بیٹیاں اور تین بیٹے عطا فرمائے سب کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کر دیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ساری اولاد۔ دامادوں سمیت خلافت کی وفادار اور خلافت کے میدان میں اگلی صف میں کھڑی ہے یقیناً حضرت ملک صاحب کی روح یہ دیکھ کر خوش ہوتی ہوگی۔

☆ زندگی میں شائد ہی سپورٹس کھیلے ہوں مگر کھیل دیکھنے کا شوق بہت تھا اور بڑے انہماک سے کھیل کو دیکھتے کینیڈا میں آکر آئس ہاکی بڑے شوق سے دیکھا کرتے اور ٹیموں کو (NHL کو) جانتے ۱۹۸۹ میں جب کیلگری کی ٹیم Flam مانٹریال کو ہرا کر سٹینلے کپ جیتا تو آپ اس دن ورجینیا میں (USA) اپنے بڑے فرزند کے پاس یہ میچ دیکھ رہے تھے جونہی کیلگری نے میچ جیتا آپ نے اسی وقت بذریعہ فون ہمیں مبارک باد دی کیونکہ ہم اس شہر کے باسی ہیں یعنی کتنا خیال تھا۔

آخر میں　دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ملک صاحب کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

وہ صورتیں الٰہی

سید مبشر احمد ایاز۔ مدیر "خالد"

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے ساتھ تعلق رکھنے والی بے شمار یادیں ہیں' انکی بے حساب عنایات اور محبتوں کے لا تعداد واقعات ہیں اور یہ واقعات آج بھی ملک صاحب کو میرے دل میں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ انکی یہ محبتیں جہاں میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوتی ہیں وہاں انکے لئے دعا بھی بنتی ہیں۔ چند ایک واقعات پیش خدمت ہیں۔

حضرت ملک صاحب ویسے تو ہر ایک طالبعلم کا ہی خیال رکھا کرتے تھے۔ البتہ جو طالب علم اپنی پڑھائی میں نسبتاً ذہین ہوتا کلاس میں پوزیشن لیتا تو پھر اس پر آپ خاص نظر رکھتے اور کوشش کرتے کہ اس کی اس صلاحیت کو مزید اجاگر کیا جائے اور علم کے میدان میں صحیح سمت میں اور آگے بڑھ سکے اور اس ضمن میں آپ ایسے طلباء کو خاص طور پر باقاعدگی سے اپنی شفقت کا حصہ وافر مرحمت فرماتے۔

مجھے بھی سعادت ملی اور اب اس پر مجھے ایک فرحت اور عجیب سی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ حضرت ملک صاحب کی نظر خاص کا میں بھی مورد رہا' کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ حضرت ملک صاحب دفتر بلاتے' کبھی تو پوچھتے کہ کیا پئیں گے اور عموماً چائے منگواتے اور خود اپنے ہاتھ سے چائے پیش کرتے کبھی مٹھائی منگواتے اور پیش کرتے اور اس طرح کی محبت شفقت آپ کے کینیڈا جانے تک رہی۔ مجھے یاد ہے کہ کئی مرتبہ آپ نے دفتر بلایا اور خاص طور پر اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور ایسے محبت سے پیش آتے کہ ایک طالبعلم کی حیثیت سے تو ندامت اور شرمندگی ہوتی کہ کہاں سلسلہ کے اتنے بڑے بزرگ' جامعہ کے پرنسپل اور کہاں ہم نالائق طالب علم۔

لیکن اب خیال آتا ہے کہ جامعہ کے طلباء سے آپ کی محبت کتنی زیادہ تھی۔ آپ اپنے بچوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ درجہ اولیٰ میں میں پڑھتا تھا' گرمیوں کی چھٹیوں میں میں بیمار ہو گیا۔ اور الفضل میں دعا کے لئے اعلان چھپا تو اگلے ہی روز استاذی المحترم منیر احمد صاحب جاوید نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ (جہاں ہماری ان دنوں رہائش تھی) پہنچ گئے۔ ملنے پر بتایا کہ ملک صاحب نے خاص طور پر عیادت کے لئے بھیجا ہے کہ جائیں اور میری طرف سے عیادت کریں' ساتھ کچھ رقم بھی بھیجی اور فرمایا کہ علاج کے لئے کسی قسم کی دقت یا مزید ضرورت ہو تو بتائیں۔ اور پھر دو تین ہفتوں کے بعد پھر آپ نے اپنی طرف سے عیادت کے لئے کسی کو بھیجا۔ اور رخصتوں کے بعد جب جامعہ آئے تو ہوسٹل میں خود عیادت کے لئے تشریف لائے۔ صاف بات ہے کہ اس وقت تو ہمیں ملک صاحب کے مرتبہ کا علم ہی

نہیں تھا ہمارے نزدیک پرنسپل ہونا ہی ایک بہت بڑا مقام تھا اس لئے اس وقت بھی جب آپ عیادت کرنے خود تشریف لائے تو یہ سوچتا تھا کہ "کیڑی گھر نارائن آیا" اور اب جب ہوش آئی، حضرت ملک صاحب کے مقام و مرتبہ کو دیکھا تو اپنی پہلے والی سوچ ہی درست معلوم ہوئی البتہ ملک صاحب کی محبت و شفقت اور عاجزی انکساری اور مقام و مرتبہ پہلے سے زیادہ روشن اور بڑھا ہوا معلوم ہوا۔

ملک صاحب پرنسپل ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت صاحب کی طرف سے قائم کردہ ریسرچ سیل کے انچارج بھی تھے، اور اس حوالے سے خاکسار نے دیکھا ہے کہ حضرت صاحب کی طرف سے آئے ہوئے کام کو ملک صاحب ہر ایک کام پر ترجیح دیتے، اس وقت آپ کی بے چینی اور اضطراب دیکھنے والا ہوتا اور آپ ہم لوگوں کو جو کہ اس سیل کے ممبران تھے۔ کلاس سے بلوا لیتے اور پھر اسی وقت کام شروع ہو جاتا۔ ایسے لگتا جیسے کہ ایمرجنسی نافذ ہو گئی ہے اور پھر دوپہر گزرتی شام ہوتی لیکن ہم سب کام کر رہے ہوتے اور ہمیں حیرت ہوتی کہ ملک صاحب جیسے نحیف اور ضعیف بھی اس دوران ایک جوان مستعد فوجی کی طرح ہمارے ساتھ شامل ہوتے، ایک ایک حوالہ چیک کرتے، ترجمہ کرواتے، اور صاف بات ہے کہ ملک صاحب کا علمی تبحر تو مجھے اس دوران محسوس ہوا کہ پرانی عربی تفسیریں، عربی ادب کی گنجلک عبارتیں، ملک صاحب ان کا ایسا فی البدیہہ ترجمہ کرواتے کہ سننے والا پھڑک کے رہ جاتا۔

بہر حال ملک صاحب حضرت صاحب کے آئے ہوئے کام کو ہر کام پر ترجیح دیتے ہوئے کرواتے اور تکمیل تک، حتی الوسع آپ وہیں موجود رہتے۔ ریسرچ سیل کے ضمن میں ایک اور امر کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جب کام مکمل ہو جاتا یا حضرت صاحب کی طرف سے دیا ہوا وقت قریب ہوتا تو پھر حضرت ملک صاحب کو جلد از جلد یہ کام پہنچانے کی فکر ہوتی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت صاحب کام کے منتظر ہوں اور کام وقت پر نہ ملے۔ اس وقت ملک صاحب کو جو پہنچنے کی جلدی ہوتی وہ اس وقت دیکھنے کے قابل ہوتی جو اب بھی قابل رشک و لائق صد تحسین نظر آتی ہے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ ایک کو تانگہ لینے بھیجا ہے، کسی کو موٹر کا کہا ہے، اور ایک کو سائیکل کا کہہ دیا کہ جلدی سے وہی لے آؤ اور خود پھر پیدل ہی چل پڑتے۔ آج بھی وہ نظارہ سامنے آتا ہے تو رشک آتا ہے کہ کتنا پیارا وجود تھا۔ خلیفۃ المسیح کی اطاعت کا واقعی ایک غیر معمولی جذبہ تھا ان میں جو ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑتا تھا۔

ملک صاحب کا ایک اور معمول جس میں کبھی کوئی تاخیر یا تعطل نہیں آیا وہ تھا آپ کا اسمبلی سے پہلے جامعہ پہنچنا۔ بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ سردیوں کے دنوں میں سخت کہر اور دھند چھائی ہوئی ہے اور اسمبلی شروع ہو گئی اور ملک صاحب نہیں آئے۔ تو وہ طلباء جن کا یونیفارم درست حالت میں نہ ہوتا تو وہ بہت خوش ہوتے کہ آج ملک صاحب کی ڈانٹ سے بچ گئے۔ لیکن یہ ایک تمنا ہی ہوتی اور ایک ایسا خواب ہوتا جو کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔ حضرت ملک صاحب باوجود ضعف اور بڑھاپے کے ہر ایک تکلیف اور موسم کی رکاوٹ کو عبور کرتے ہوئے جامعہ پہنچ جاتے اور ایک

معین و مخصوص جگہ پر کھڑے ہو جاتے اور پھر ایک ایک طالب علم کو سر سے لیکر پاؤں تک دیکھتے اور کوئی بھی ملک صاحب کی عقابی نگاہوں سے بچ نہ سکتا۔ ملک صاحب جب کسی طالب علم کو لائن سے باہر نکالتے تو ملک صاحب کا مخصوص انگلی کا اشارہ اب بھی نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ بہت بھلا اشارہ ہوتا۔ لیکن چہرے پر کسی قسم کی کرختگی کے آثار نمودار نہ ہوتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ اس طرح اسمبلی سے ہم کلاس رومز کی طرف جا رہے تھے کہ میرے ایک بوٹ کے تسمے کھل گئے اور مجھے پتہ نہیں چلا جونہی ملک صاحب کے پاس سے گزرا تو بجائے اس کے کہ لائن سے نکلنے کا حکم ملتا فرمانے لگے کہ "ایاز صاحب آپ کے بوٹوں کے تسمے ناچ رہے ہیں"۔ تو آپ توجہ بھی دلاتے تو بہت نرم لہجے میں لیکن اس نرمی میں ایسا رعب اور حکم ہوتا تھا کہ دل میں کبھی اس نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی طرف خیال نہیں جاتا تھا اور آپ کی یہ نرمی پیار اور محبت کے ساتھ ایک حکم کا درجہ اور اثر رکھتی تھی۔

خلافت کے احترام اور خلیفۃ المسیح کے قیمتی وقت کے ایک ایک لمحہ کی قیمت کا احساس دلانے کے لئے حضرت ملک صاحب نے جو تربیت فرمائی اس ضمن میں ایک واقعہ بھی یاد آ رہا ہے۔

ایک مرتبہ خاکسار نے B.A کے امتحان کے لئے حضور کی خدمت میں درخواست لکھی۔ (اس وقت ضروری تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح سے اجازت لی جائے) خاکسار ملک صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں ابھی درجہ ثالثہ میں پڑھتا تھا۔ ملک صاحب خوش ہوئے اور میری درخواست پر سفارش کرتے ہوئے لکھا کہ "ذہین، فرض شناس اور مستعد ہیں۔ میں سفارش کرتا ہوں"۔ جب ہفتہ عشرہ گزر گیا اور خاکسار کی درخواست واپس نہ آئی تو مجھے چونکہ B.A. کا داخلہ جمع کروانا تھا اس لئے ملک صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری خود جا کر پتہ کرو۔ میں وہاں گیا تو جواب ملا کہ اس طرح کی تو کوئی درخواست آئی ہی نہیں۔ میں دوبارہ ملک صاحب کے پاس آیا تو ملک صاحب فرمانے لگے۔ پھر! میں نے عرض کی کہ پھر دوبارہ درخواست کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک اور درخواست لکھی اور ملک صاحب نے پھر ایسے ہی الفاظ لکھے اور درخواست بھیج دی۔ اب ہوا یہ کہ میری پہلے والی درخواست بھی دفتر والوں کو مل چکی تھی اور اس پر حضور کی طرف سے "اجازت ہے" کی منظوری مل گئی اور میری یہ درخواست بھی حضور کی خدمت میں پیش ہو کر منظور ہو گئی۔ اور دونوں درخواستیں جامعہ آگئیں۔ مجھے ملک صاحب نے دفتر بلایا میں گیا تو ملک صاحب خلاف معمول بغیر مسکراہٹ کے ملے اور فرمانے لگے کہ آپ نے خواہ مخواہ حضرت صاحب کا وقت ضائع کیا اور حضور کو دو خط پڑھنے پڑے۔ دیکھیں دونوں درخواستیں آپ کی آگئی ہیں۔ آپ تھوڑا اور صبر کر لیتے۔ ملک صاحب کے ساتھ جو چار سال کا عرصہ گزرا اس عرصہ میں صرف ایک واقعہ تھا جس کو کہا جا سکتا ہے کہ ملک صاحب نے ناراضگی کا اظہار فرمایا' حالانکہ مجھے یاد ہے کہ کئی مواقع ایسے آئے ہوں گے کہ جہاں سختی کرنا چاہئے تھی لیکن ملک صاحب کی شفقت بے پایاں ان پر حاوی تھی لیکن جب مسئلہ تربیت کا آیا اور وہ بھی خلافت کے معاملہ میں تو یہاں آپ نے سمجھانے کے لئے سختی بھی کی۔

حضرت ملک صاحب جہاں ڈسپلن کا خیال رکھتے تھے وہاں آپ کی بے انتہا شفقت آپ کے قوانین میں ایک مناسب حد تک لچک بھی پیدا کر دیا کرتی تھی۔ اس رسالہ میں کئی ایک واقعات آپ پڑھیں گے کہ ملک صاحب نے بظاہر قواعد سے ہٹ کر ایک بات کی ہے۔ دراصل یہ قواعد کی خلاف ورزی نہیں' گو قواعد بھی تو پرنسپل ہی بناتا ہے وہ جب مناسب سمجھے ضروری معلوم کرے تو ان کو معطل کر سکتا ہے۔ استثنائی صورت میں ان قواعد سے ہٹا جا سکتا ہے۔ لیکن دراصل ملک صاحب کے مدنظر اصل تو طالب علم کی تربیت ہوتی تھی اور وہ حالات کے مطابق' ضرورت کے مطابق قواعد میں نرمی بھی کر لیا کرتے تھے۔ اسی قسم کی ایک دو شفقتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملک صاحب اپنے طالب علم کو کتنا عزیز سمجھتے تھے کہ بعض اوقات اس کی بات مان لیتے اور دراصل یہ تربیت کا ایسا گہرا وار ہوتا کہ ملک صاحب ہمیشہ کے لئے اس کو اپنا بنا لیتے اور اپنا بنا لینے کا مطلب یہی ہے کہ وہ نظام کی اطاعت کرنے والا ایک بہتر مجاہد بن سکتا ہے۔

بہرحال ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم درجہ ثالثہ میں تھے کہ ایک مضمون کے ٹیچر سے ہم کافی سارے طلباء تنگ آ گئے بلکہ ساری کلاس کی رائے تھی کہ بہتر ہو کہ ان کی جگہ کوئی اور ٹیچر آ جائیں۔ جب کہ دوران تدریس استاد نہیں بدلا جا سکتا تھا۔ جب ہر طرف سے مایوسی نظر آئی تو ہمت کر کے خاکسار ملک صاحب کے دفتر حاضر ہوا' ملک صاحب نے حسب معمول چائے منگوائی۔ خاکسار نے عرض کیا کہ آج ایک بہت مشکل اور ضروری کام سے حاضر ہوا ہوں میں نے عرض کیا کہ یہ مسئلہ ہے اور دراصل اس طرح ہماری پڑھائی کا بھی حرج ہو رہا ہے۔ ملک صاحب فرمانے لگے کہ یہ تو بہت مشکل ہے اس طرح تو سارا نظام گڑ بڑ ہو جائے گا۔ لیکن جب انہوں نے اصرار دیکھا تو فرمایا کہ کل آنا اور اچھی طرح سوچ لیں۔ میں کل پھر حاضر ہوا تو سوچنے کے بعد کہنے لگے کہ آپ نے تو مشکل میں ڈال دیا ہے اب اس کا ایک ہی حل ہے کہ میں خود پڑھاؤں۔ وگرنہ ان کو ہٹا کر کسی اور کو مقرر کرنا مناسب نہیں ہو گا اور خود اب میں پڑھا نہیں سکتا۔ آپ لوگوں کی کلاس بھی اوپر والی بلڈنگ میں ہے کیسے سیڑھیاں چڑھوں گا۔ لیکن حضرت ملک صاحب کی یہ شفقت تھی کہ آپ نے پھر پورا سمیسٹر خود ہمیں پڑھایا اور یوں فقہ تو ہم نے پڑھی تھی لیکن اب ہمیں یہ شرف بھی حاصل ہو گیا کہ ہم نے صرف و نحو بھی آپ سے پڑھی اور پڑھی بھی ان حالات میں کہ جب آپ نے پڑھانا چھوڑ دیا ہوا تھا۔ صرف و نحو کا ذکر شروع ہوا تو اب جس مضمون کے بارے میں ملک صاحب کو حضرت امام جماعت احمدیہ نے خراج تحسین پیش کیا ہو ہماری کیا رائے ہو سکتی ہے۔ البتہ اس سمیسٹر کے بعد جب امتحان ہوا تو ملک صاحب نے جو پرچہ ڈالا تو وہ ہمارے لئے بہت مشکل ثابت ہوا۔ دراصل وہ پرچہ آسان ترین تھا لیکن تھا صرف ایک ہی سوال۔ ادھر توجہ ہی نہیں گئی کلاس کی۔ اس مضمون میں ۷۵ فیصد نمبر لینے والا پاس شمار ہوتا تھا۔ جبکہ تو ۱۸ طلباء کی کلاس میں صرف دو طالبعلم ایسے تھے جو پاس تھے اور سب ۷۵ فیصد سے نیچے یعنی فیل' اور ان "فیل شدگان" میں خاکسار بھی تھا۔ ملک صاحب نے مجھے بلایا اور میں خدا کے فضل سے ہر کلاس میں پہلی پوزیشن لیا کرتا تھا اور صرف و نحو میں تو اللہ کے فضل سے کم ہی ایسا ہوا کہ ۹۰ سے کم نمبر آئے ہوں۔ بہرحال ملک صاحب نے پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ پرچہ واقعی مشکل تھا؟ میں نے جو

"اصل صورت حال" تھی وہ واضح کر دی تو فرمانے لگے کہ اگر یہ تمہارے لئے "مشکل" تھا تو پھر تو باقی طلباء کے لئے بھی مشکل ہو گا چلیں اس مرتبہ میں نرمی کرتا ہوں کہ ۶۵ نمبر والوں کو پاس کر دیتا ہوں' اور یوں چند ایک اور طلباء بھی پاس ہو گئے۔ گو ملک صاحب کی یہ عام شفقت تھی لیکن میں ابھی تک ملک صاحب کا ممنون احسان ہوں کہ ملک صاحب دراصل مجھے پاس کرنا چاہتے تھے اور میرا دل نہیں توڑنا چاہتے تھے کہ یہ جو ہمیشہ اول آیا ہے جو اس پرچہ میں کم نمبر ہیں تو کوئی وجہ ہو گی اور دل نہ ہار جائے اور مجھے احساس بھی نہیں دلایا اور قواعد میں نرمی کرتے ہوئے اس سال ۶۵ نمبر والوں کو آپ نے پاس قرار دیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

ملک صاحب سزا اس وقت دیتے کہ جب "آخر الدواء الکی" کی کیفیت ہوتی کہ اب سزا ضروری ہے۔ لیکن سزا دیتے وقت بھی خیال رکھتے کہ جہاں تک ہو سکے کسی کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ ایک مرتبہ ہماری کلاس کی اکثریت کو کسی وجہ سے یہ سزا تجویز ہوئی کہ یہ طلباء پی۔ٹی کے بعد جامعہ کے مقررہ احاطہ میں وقار عمل کریں گے۔ اور جس روز اس "سزا" پر عملدر آمد ہونا تھا اس وقت ملک صاحب خود تشریف لائے اور حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ جب آپ خود بھی وقار عمل میں شامل ہوئے۔ ایسے شفیق پرنسپل' اور عجز وانکسار کے پتلے کو کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں۔

آپ سیرو تفریح اور پکنک کے بھی شوقین تھے اور پکنک میں شامل ہوتے اور لطف اندوز ہوتے۔ متعدد مرتبہ ہمیں یہ سعادت نصیب ہوئی کہ ملک صاحب ہمارے ساتھ شامل ہوئے۔ ہم نے یہ دیکھا کہ ملک صاحب خوب انجوائے کرتے تھے بلکہ اس وقت بھی اور اب بھی احساس ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایسے مزاحیہ پروگرام ہو جاتے تھے کہ بعد میں احساس ہوتا کہ ملک صاحب کے احترام کے پیش نظر ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن ملک صاحب کی کمال درجہ کی وسعت حوصلہ تھی کہ ان کے چہرے پر ذرا بھی ناپسندیدگی کے آثار نمودار نہیں ہوتے تھے۔ آپ اپنی بشاشت کو قائم رکھتے اور پکنک میں یہ محسوس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ پرنسپل ہیں بلکہ ایک دوست کی طرح رہتے۔ البتہ تربیت کے پہلو سے وہ کبھی غافل نہیں ہونے پائے۔

حضرت ملک صاحب کو ادب سے بھی بہت حد تک لگاؤ تھا۔ اچھے شعر سننا ان کو بہت بھلا لگتا تھا۔ آپ اچھا ادب پڑھتے بھی تھے اور سنتے بھی تھے۔ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ اپنے دفتر بلایا' چائے منگوائی اور کہنے لگے کہ کوئی شعر سناؤ' اور پھر بتانے لگے کہ اچھے اچھے شعراء کے شعر یاد رکھنے چاہئیں۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا حوالہ دیا کہ انہیں کتنے شعر یاد ہیں۔ بلکہ حضرت شیخ صاحب کے بارے میں تو فرمانے لگے کہ انہوں نے ایک دفعہ مجھے (ملک صاحب کو) بتایا تھا کہ مجھے پانچ ہزار فارسی کے بہترین شعر زبانی یاد ہیں۔ الغرض ملک صاحب کی محبت و شفقت کے تو بیسیوں واقعات ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا ذہن میں آ رہا ہے لیکن واقعات جتنے بھی ہوں ان سب کا نتیجہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ہمدردی' شفقت' محبت' ایک باپ کی طرح تھی' بلکہ باپ سے بھی بڑھ کر جس میں کوئی بناوٹ نہیں تھی کوئی حرص نہیں تھی کوئی لالچ نہیں تھا۔ یہ ساری محبتیں'

سزائیں، قواعد کی پابندیاں اور نرمیاں یہ صرف اور صرف اس لئے تھیں کہ جو واقف زندگی مسیح موعود کی فوج کا سپاہی بننے آیا ہے وہ ایک مستعد، فرض شناس اور بہترین مجاہد بن سکے اور خلیفۃ المسیح کے ہاتھ میں جب یہ تلوار پیش کی جائے تو وہ ایک کند تلوار نہ ہو بلکہ صیقل شدہ بہترین تلوار ہو جو خلیفۃ المسیح کے ہاتھ میں جائے اور اپنا وہ کام کر سکے وہ جوہر دکھا سکے کہ جس کے لئے اس کو تیار کیا گیا ہے۔

آپ کی یہ نرمی اور یہ سختی، ہر محبت اور شفقت کے پیچھے صرف یہی ایک مقصد کار فرما تھا۔ اور اس کا اندازہ آپ کے ان خطوط سے ہو سکتا ہے جو کہ آپ نے کینیڈا کے قیام میں مختلف احباب کو رقم فرماتے۔ ان خطوط میں سے چند ایک اقتباس یہاں درج کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "یہاں آ کر یہ بھی اندازہ ہوا کہ جامعہ میں جو شاہد تیار ہوتے ہیں وہ ان علاقوں میں کام کرنے کے لئے مناسب ہتھیاروں سے لیس نہیں ہوتے اسی لئے جس جان ماری سے کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے حجابت کی وجہ سے وہ اس کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔... خاص طور پر عربی اور انگریزی میں مہارت کی بے حد ضرورت ہے..."

جامعہ کے ایک طالب علم کو لکھتے ہیں: "یہ میرا فرض ہے کہ میں اپنے بچوں کی ضروریات کا خیال رکھوں...... آپ کا حق ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح بیٹے کا باپ پر حق ہوتا ہے......"

ایک خط میں لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ سب اساتذہ کی بہترین کوششوں کے نتیجہ میں جامعہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ بہترین سپوت جامعہ سے نکلیں جو علم میں بھی ممتاز ہوں اور عمل میں بھی سب سے آگے ہوں"

اللہ تعالیٰ حضرت ملک صاحب کی یہ دعائیں قبول فرمائے اور ملک صاحب کو اجر عظیم سے نوازے اور ان کے بعد ایسے ہی علماء سے جماعت اور ایسے ہی شفیق پرنسپل صاحب سے جامعہ کبھی خالی نہ رہے۔ آمین

پیار کی چند یادیں

(مکرم ظہیر احمد خان صاحب معاون مفتی سلسلہ احمدیہ)

زندگی کی مثال تو ایک بہتے دریا کی ہے کہ جو کئی شہروں اور کئی دیہاتوں سے گزرتا۔ طرح طرح کے مناظر کا لطف لیتا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح زندگی بھی تیزی کے ساتھ آگے ہی آگے دوڑی چلی جا رہی ہے۔ اس میں انسان کا مختلف النوع وجودوں سے تعلق بندھتا جڑتا ہے۔ دوسرے انسانوں سے دوستیاں، دشمنیاں لگتی ٹتی ہیں۔ لیکن اگرچہ یہ سلسلہ اسی طرح گامزن رہتا ہے۔ مگر اس میں کئی ایسی ہستیوں سے بھی شرف تعلق اس کے حصہ میں آتا ہے جو اس کی رہتی زندگی تک اس کے لئے سرمایہ حیات بن جاتا ہے۔ اور ان کا ہلکا ساذکر اس تعلق کے مناظر کو اس کی نظروں کے سامنے لے آتا ہے۔

محترم ایڈیٹر صاحب ماہنامہ "خالد" کے اس خط نے جس میں انہوں نے بہت سے احباب کو حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے متعلق اپنے واقعات تحریر کرنے کی درخواست کی ہے۔ حضرت ملک صاحب کے بہت سے تعلق داروں کے ساتھ یقیناً یہی معاملہ کیا ہو گا کہ ہر ایک کی حضرت ملک صاحب کے ساتھ تعلق کی یادیں اس کے ذہن پر ابھر آئی ہوں گی۔ ان میں آپ کے دوست احباب، عزیز رشتہ دار اور سب سے زیادہ آپ کے شاگرد شامل ہونگے۔

خاکسار بھی اپنے آپ کو ان شاگردوں کی قطار میں کھڑا پاتا ہے جن کے نصیبے میں حضرت ملک صاحب کی محبت و شفقت، ہمدردی و احسان اور لطف و عنایات آئیں۔ ان تمام حیثیتوں کے حوالہ سے آپ کی یادوں کے کچھ پھول میرے حصہ میں بھی آئے جن کی ایک ایک پتی آج بھی ترو تازہ و شاداب ہے اور جن سے حضرت ملک صاحب کے پیار، محبت، آپ کی شفقت و رحمت کی خوشبو اڈ اڈ کر میرے دل و دماغ کو معطر کر رہی ہے۔ اسی خوشبو کے کچھ جھونکے آپ کی نظر کرنے کی کوشش کرونگا۔

1980ء میں خاکسار جامعہ احمدیہ میں داخل ہوا اور اسی وقت ہی حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کو پہلی مرتبہ دیکھنے کی توفیق ملی۔ پہلے سال تو حضرت ملک صاحب کو صرف دور دور سے ہی دیکھا کیوں کہ ایک تو جامعہ میں نوواردی اور پھر آپ کے عہدے کا رعب اور سب سے بڑھ کر آپ کی ظاہری شخصیت کا رعب تھا۔ تاہم اس سال بھی آپ کی

شخصیت کا زیرو بم اور آپ کی اعلیٰ اور خود بخود ظاہر ہونے والی صفات مشاہدے میں ضرور آتی رہیں۔ آپ اپنی دیگر صفات کے ساتھ ساتھ نہایت منکسر المزاج اور فروتنی سے بھرپور شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی اس صفت کا کسی قدر اندازہ آپ درج ذیل واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔

خاکسار کو جو اس وقت درجہ اولیٰ کا طالبعلم تھا۔ اچانک لاہور جانا پڑ گیا۔ نماز فجر کے بعد ارادہ کیا کہ محترم پرنسپل صاحب کے گھر جا کر ان سے رخصت کی درخواست کرتا ہوں۔ چنانچہ خاکسار تیار ہو کر آپ کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ آپ چونکہ اسمبلی سے پہلے جامعہ آجایا کرتے تھے۔ لہٰذا آپ سے راستہ میں ہی ملاقات ہو گئی۔ خاکسار کو اپنی طرف آتا دیکھ کر آپ ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے جھجکتے ہوئے مدعا بیان کیا اور اچانک لاہور جانے کی وجہ بتائی۔ آپ نے فرمایا درخواست لکھی ہے میں نے عرض کی جی اور ساتھ ہی جیب سے درخواست نکال لی۔ آپ نے درخواست میرے ہاتھ سے لیتے ہوئے فرمایا آپ یہیں سے لاہور چلے جائیں۔ درخواست میں خود ہی منظور کر کے دفتر دے دونگا۔ اللہ اللہ کیا انکساری اور خاکساری کا مظاہرہ تھا کہ ایک شاگرد اور شاگرد بھی بالکل چھوٹی کلاس کا اس کی نہ صرف راستہ میں درخواست قبول کی بلکہ فرمایا میں خود ہی دفتر دے دونگا۔

آپ کی یہ تمام صفات حسنہ جن کا تقریباً ہر مضمون میں ذکر آیا ہو گا ظاہر وہ باہر تھیں۔ خاکسار نے بھی اکثر ان کا مشاہدہ کیا۔ طلباء جامعہ کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ نماز مغرب حضرت خلیفۃ المسیح کی اقتداء میں بیت المبارک میں ادا کریں۔ چونکہ حضرت ملک صاحب کا گھر راستہ میں پڑتا تھا اس لئے اکثر طلباء نماز پر جاتے ہوئے یا واپسی پر حضرت ملک صاحب سے بھی شرف ملاقات حاصل کرتے تھے۔

اکثر خاکسار مغرب کی نماز سے پہلے یا بعد حضرت ملک صاحب کے گھر جاتا تھا اور کبھی کبھی جمعہ المبارک کا ناشتہ آپ کے ہاں کرنے کی سعادت پاتا۔ اگر اس میں کبھی زیادہ وقفہ پڑ جاتا تو غیر حاضری کی وجہ بتانا پڑتی تھی۔ ایک مرتبہ خاکسار کچھ بیمار ہو گیا اور کچھ دن آپ کے ہاں حاضر نہ ہو سکا۔ تو آپ خود ہوسٹل میری عیادت کیلئے تشریف لائے۔

آپ کی ذات کا ایک نمایاں وصف اعتدال پسندی کے ساتھ ساتھ یسروا ولا تعسروا پر عمل تھا۔ اور بے جا سختی آپ کی عادات میں شامل نہ تھی بلکہ لچکدار طبیعت خدا تعالیٰ کی عطا تھی۔ مجھے یاد ہے کہ اس زمانہ میں اساتذہ بعض اوقات اپنے پیریڈ میں اپنی کلاس ٹک شاپ پر لے جاتے اور چائے وغیرہ پیتے۔ ضمناً یہ بھی بتاتا چلوں کہ ایک آدھ مرتبہ ہماری کلاس نے حضرت ملک صاحب سے بھی چائے اور انڈے کھائے اگرچہ آپ خود تو ساتھ نہ گئے مگر چٹ عنایت فرما دی اور شرط لگائی کہ جامعہ اوقات کے بعد اسے استعمال کریں۔ اکثر اوقات تو اساتذہ اپنی خوشی اور مرضی سے ایسا کرتے مگر بسا اوقات طلباء بعض اساتذہ کو درخواست کرتے تو اساتذہ "بادل نخواستہ" ایسا کرتے۔

حضرت ملک صاحب نے جب یہ محسوس کیا کہ اس رجحان کو زیادہ فروغ مل رہا ہے جس سے پڑھائی کا حرج ہوتا ہے تو آپ نے اس پر پابندی لگا دی کہ اب کوئی کلاس پڑھائی کے اوقات میں ٹک شاپ پر نہیں جائے گی۔ ایک مرتبہ موسم سرما میں ہر طرف بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی ہمارے حدیث کے استاد

کلاس میں تشریف لائے تو پہلے سے طے شدہ پروگرام

کے تحت سیکرٹری کلاس نے استاد محترم کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ موسم خوب ٹھنڈا ہے لہٰذا آج پڑھائی تک شاپ پر کی جائے اور ساتھ میں آپ ہمیں چائے اور انڈے کھلائیں۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے فوراً فرمایا ٹھیک ہے میں تو تیار ہوں مگر شرط یہ ہے کہ پرنسپل صاحب سے اجازت آپ لوگ لیں۔ آپ کی مسکراہٹ سے صاف عیاں تھا کہ اجازت تو ملنی نہیں اس لئے ہاں کرنے میں کیا حرج ہے۔ خاکسار نے اپنے بچپنے میں ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے عرض کی کہ ٹھیک ہے میں اجازت لیکر آتا ہوں۔ چنانچہ خاکسار محترم پرنسپل صاحب کے کمرہ میں داخل ہوا اس وقت آپ اکیلے تشریف فرما تھے۔ میں نے پورا قصہ بیان کرتے ہوئے اپنا مدعا پیش کیا۔ (یہ سارا نظارہ اس وقت بھی پوری طرح میری نظروں کے سامنے ہے کہ) آپ نے کچھ دیر توقف فرمایا پھر ایک مسکراہٹ (جو اکثر آپ کے نکھرتے ہوئے گلابی چہرے کو اور حسین بنا دیا کرتی تھی) آپ کے چہرے پر ظاہر ہوئی اور آپ نے فرمایا ٹھیک ہے چلے جائیں۔

بعض مرتبہ آپ کے سفر کا ساتھی بننے کی بھی خاکسار کو سعادت عطا ہوئی۔ سفر میں بھی آپ اپنے ساتھی کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اور باوجود اس کے کہ اپنی بیماری کی وجہ سے آپ کو بہت سی چیزیں منع ہوتی تھیں۔ مگر آپ ساتھی کا خیال رکھتے ہوئے ان کے استعمال سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر کر آیا ہوں دو مرتبہ آپ کے ساتھ خاکسار کو لاہور جانے کا مواقع ملا۔ ان موقع پر آپ مختلف بازاروں میں گئے اور متعدد اشیاء خرید فرمائیں۔

جب تمام اشیاء خرید چکے تو مجھے فرمانے لگے آپ نے کچھ نہیں خریدا میں نے عرض کی مجھے کچھ نہیں لینا۔ پھر ایک دوکان پر مجھے لے گئے اور فرمایا ٹھیک ہے اگر تم نے کچھ نہیں لینا تو میری طرف سے کچھ لے لو پھر خود ہی ایک نہایت اعلیٰ اور قیمتی جرسی جو آپ نے خود ہی پسند کی خاکسار کو خرید کر دی۔

اس سفر میں آپ نے اپنے متعدد واقعات جب کہ آپ لاہور رہا کرتے تھے خصوصاً نیلا گنبد کے واقعات بیان فرمائے۔

آپ اپنے طلباء کے ذاتی حالات سے بہت زیادہ واقفیت رکھتے تھے اس طرح آپ ان کے مناسب حال تربیت بھی کرتے اور ان کی ضروریات کا خیال بھی رکھتے تھے۔ جس کے متعدد واقعات آپ اس رسالہ میں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ لیکن یہاں میں ایک ایسا واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس حوالہ سے آپ کی شفقت کی عکاسی کرتا ہے۔

جامعہ کے ایک دوست جو اب خدا کے فضل سے میدان عمل میں خدمات دینیہ کی توفیق پا رہے ہیں ایک مرتبہ اپنا وظیفہ وصول کرنے کے لئے محترم راجہ عزیز احمد صاحب اکاؤنٹنٹ جامعہ کے پاس گئے انہوں نے رجسٹر وظیفہ جات پر /150 کا ہندسہ لکھ کر ان سے کہا کہ دستخط کردیں۔ اس لڑکے نے مذاق میں اس ہندسہ کو /1150 بنا کر کہا راجہ صاحب یہاں تو /1150 لکھا ہے۔ محترم راجہ عزیز صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً اٹھے اور رجسٹر حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے اس لڑکے کا جرم بیان کردیا۔ حضرت ملک صاحب نے محترم راجہ صاحب کو تو اپنے دفتر میں جانے کا حکم دیا اور اسی وقت اس لڑکے کو بلایا جس کا رنگ ڈر کی وجہ سے زرد پڑ چکا تھا۔ حضرت ملک

صاحب جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ہر طالبعلم کی عادات و خصائل سے خوب واقف ہوتے تھے آپ نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو سمجھ گئے کہ یہ لڑکا بدنیتی سے ایسا کر ہی نہیں سکتا اور صرف مذاق ہی کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کو صرف اتنا فرمایا کہ "...... اگر پیسوں کی ضرورت تھی تو مجھ سے لے لیتے" اس سے زیادہ کچھ نہ کہا اور جب اس نے بتایا کہ میں نے تو صرف مذاق میں ایسا کیا تھا تو آپ نے اس کی بات پر اعتبار کیا اور اسے سچا جانتے ہوئے کلاس میں جانے کا حکم دیا۔

حضرت ملک صاحب اپنے طلباء کو روحانی و جسمانی فائدے پہنچانے میں اسی طرح حریص تھے جس طرح والدین اپنے بچوں کیلئے ہوتے ہیں اور خلافت کی برکات طلباء کی جھولیوں میں بھرنے کی تو آپ کو لو لگی رہتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ شعبہ فقہ کے متخصصین کی حضور انور کے ساتھ ملاقات تھی چنانچہ ہم لوگ حضرت ملک صاحب کی معیت میں حضور انور کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔

ملاقات کے اختتام پر حضرت ملک صاحب نے ہمیں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا مصافحہ کرلیں۔ حضور انور ایدہ اللہ نے از راہ شفقت ہمیں مصافحہ کا شرف بخشتے ہوئے فرمایا۔ دفتری ملاقات میں مصافحہ نہیں ہوتا۔ حضرت ملک صاحب نے نہایت ادب اور احترام سے صرف اتنا کہا "حضور میں نے اسی لئے مصافحہ نہیں کیا"۔

تو یہ چند یادیں ہیں اس شفیق و مہربان وجود کی جس کی مہربانیاں اور کرم فرمائیاں طلباء جامعہ کو ان کے والدین کی یاد بھلا دیا کرتی تھیں اس وجود سے خاکسار کا بھی 1980ء سے 1984ء تک مختصر عرصہ کا تعلق رہا مگر یہ چار سال کا تعلق میری ساری زندگی پر حاوی ہے اور میرے لئے یہ مختصر دور ایک قیمتی سرمایہ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضرت ملک صاحب کے نصائح پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور حوض کوثر کے جام آپ کو لبالب پلائے اور اپنے آقا و مطاع کے قدموں میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

حضرت ملک سیف الرحمن صاحب

مکرم ڈاکٹر کریم اللہ صاحب زیروی

میرے خسر محترم ملک سیف الرحمان صاحب سے میرا غائبانہ تعارف ان کی اہلیہ صاحبہ کے ایک رشتہ دار کے ذریعہ تھا۔ جو کہ میرے تعلیم الاسلام ہائی سکول اور کالج کے زمانہ میں میرا دوست تھا۔ اس کے بعد میں ایم ایس سی کرنے کے لئے کراچی اور پھر پی ایچ ڈی کے لئے امریکہ چلا گیا۔ اس طرح یہ تعارف غائبانہ ہی رہا اصل تعارف اس وقت ہوا جب کہ ۱۹۶۶ میں میرے محترم ملک صاحب کی بڑی صاحبزادی امتہ اللطیف سے رشتہ کی بات چلی خاکسار اس وقت "لوئی ول" امریکہ میں پی ایچ ڈی کا طالب علم تھا۔ جب میری ان کی بیٹی سے رشتہ کی بات چلی تو ملک صاحب کو میرے متعلق صرف اتنا علم تھا کہ لڑکا امریکہ میں پڑھ رہا ہے۔ اور لڑکے کی فیملی کچے کوارٹر میں رہتی ہے۔ میرے رشتہ کے پہنچنے کے ساتھ ہی دو اور رشتے ان کی بیٹی کے لئے آگئے اور وہ دونوں لڑکے بھی امریکہ میں تھے۔ محترم ملک صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں تینوں رشتوں کا ذکر کر کے دعا اور راہنمائی کے لئے لکھا کچھ عرصہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے محترم ملک صاحب سے دریافت کیا کہ بیٹی کے رشتہ کے متعلق ان کا اپنا کس طرف انشراح ہے تو محترم ملک صاحب نے کہا کہ ان کا انشراح میری طرف ہے کہ یہ لڑکا اپنی محنت سے ترقی کرنے والا ہے۔ اگرچہ مالی لحاظ سے دوسرے دونوں رشتے اس رشتہ سے بہتر ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث جو کہ میرے کالج کے زمانہ میں تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل تھے اور خاکسار کو اچھی طرح جانتے تھے۔ امریکہ سے بھی تعلیم میں اعلیٰ کامیابی کے لئے حضور کی خدمت میں دعا کے لکھتا رہتا تھا۔ حضور نے محترم ملک صاحب کو فرمایا ہاں ٹھیک ہے یہاں ہی اپنی بیٹی کا

رشتہ کر دیں۔ اس طرح محترم ملک صاحب نے دوسرے دونوں رشتے جن کی مالی لحاظ سے حالت میری نسبت بہت بہتر تھی۔ ان کی مالی حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے خاکسار سے اپنی بیٹی کے رشتہ کی ہاں کر دی۔ جب انہوں نے رشتہ کے لئے ہاں کی اس وقت خاکسار کی والدہ کو وفات پائے دس سال ہو چکے تھے۔ خاکسار گھر میں سب سے بڑا تھا اور میرے والد صاحب واقف زندگی اور ایک دفتر میں کلرک تھے۔ اگرچہ میں امریکہ میں پڑھ رہا تھا لیکن والد صاحب اور چھوٹے بہن بھائی ایک پرانے کچے مکان میں رہتے تھے۔ جس کے سامنے کی دیوار اکثر بارشوں سے گری رہتی تھی۔ اور رسی پر چادر ڈال کر پردہ کیا ہوتا تھا۔ ان حالات میں بیٹی کا رشتہ دینا محترم ملک صاحب کی عظمت کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی پہلی بیٹی کا رشتہ کرنا تھا۔ اور بیٹی بھی وہ جس کو انہوں نے صرف اس لئے کہ بیٹی کی خواہش تھی کہ کالج میں سائنس کی تعلیم حاصل کرے ربوہ میں سائنس کی تعلیم کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بہت قرض اور خرچ برداشت کرکے لاہور میں ایم ایس سی تک تعلیم دلوائی تھی۔

۱۹۶۹ء میں جب میں تعلیم سے فارغ ہو کر بمعہ فیملی پاکستان واپس آیا تو محترم ملک صاحب (جنہیں شادی کے بعد میں نے خالو جان کہنا شروع کر دیا تھا) سے پہلی ملاقات کوئٹہ میں ہوئی۔ خالو جان اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ارشاد کے تحت حضرت مصلح موعود کی سوانح عمری پر کام کر رہے تھے۔ اور موسم گرما کی وجہ سے کوئٹہ میں محترم شیخ محمد حنیف صاحب مرحوم امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ کے گھر میں رہائش پذیر تھے امریکہ سے آتے وقت میں نے محترم خالو جان کو لکھا کہ آپ کے لئے امریکہ سے کیا لاؤں جواب میں یہی لکھا کہ میرے لئے کسی خاص چیز کے لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہو سکے تو محترم حنیف صاحب جن کے گھر خاکسار ٹھہرا ہوا ہے۔ ان کے لئے کوئی قیمتی تحفہ لے آئیں جب بھی ان کو کوئی تحفہ دیا جاتا تو کہتے اس کی کیا ضرورت تھی اور اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہتے ہوئے تحفہ قبول کرتے اور تحفہ کی بہت تعریف کرتے۔

چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے جماعت کا کام سپرد کیا ہوا تھا۔ اس لئے ان کو یہ احساس تھا کہ جماعت کے کام اور وقت میں حرج نہ ہو۔ اس کے باوجود یہ کہ بیٹی سے تین سال کے بعد اور داماد اور نواسے اور نواسی سے پہلی بار ملنا تھا۔ یہ گوارہ نہ کیا کہ کراچی یا ربوہ آکر ملاقات کریں۔ اس لئے ہم کوئٹہ میں جاکر ان کو ملے۔

خالو جان سے گفتگو اتنی دلچسپ اور پر علم ہوتی کہ ہم سب کا دل ہمیشہ ہی چاہتا کہ باتیں کرتے رہیں جب بھی ہمارے پاس تشریف لاتے اکثر مختلف موضوعات پر باتیں ہوتیں۔ بڑے دلچسپ زندگی کے واقعات بیان کرتے۔ ایک دفعہ

کہنے لگے کہ زندگی وقف کرنا اور نبھانا بہت کٹھن ہے ایک واقف زندگی کو ہر وقت دعا کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے مدد مانگتے رہنا چاہئے کہ خدا کسی قسم کی آزمائش میں نہ ڈالے اور خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے وقف کا عہد بہترین رنگ میں زندگی بھرپورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خالو جان نے زندگی نہایت سادگی میں گذاری کبھی کسی بچے پر بوجھ نہ ڈالا حتیٰ کہ جب امریکہ اور کینیڈا میں رہائش پذیر تھے اور بچوں کو ٹیلی فون کرتے تو مختصر بات کرتے بلکہ اپنی اہلیہ صاحبہ کو بھی کہتے کہ مختصر بات کرو بچوں کا ٹیلی فون کا بل زیادہ آجائے گا۔ غریب طلباء کی ہمدردی کا جذبہ تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ہمیشہ کوشش کرتے کہ کسی طرح جامعہ کے طلباء کا وظیفہ بڑھ جائے اور اکثر غریب طلباء کی شادی میں امداد کرتے۔ اپنے بچوں کو لکھتے کہ فلاں طالب علم کی شادی ہے اگر ہو سکے تو شادی کے اخراجات کے لئے کچھ رقم بھجوا دیں اور ہمیشہ ان کے بچے انکی خواہش کے مطابق حسب توفیق رقم خالو جان کو بھجوا دیتے۔

بچوں کی خوشی اور آسائش کا خیال رکھتے خواہ اس کے لئے خود کتنی ہی تکلیف برداشت کرنی پڑے۔ ۱۹۷۸ میں جب میں دوبارہ ایران سے امریکہ بمعہ فیملی گیا تو میری اہلیہ کافی بیمار ہوگئیں اس وقت خالو جان کے سب بچے مختلف ممالک میں تھے اور ربوہ میں خود اور اہلیہ ہی بڑے مکان میں رہ رہے تھے جہاں کبھی سات بچوں کے ساتھ ہمیشہ شور و غل پڑا رہتا تھا۔ میرے امریکہ میں جانے کے کچھ عرصہ بعد میری اہلیہ اچانک بیمار ہوگئیں تو انکی والدہ امتہ الرشید شوکت صاحبہ کو امریکہ بھجوا دیا اور خود تقریباً ایک سال ربوہ میں اکیلے رہے۔ اور کبھی نہیں لکھا کہ جلد آؤ بلکہ ہمیشہ یہی لکھتے کہ جب بیٹی کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے تو آئیں بچوں سے بہت پیار رکھتے تھے۔ ان کی خوشیوں کا ہمیشہ خیال رکھتے جب سب بچے پاکستان سے باہر چلے گئے تو جب بھی کسی بچے کا خط آتا تو اپنے خط کے ساتھ وہ بھی ہمیں بھجوا دیتے اور کہتے کہ پڑھ کر آگے دوسرے بہن یا بھائی کو بھجوا دیں۔ اس طرح ہر ایک کے حالات کا علم ہوتا رہتا تھا اور خصوصاً خالو جان کے خطوط پڑھ کر ہمیشہ بہت مزا آتا تھا۔ طرز بیان نہایت شگفتہ تھی۔ ربوہ میں اپنے مکان میں لگے درختوں اور پھلوں کا ایسا ذکر کرتے تھے جیسے کسی حسین و جمیل باغ میں رہتے ہیں۔ ہم جب ایران میں تھے جلسہ سالانہ کی تقاریر کی ٹیپ بڑی محنت سے تیار کرواتے جلسہ سالانہ کے فوراً بعد ہمیں بھجواتے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ ہم بھی جلسہ میں شامل ہیں۔

محترم خالو جان کو سیر و سیاحت کا بے حد شوق تھا اور خدا نے انہیں خوب سیر کروائی۔ انگلینڈ، کینیڈا اور امریکہ میں

بقیہ صفحہ 140 پر

محبّت و انکسار کا پیکر

استاذی المکرم حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب

(مکرم محمد آصف طاہر صاحب۔ کنری سندھ)
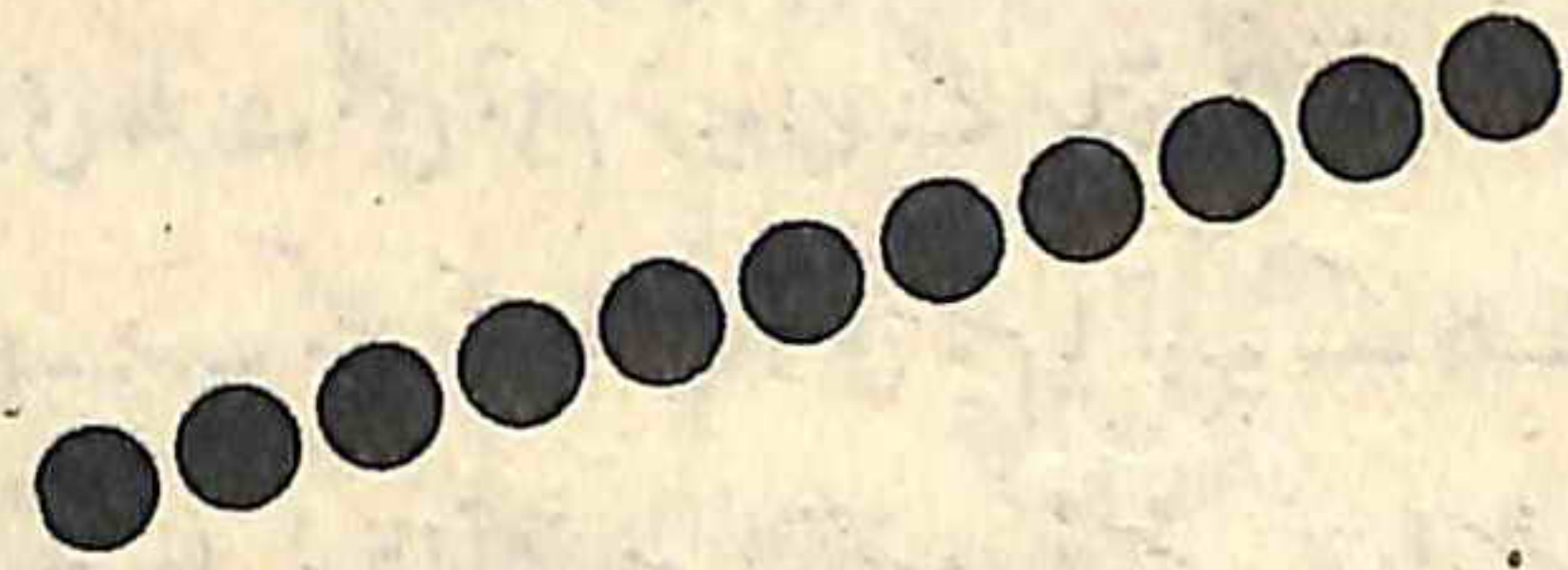
جب ماضی قریب کو ذہن کی سکرین پر اجاگر کرنے کی کوشش کی اور ان میں سے حسین یادوں کا انتخاب کیا اور ان سنہرے لمحات کو آنکھوں کے سامنے لانے کی کوشش کی تو جامعہ احمدیہ کے دوست احباب اور محبت و شفقت کرنے والے نہایت ہی پیارے اساتذہ چشم زدن میں سامنے آ گئے۔ انہی میں سے ایک نہایت ہی منفرد اور نمایاں چہرہ بھی نظروں کے سامنے پھرنے لگا جس کو ہردم مسکراتے ہی پایا۔ شاید ہی کبھی اس میں غصہ کے آثار نظر پڑے ہوں۔

آپ ہمہ گیر صفات کے مالک تھے' عالم باعمل' سادہ' منکسر المزاج' خوش مزاج' رحمدل' مشفق و مہربان ان کے علاوہ جہاں دیگر اعلیٰ صفات کے مالک تھے وہاں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے منتظم و مربی اور نگران تھے۔ آپ کی شخصیت کا ایک نہایت اعلیٰ وصف جو ہمہ وقت دیکھنے میں آتا تھا وہ ہر وقت مسکراتے رہنے کی عادت تھی۔ جب کبھی آپ کے چہرہ کی طرف نظر اٹھتی تو نہایت لطیف سی مسکراہٹ استقبال کرتی اور یہ ہر جگہ دیکھنے میں آتا۔ وہ اسمبلی میں کھڑے ہونے کا اتفاق ہو یا کلاس روم میں جانے کا موقع' جیسے ہی آپ کے چہرہ پر نظر پڑتی وہی دلنشین مسکراہٹ دیکھنے کو ملتی اور اس کے ساتھ ہی نظر نہایت ہی مومنانہ فراست کی غماز۔ کسی طالب علم کا گریبان کھلا ہوا یا بوٹ بغیر پالش کئے ہوئے یا کوئی اور غلطی' آپ کی نظر شفقت سے بچ کر نہ گزر پاتے۔ جس میں کہ نہایت ہی اعلیٰ مربیانہ رنگ پایا جاتا تھا۔ لیکن کیا کہئے کہ پھر اسی دلنشین مسکراہٹ اور میٹھے بول کے جادو سے ایسی تصحیح فرماتے جو نفس کو مطمئن کرتے ہوئے دل کی اتھاہ گہرائی تک اثر کرتی۔ اس سحر انگیز مسکراہٹ کا اثر آج تک مسحور کئے ہوئے ہے۔ اس میں خواہ دفتری ملاقات کا منظر ہو یا کہیں سے گزرتے ہوئے دیکھنے کا اتفاق یا کہ زہ نصیب کلاس روم میں شرف تلمذ حاصل کرنے کی سعادت ہو' ذھن میں اسی دل کو موہ لینے والی سدا بہار مسکراہٹ کا تصور نمایاں رہتا ہے۔

کلاس روم میں پڑھانے کا انداز نہایت ہی دلچسپ اور پرکشش ہونے کے علاوہ وسعت پذیر اور عالمانہ ہوتا تھا۔ لیکن ساتھ کے ساتھ آسان فہم اور سادہ بھی' اگر صرف و نحو میں کسی لفظ کے متعلق بحث کرتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آپ ہی اس لفظ کے موجد ہیں کہ اس کی کنہہ و تاریخ سے

خوب واقف ہیں۔ اگر فقہ و تفسیر کی بات کرتے تو ہر مسئلہ میں ہر امام فقہ کا مسلک، علماء کا اختلاف اور صحیح مسئلہ کیا ہے۔ سب پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالتے کہ شاگرد خیال کرتا کہ یہ تو تاریخ فقہ تفسیر و حدیث اور صرف و نحو کا گویا انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں کمپیوٹر کی طرح ہر ضروری معلومات جمع ہیں۔ اور بیان کرنے کا انداز ایسا شاندار اور فہم کے قریب ترین کہ ذہن فوراً قبول کرتا اور وہ معلومات ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتیں۔

عاجزی و انکساری اور سادہ پن آپ کی ہر دلعزیز شخصیت کے نمایاں پہلو تھے۔ اور ان کا پرتو آپ کی شخصیت کے جملہ پہلوؤں پر حاوی تھا۔ لباس نہایت ہی سادہ مگر اجلا اور صاف پہنتے تھے۔ بات کرنے کا انداز نہایت سادہ و عام فہم ہوا کرتا اور ہر کسی سے نہایت محبت و انکساری سے ملتے اور بات پوری توجہ سے سنتے تھے۔ عجز و انکسار ایسا کہ ناواقف نہ جان سکتا کہ یہی اس ادارہ کے منتظم اعلیٰ ہیں۔

منتظم اعلیٰ ہونے کے ناطہ سے نہایت ہی زیرک اور مدبر لیکن رحمدل تھے کہ ہر طالب علم کی اخلاقی، علمی اور ظاہری حالت پر خاص نظر رکھتے تھے۔ کسی بھی لحاظ سے کسی کو کمزور پاتے تو خاص توجہ سے اور خود مدد فرماتے تھے۔ اگر مالی لحاظ سے کسی کو کمزور دیکھتے تو فوراً مدد فرماتے اور دلجوئی کرتے اور احساس کمتری سے بچانے کی کوشش کرتے اسی طرح کسی کی صحت کمزور دیکھتے تو فوراً اسے ایک ایک دو دو ماہ کی پرچی دودھ کی دیتے کہ تم میرے کھاتہ سے ٹک شاپ سے روزانہ دودھ پیا کرو اور اگر علمی لحاظ سے کمزوری دیکھتے تو فوراً بلواتے اور ایک مہربان و شفیق باپ کی طرح سمجھاتے اور پھر کسی استاد محترم کے سپرد کرتے کہ اس پر خاص توجہ دی جائے۔ غرض ہر طرح سے انتہائی کوشش فرماتے کہ کسی والدین کا بچہ بھی یہاں سے ناکام نہ جاوے بلکہ سلسلہ کے واسطے مفید وجود بنے۔

تربیتی نقطۂ نگاہ سے جو خاص بات آپ کی شخصیت کو ممتاز کرتی ہے وہ ہر ایک کے ساتھ بے تکلفانہ تعلق تھا۔ انہی پیاری خوبیوں میں سے ایک اکرام ضیف اور مہمان نوازی کی پیاری عادت بھی تمام خوبیوں کے ساتھ احسن طور پر موجود تھی۔ جب کبھی بھی اپنے ذاتی کام یا آپ کے بلانے پر آپ کے گھر جانے کا اتفاق ہوتا تو ضرور بیٹھنے کے واسطے کہتے اور چائے کے بغیر نہ آنے دیتے باوجود اس کے کہ ہم طبعی حجاب اور شخصیت کے رعب کی وجہ سے کوشش کرتے کہ جلد فارغ ہو کر واپس ہوں۔ ایک واقعہ تو اب بھی خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپ کسی کام سے ربوہ سے باہر تشریف لے گئے تو آپ کے گھر نگرانی لئے خاکسار اور ایک دوست کو ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ ایک دن کافی رات گئے آپ تشریف لائے اور کافی دیر دروازہ کھٹکھٹاتے رہے۔ کافی دیر بعد آنکھ کھلی تو ہم نے خیال کیا نجانے کون ہے۔ اس لئے بڑے رعب سے پوچھا "کون؟" کیا کام ہے؟۔ لیکن جب آپ کی آواز سنی تو گھبرا گئے کہ اب کہ ضرور اس گستاخی پر ڈانٹ پڑی کہ پڑی۔ لیکن جیسے ہی دروازہ کھولا آپ نے "السلام علیکم" کہا اور ساتھ ہی فرمایا آپ کو بے وقت زحمت ہوئی۔ گہری نیند سو رہے تھے شاید!۔ اس چھوٹے سے فقرہ سے سارا خوف زائل ہو گیا۔ صبح نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر جیسے ہی جانے کے لئے اجازت چاہی تو فرمایا نہیں۔ ناشتہ کئے بغیر نہیں جانا اور پھر خود ہی ٹوسٹ وغیرہ گرم کرنے لگے۔ جس پر ہم نے بہ اصرار درخواست کی کہ ناشتہ ہم تیار کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ساتھ

بقیہ صفحہ 111 پر

☆ نوٹ :- ....

☆☆

اگلے صفحات پر جو مضمون آپ پڑھیں گے اس مضمون کے لئے واقعات ان احباب و بزرگان سلسلہ کے مضامین سے لئے گئے ہیں۔ جوانہوں نے حضرت ملک صاحب کی سیرت پر مشتمل اپنی یادوں کے حوالے سے ادارہ خالد کو ارسال کئے۔ واقعات میں تکرار سے بچنے کے لئے ان تمام مضامین کو یکجائی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ادارہ خالد مکرم برادرم خواجہ ایاز احمد صاحب کا ممنون ہے جنہوں نے بڑی محنت سے اس کو ایک مضمون کی صورت میں مرتب کیا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

ذیل میں ان احباب کے نام بھی بغرض دعا لکھے جا رہے ہیں جن کے مضامین سے انتخاب کیا گیا ہے۔

"فجزاہم اللہ احسن الجزاء"

☆ مکرم ملک جمیل الرحمان صاحب رفیق ۔ ☆ مکرم مولانا محمد اسماعیل صاحب منیر۔ ☆ مکرم صوفی محمد اسحاق صاحب۔ ☆ مکرم خلیفہ صباح الدین صاحب۔ ☆ مکرم سید منصور احمد صاحب بشیر یوگنڈا۔ ☆ مکرم اقبال احمد صاحب نجم ۔ ☆ مکرم مبارک صاحب قمر فجی۔ ☆ مکرم رانا تصور احمد خان صاحب۔ ☆ مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب۔ ☆ مکرم ملک سعید احمد صاحب رفیق ۔ ☆ مکرم جاوید احمد صاحب جاوید ۔ ☆ مکرم مبشر احمد صاحب طارق ۔ ☆ مکرم ارشاد احمد خان صاحب۔ ☆ مکرم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب طاہر۔ ☆ مکرم خالد محمود سدھو صاحب۔ ☆ مکرم مظفر احمد صاحب درانی کینیا۔ ☆ مکرم محمد اقبال صاحب عابد ۔ ☆ مکرم پروفیسر راجا نصر اللہ خان صاحب ربوہ۔ ☆ مکرم مظفر محمود احمد صاحب سپین۔ ☆ مکرم تنویر احمد صاحب شاہد۔ ☆ مکرم مظفر احمد صاحب خالد سیرالیون۔ ☆ مکرم وسیم احمد صاحب سروعہ۔ ☆ مکرم امیر علی صاحب ٹھیکیدار ٹک شاپ جامعہ احمدیہ۔

حسین و دلربا وجود

(ترتیب مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب شاہد)

گلشن ہست و بود میں رنگا رنگ پھولوں کی صورت میں ہمیں جو نیرنگی قدرت نظر آتی ہے اس میں ہر پھول اپنی ایک خاص خوشبو' ایک تاثیر' ایک رنگ اور ایک خوبصورتی و رعنائی رکھتا ہے۔ مگر بعض پھول ایسے ہوتے ہیں کہ ہر دیکھنے والی نگاہ سے داد پاتے ہیں حتی کہ کبھی انہیں مسحور کر دیتے ہیں۔ ان مدح و توصیف کرنے والوں کی نظر کبھی تو اس پھول کو مختلف زاویوں سے دیکھتی ہے اور کبھی ان سب کا زاویہ نگاہ مشترکہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن جب خود باغبان کسی پھول کو دوسروں کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ محبوب رکھتا ہو کہ وہ اس کی ظاہری و باطنی خوبیوں سے زیادہ تر آشنا ہوتا ہے تب گو وہ پھول ان دوسری نگاہوں کی مدح و توصیف کا محتاج نہیں رہ جاتا لیکن وہ اپنی اپنی بساط کے مطابق اس کی تعریف کر کے اپنے اپنے تعلق اور اپنی اپنی لطیف حس اور ادراک کا ثبوت دیتی ہیں۔

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب بھی گلشن احمد کے وہ گل رعنا تھے جس کی ابتداء تو اگرچہ ایک دوسری سرزمین میں ہوئی تھی مگر جب وہ ایک صالح زمین میں ایک لائق باغبان کی نگرانی میں منتقل ہوا تو اس نے وہ بہار دکھائی کہ ہر ایک نے اس کی رونق کا اعتراف کیا۔ ایک عرب شاعر اپنے عظیم ممدوح کی تعریف کرتے ہوئے اس کے ساتھ اپنی وابستگی کو اپنے لئے باعث فخر قرار دیتے ہوئے کچھ یوں لکھتا ہے کہ جب تک وہ زندہ رہا کبھی بھی اس کا مقام کم تر نہیں رہا بلکہ وہ ہمیشہ رفعت نشین ہی رہا۔ اور اس سے تعلق میرے لئے موجب عزت تھا اور اب جب کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہا تو میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ مجھے اس کے ذکر حسن کی توفیق مل رہی ہے۔

زیر نظر مضمون بھی حضرت ملک صاحب کے ان تلامذہ کی یادوں سے ترتیب دیا گیا ہے جو آپ سے وابستگی اور تعلق کی یادوں کے سرمایہ کو اپنے لئے فخر کا موجب سمجھتے ہیں لیکن نہ تو حضرت ملک صاحب کی شخصیت چند ایک حسین پہلوؤں میں محدود تھی نہ ہی آپ کو یاد کرنے والے کم ہیں مگر یہاں ان میں سے بعض کے سرمایہ فخر کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔ ایک حسین محسن کے قدر شناسوں کی تحریروں سے ایک ایسا مختصر گلدستہ تیار کرنے کی سعی کی گئی ہے جس میں

اسی ایک پھول کی ایک ایک پتی پورے پھول کی رونق و بہار دکھا رہی ہے۔

O مکرم خالد محمود سدھو صاحب لکھتے ہیں۔

"محترم ملک صاحب کا نام جونہی ذہن میں آتا ہے تو ایک ایسے شخص کا نقشہ ابھر کر سامنے آتا ہے جو ہمیشہ اپنے مشن کے اعتبار سے زندہ کی یادوں کی سہک سے دل و دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ آپ ویسے تو ایک پرنسپل تھے لیکن دل اس بات کا اقرار اور برملا اظہار کرتا ہے کہ وہ حقیقی باپ سے بڑھ کر شفیق تھے۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ ایک بہترین اور دلکش دوست بھی تھے۔ یہ رائے کوئی میری ذاتی رائے نہیں بلکہ جامعہ احمدیہ کے سب طلباء جو ملک صاحب کے دور میں موجود تھے سب کی بیک زبان یہی رائے ہوگی کہ آپ بے شمار اوصاف حسنہ سے مزین تھے اور ان گنت خوبیوں کے مالک تھے۔ نہایت ہی شائستہ اور نرم کلام کرتے مگر مدلل اور نصائح سے پر جو دلوں پر ایسا اثر چھوڑتا کہ دل پہلے قائل ہوتے پھر مائل بالاخر گھائل ہو جاتے۔ آپ چلنے میں آہستہ مگر پروقار ذرا بھی آہٹ کانوں کو سنائی نہ دیتی۔

حقیقتاً وہ ایک ایسی ہستی تھی جس کا ذہن علم کی دولت سے مالا مال تھا۔ قلب و نظر اس قدر وسیع تھے کہ ایک جہان تھا۔ کام کرنے کی استطاعت اور رہنمائی کرنے کی صلاحیت سے معمور تھے۔ جب سختی فرماتے تب بھی نرمی و شفقت نمایاں نظر آتی۔ جب انتہائی نرمی اور شفقت کا مظاہرہ کرتے تو سامنے والا آنکھیں نیچے کر لیتا اور شرم کے مارے پانی پانی ہو جاتا۔ اس لئے کہ ان کی شفقت میں رعب اور محبت اور نصیحت کی چاشنی بھی ہوتی۔ ان کی ہر بات ایک سوالیہ نشان ہوتی جس کی وجہ سے سینکڑوں جوابات ذہن میں خود بخود پیدا ہوتے چلے جاتے۔ سوچنے والا سوچتا رہتا اور اس طرح غلطیوں کا ازالہ اور وہموں کا علاج اور قول و فعل کی اصلاح ہوتی جاتی۔ پس ملک صاحب کے پاس یہ ایک جادو تھا کہ سوچ پر حملہ آور ہوتے۔ سوچ کو درست کرتے جس کے نتیجہ میں اصلاح ہوتی چلی جاتی۔ مراد یہ کہ ان کی نصائح سوچنے پر مجبور کر دیتی تھیں جس سے قلب و نظر قول و فعل کا محاسبہ ہو جاتا۔"

O مکرم مبارک احمد صاحب قمر (مربی نجی)

وہ خوش نصیب ہیں جن سے خصوصی تعلق محبت کی بناء پر ان کی شادی کے موقع پر اس وقت کے پرنسپل جامعہ احمدیہ حضرت میر داؤد احمد صاحب نے خصوصی انتظام کر کے ڈھولک بجوائی تھی۔ ان کی شادی میں جامعہ احمدیہ کے تمام اساتذہ نے، جن میں حضرت ملک سیف الرحمان صاحب بھی شامل تھے، شرکت کی تھی۔ آپ حضرت ملک صاحب کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"استاذی المکرم حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم میرے فقہ اور حدیث کے استاد رہے ہیں آپ کی سحر انگیز اور دلربا شخصیت سے بلاشبہ جامعہ احمدیہ کا ہر ایک طالب علم متاثر تھا۔ آپ دراز قد، خوبصورت، نفیس نورانی اور

روحانی کشش رکھنے والے بزرگ تھے صاف ستھرے مگر سادہ لباس میں ملبوس رہتے ہر چھوٹے بڑے سے خندہ پیشانی اور بشاشت سے ملتے۔"

O مکرم مظفر احمد خالد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"خاکسار ۱۹۸۲ء میں جامعہ احمدیہ میں داخل ہوا۔ اگرچہ زیادہ موقع ملک صاحب کو قریب سے دیکھنے کا تو نہ مل سکا تاہم اس عرصہ میں خاکسار نے محترم ملک صاحب کو نہایت سادہ طبیعت' کم گو' ہمیشہ مختصر اور جامع بات کرنے والا پایا۔ اپنے طلباء کے ساتھ بہت شفقت کا سلوک کرتے۔ کسی کو کوئی مشکل ہوتی تو اپنے آپ کو مشکل میں ڈال کر بھی اس کی ضروریات کو پورا کرتے۔ طلباء کو اگر کسی وقت سزا دیتے تو ہمیشہ نرمی کا پہلو مد نظر رہتا۔"

O مکرم ملک سعید احمد رشید صاحب اپنے ملاحظات کو یوں بیان کرتے ہیں کہ۔

"خاکسار کو ایک لمبا عرصہ آپ کی شاگردی کا موقع ملا۔ اور بحیثیت پرنسپل بھی آپ کو دیکھا۔ اس طرح نہایت قریب سے آپ کے اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ محترم ملک صاحب نے نہایت سادہ اور مجسم عجز و انکسار والی طبیعت پائی تھی اور انہی اوصاف حمیدہ والی زندگی آپ نے گذاری۔ تکبر و غرور نام کو نہ تھا۔ نمود و نمائش سے کوسوں دور تھے۔ حلم و بردباری کے پیکر تھے اور رحملی کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا"۔

O مکرم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب طاہر نے اپنی یادوں کو یوں سمیٹا ہے۔

"مالی طور پر کمزور طلبہ کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ اس مقصد کے لئے آپ ذاتی طور پر بعض اساتذہ اور طلبہ کو بلا کر مستحق طلبہ کی اس طرح مدد فرماتے کہ اس طالب علم کو قطعاً احساس نہ ہوتا کہ اس کی غربت کی وجہ سے یہ مدد ہو رہی ہے بلکہ وہ پرنسپل کی طرف سے نوازش سمجھتا اس طرح آپ مدد بھی فرماتے اور عزت نفس بھی مجروح ہونے سے بچاتے۔"

☆ طلبہ پر شفقت و مہربانی

جامعہ احمدیہ میں طلبہ سے تعلق کے حوالہ سے آپ کی شخصیت کا جو پہلو سب سے پہلے اور سب سے نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے وہ آپ کی شفقت و مہربانی ہے۔ جس کا منبع یقیناً آپ کے صاف اور محبت کرنے والے دل میں رحمت اور خیر خواہی کا خداداد موجزن سمندر ہی تھا۔ کیونکہ آپ کی نرمی کے پیچھے بھی حلم کار فرما نظر آتا تھا اور آپ کی سختی میں بھی آپ کے پیار کی عکاسی تھی۔

O مکرم ریاض محمود صاحب باجوہ لکھتے ہیں۔

"۱۹۷۴ء میں خاکسار زندگی وقف کر کے جامعہ احمدیہ میں داخل ہوا تو ملک صاحب سے شناسائی ہوئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ سے میرا ذاتی تعلق اور تعارف پیدا ہوتا چلا گیا۔ آپ کی عنایات اور لطف و کرم کے واقعات آپ کی نیک سیرت' اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کی عکاسی کرتے ہیں۔ میرے لئے یہ واقعات ناقابل فراموش ہیں۔ جن کی وجہ سے میرے دل میں آپ کا مرتبہ اور مقام آپ کی عزت اور احترام بڑھتا چلا گیا۔

۱۹۷۸ء میں جب میں نے ۱۸۰ کلو میٹر کا پیدل سفر جو کہ جامعہ احمدیہ کے پروگراموں کا لازمی حصہ ہوتا تھا مکمل کیا تو میں بیمار ہو گیا۔ میں نے اپنی اس بیماری کا ملک صاحب سے ذکر کیا تو آپ نے مجھے تسلی دی اور کہا کہ آپ جہاں سے چاہو علاج کراؤ۔ خرچ میں دوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنے طب کے استاد مکرم حکیم محمد اسلم صاحب فاروقی سے رابطہ کیا اور علاج شروع کیا۔ مکمل آرام آنے تک علاج معالجہ کا تمام خرچ ملک صاحب ادا کرتے رہے۔ جامعہ کے تمام طلباء کا اسی طرح آپ خیال رکھتے۔ آپ کی ہمدردیاں سب کے لئے یکساں ہوتیں۔"

O مکرم جاوید احمد صاحب جاوید لکھتے ہیں۔

"خاکسار جامعہ احمدیہ میں داخل ہوا۔ تو جلد بعد ہی ایک بیماری نے آلیا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ کیا ہے۔ کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ ساتھیوں نے علاج کے لئے گھر بھجوا دیا۔ وہاں ممکنہ علاج کیا گیا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ تو والد صاحب خاکسار کو لے کر محترم ملک صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے نہایت شفقت سے میرا حال دریافت فرمایا۔ میں نے اپنی علامات عرض کیں تو آپ فرمانے لگے آپ آج ہی شام مکرم ڈاکٹر لطیف احمد صاحب قریشی کے گھر عصر کے بعد ان سے ملیں اور انہیں فیس دیں اور آنمکرم نے اس غرض کے لئے فیس سے زائد رقم عنایت فرمائی۔ خاکسار حسب ارشاد ڈاکٹر صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے تفصیلی معلومات حاصل کیں اور بالآخر مرض تشخیص کر لیا اور علاج شروع کر دیا۔ علاج کے سلسلہ میں خاصے اخراجات اٹھ رہے تھے جو محترم ملک صاحب بڑی شفقت سے برداشت فرماتے رہے۔"

O آپ کی شفقت اور دلجوئی میں ایسا جذبہ تھا کہ بڑے سے بڑے صدمہ پر بھی کارگر مرہم کی طرح تھا۔ مکرم اقبال احمد نجم صاحب لکھتے ہیں۔

"مجھے یاد ہے میری والدہ کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہوا کافی صدمہ تھا۔ مکرم ملک صاحب نے مجھے کچھ اس طرح سے دلاسا دیا کہ میری آنکھوں کی گنگا جمنا تھم گئی۔ بڑے پیار سے فرمانے لگے نجم صاحب صبر کریں۔ بلانے والا جانے والے سے بھی زیادہ پیارا ہے۔ میں بھی یہ جانتا تھا مگر جذبات پر قابو نہیں آ رہا تھا۔ لیکن آپ کے کہنے میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ جذبات قابو میں آ گئے اور جب آپ کی وفات کی اطلاع ملی تو آپ کے یہی الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے "بلانے والا جانے والے سے بھی زیادہ پیارا ہے"۔

طالب علم خواہ جامعہ احمدیہ میں بالکل نووارد ہو یا کسی بڑی کلاس کا ہو؛ حضرت ملک صاحب کی شفقت ہر ایک کو یکساں جذب کرتی تھی۔ نیا آنے والا طالب علم بھی آپ کی شخصیت کے اس خاص پہلو کو کسی کے بتائے بغیر خود ہی پہچان سکتا تھا۔

O مکرم مظفر محمود احمد صاحب مربی سلسلہ سپین لکھتے ہیں:

"حضرت ملک صاحب مرحوم سے میرا قریبی تعارف اس وقت ہوا جب ستمبر ۱۹۸۰ کے شروع میں میں جامعہ احمدیہ میں داخل ہونے کے لئے گیا۔ دیگر اساتذہ کے ساتھ ملک صاحب مرحوم بھی طلبہ کا انٹرویو لے رہے تھے دھیمی طبیعت' مشفقانہ انداز' گفتگو میں تحمل اور بردباری جھلکتی تھی۔ جامعہ احمدیہ میں داخلہ کے بعد مجھے (تقریباً تین سال تک) اس وقت تک آپ کا طالب علم رہنے کا موقع ملا جب تک کہ آپ بیرون ملک تشریف نہیں لے گئے۔"

حضرت ملک صاحب مرحوم کا اپنے طالب علموں سے تعلق باپ بیٹے کا سا تھا ہر طالب علم سے ذاتی حالات تک کی واقفیت رکھتے تھے اس کی ذاتی ضروریات پوری فرماتے اور ہر طالب علم کی ضرورت اس کی عزت نفس کا خیال رکھتے ہوئے پوری کرتے۔"

O مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب آپ کی شفقت کے ایک اور انداز کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"آپ مختلف رنگ میں طلبا کی دل جوئی بھی کرتے رہتے ایک دفعہ دوران تدریس مجھے آپ کا پیغام ملا کہ ملک صاحب نے دفتر طلب کیا ہے۔ مجھے تشویش ہوئی۔ سوچا شاید کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ وقفہ ہوا تو میں آپ کے پاس دفتر حاضر ہوگیا۔ آپ نے اپنے پاس پڑی ہوئی کرسی پر مجھے بٹھالیا اور حال احوال پوچھنے لگے میں ابھی تک اس کشمکش میں تھا کہ پتہ نہیں کیا بات ہے اور کیوں بلایا ہے؟ اتنے میں دفتر کا ایک کارکن چائے لے کر آگیا ساتھ کچھ بسکٹ تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ باجوہ صاحب چائے پئیں میں نے آپ کو اسی لئے بلایا ہے۔ بس آپ میرے لئے دعا کیا کریں۔ میں بہت حیران ہوا اور میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ سوچا کہاں میں اور کہاں آپ کی یہ شفقت۔"

O مکرم ارشاد احمد خان صاحب نے اپنی یادوں کو یوں سمیٹا ہے۔

"آپ ہمیشہ طلبا سے بہت پیار اور محبت سے پیش آتے تھے اور ان کے ہر مسئلے کو ذاتی مسئلہ سمجھ کر حل فرمایا کرتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی طالب کو کوئی مسئلہ پیش ہوا ہو اور اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ پیش کیا ہو اور وہ مسئلہ ملک صاحب نے حل نہ کیا ہو۔ بعض دفعہ کسی طالب علم کو پریشان دیکھتے تو خود اس طالب علم کو اپنے دفتر میں بلاتے اس کی خاطر تواضع چائے اور بسکٹوں سے کرتے اور بہت پیار محبت سے اس کی پریشانی معلوم کرتے اور اس کی پریشانی حتی الوسع دور فرماتے جو طالب علم پریشانی کی حالت میں آپ کے دفتر میں داخل ہوتا جب واپس جاتا تو ہشاش بشاش ہوتا اور ایسا لگتا کہ اس کو کبھی پریشانی تھی ہی نہیں۔

عموماً عید کے دن ناصر ہوسٹل میں تشریف لاتے اور صبح کا ناشتہ ہوسٹل میں موجود طلباء کے ساتھ کرتے اور ناشتہ کے بعد تمام طلبا اور میس (mess) کے کارکنوں کو عیدی دیتے اور سب کے ساتھ معانقہ کرتے اور عید مبارک کہتے اس طرح وہ طلباء جو ناصر ہوسٹل میں گھروں سے دور ہوتے وہ گھر کی کمی محسوس نہیں کرتے تھے۔"

شوق سے محنت کرنے والوں پر آپ کی خاص نوازشات جاری رہتیں تاکہ ان کے جذبہ کی قدردانی بھی ہو اور ساتھ اس جذبہ کو مہمیز بھی ہو۔

O مکرم ظفر اللہ خان صاحب طاہر لکھتے ہیں۔

"خاکسار کو بی اے کے امتحان کے سلسلہ میں دو تین مرتبہ لاہور جانا پڑا۔ ایک مرتبہ آپ سے رخصت حاصل کرنے کے لئے آپ کے دفتر حاضر ہوا تو آپ نے خود ہی ایک چٹ بنا کر اکاؤنٹنٹ جامعہ کے نام دی اور مجھے فرمایا کہ جانے سے قبل اکاؤنٹنٹ سے ایک سو روپیہ لیتے جانا۔ خاکسار جب اکاؤنٹنٹ صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے پس و پیش کی۔ چونکہ وقت کم تھا اور مجھے لاہور کے لئے نکلنا تھا۔ اس لئے میں اکاؤنٹنٹ کے ساتھ طویل بات کی بجائے مکرم ملک صاحب کے پاس پھر حاضر ہوا کہ اکاؤنٹنٹ صاحب تو دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اس پر آپ خود اٹھے اور اکاؤنٹنٹ کے پاس تشریف لائے اور انہیں کہا جب میری چٹ آئی ہے تو آپ انہیں رقم دے دیں۔ آپ کیوں انہیں دیر کروا رہے ہیں؟ جو بھی مسئلہ ہے وہ آپ بعد میں میرے ساتھ طے کر سکتے ہیں اور فرمایا کہ اب بلا تاخیر پہلے انہیں یہ رقم دیں اور پھر میرے ساتھ بات کریں۔ اور اس طرح اکاؤنٹنٹ صاحب کو یہ رقم دینا پڑی۔ اسی طرح ایک اور مرتبہ مجھے جب اسی سلسلہ میں لاہور جانا پڑا تو مجھے فرمایا جانے سے قبل مجھے گھر پر مل کر جانا۔ میں نے سوچا کوئی چیز لاہور بھجوانی یا منگوانی ہوگی۔ جامعہ میں چھٹی کے بعد جب میں آپ کے گھر حاضر ہوا تو اندر آنے کا ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ پھر آپ نے ایک سو روپیہ نکالا اور مجھے دیا میں نے بہت انکار کیا اور معذرت کی کہ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ مگر آپ نے فرمایا بچے والدین سے لے لیا کرتے ہیں۔ اب انکار کی گنجائش نہ تھی۔ غرض اسی طرح کے شفقت اور محبت کے واقعات آپ کی پوری زندگی پر پھیلے ہوئے تھے اور آپ کے تمام متعلقین میں یہ واقعات آپ کے حوالے سے مل جائیں گے۔"

O مکرم خالد محمود سدھو صاحب نے آپ کی نوازشوں اور شفقتوں کی بہار میں سے ایک پیارا پھول ہمارے لئے بھیجا ہے۔ آپ بھی محظوظ ہوں۔ لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ ملک صاحب مرحوم نے جب کہ تحریک جدید کے کوارٹرز میں اکیلے رہائش پذیر تھے میرے ایک کلاس فیلو مکرم مبشر احمد صاحب خالد کو اپنے گھر بلایا فرمایا کہ کل آ کر میرے پودوں کی گوڈی کر دینا۔ اور ساتھ کسی اور طالب علم کو لے کر آنا۔ اگلے دن جمعرات کا دن تھا سردیوں کے دن تھے میرا نفلی روزہ تھا محترم مبشر احمد صاحب خالد نے مجھے

مطلع کیا کہ ملک صاحب نے گھر پر بلایا ہے لیکن یہ نہ بتایا کہ کیا کام ہے۔ ہم وہاں پہنچے اور ہلکا پھلکا کام تھا جو ہم نے ایک ڈیڑھ گھنٹہ میں کر لیا دوسری طرف ملک صاحب نے میز پر ہمارے لئے چار پانچ قسم کے ڈرائی فروٹ اور پھل کے علاوہ کچھ دیگر اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے یہ دیکھ کر ملک صاحب کی بجائے مبشر خالد صاحب کو عرض کیا کہ میرا تو نفلی روزہ ہے اور ملک صاحب کو بتاتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی کہ کہیں ڈانٹیں نہ کہ اگر روزہ رکھا تھا تو بتایا کیوں نہیں جب ملک صاحب کو پتہ چلا تو بہت افسوس کا اظہار کیا اور کہا پہلے بتا دیتے کہ روزہ سے ہوں۔ تاکہ آپ کو تکلیف نہ دی جاتی خیر ہم واپس جامعہ ہوسٹل آگئے شام کا وقت ہوا۔ خاکسار روزہ افطار کرنے کی غرض سے جامعہ ٹک شاپ پر پہنچا اور دودھ کے ساتھ کھانے کے لئے کوئی چیز لے کر افطاری کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک محترم خواجہ ایاز احمد صاحب جو کہ اب جامعہ کے استاد ہیں ایک بڑے سے لفافے کے ساتھ تشریف لائے جو اچھے خاصے فروٹ سے بھرا ہوا تھا اور کہا ملک صاحب نے روزہ افطار کرنے کے لئے آپ کو بھیجا ہے۔ میں نے خود بھی سیر ہو کر کھایا اور اپنے دوستوں کو بھی دیا۔ کوئی اس واقعہ کو معمولی سمجھے تو اس کی اپنی سوچ کی استعداد ہے یہ تو ملک صاحب کی شفقت اور اپنے بچوں سے بڑھ کر حسن سلوک کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یقین جانیئے میرے دل پر اس واقعہ کا اس قدر گہرا اثر ہے کہ گویا ملک صاحب نے میرے سینہ میں ایک پودا لگا دیا ہے جس کی وجہ سے میرا جسم مہک رہا ہے۔ جس سے ہر وقت ملک صاحب کی یاد تازہ رہتی ہے۔ اے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والے بہت شفیق اور پیارے وجود! اللہ کرے تو بھی جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر پھولوں اور پھلوں سے لدا رہے۔ آمین۔"

حضرت ملک صاحب کی شفقت اور پیار کی کشش تھی کہ طلبہ بے تکلفی سے (مگر آپ کے آرام کا خیال رکھتے ہوئے) آپ کے گھر بھی چلے جاتے۔ اور کبھی آپ خود انہیں گھر بلا لیتے۔ تب آپ اور بھی زیادہ مہربان ہوتے بلکہ خود فرماتے کہ یہ کلاس یا جامعہ نہیں آپ میرے گھر میں ہیں اور میرے بچوں کی طرح ہیں۔"

O مکرم مظفر محمود احمد صاحب مربی سپین ایک ایسی ہی یاد یوں دھراتے ہیں:۔

"میں نے ایک طالب علم کی حیثیت سے علم و عمل میں آپ کو ایک شفیق باپ کی طرح پایا۔ ہم طلبا اکثر مغرب کی نماز امام وقت کے پیچھے ادا کرنے کے لئے بیت المبارک جایا کرتے تھے تو محترم ملک صاحب کا گھر بھی راستہ میں پڑتا تھا۔ واپسی پر جب آپ کی طلباء پر نظر پڑتی شفقت سے گھر بلا کر موسم کے مطابق کھلاتے پلاتے اور فرماتے کہ اس وقت آپ میرے گھر میں ہیں کلاس روم میں نہیں۔ کئی دفعہ مجھے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے دوسرے ساتھیوں سمیت گھر بلایا۔ ایک مرتبہ شہد پیش کیا اور فرمایا کہ یہ امام کا تبرک ہے۔"

O ایسی ہی ایک اور خوبصورت یاد مکرم تنویر احمد صاحب شاہد نے اسلام آباد سے بھیجی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"یہ جامعہ میں میرا پہلا سال تھا اور سالانہ امتحانات قریب تھے۔ ہم لوگ روزانہ ہی مغرب کی نماز پڑھنے (بیت

مبارک جاتے تھے۔ ایک شام جب مغرب کی نماز بیت مبارک میں پڑھ کر واپس آ رہے تھے تو خاکسار مکرم برادرم عبدالرشید صاحب طاہر کے ساتھ تھا۔ مجھے ذاتی طور پر تو ایسی جرأت نہ تھی کہ میں ملک صاحب مرحوم کے گھر اکیلا چلا جاتا۔ رشید صاحب نے کہا کہ ملک صاحب کو امتحانات میں کامیابی کے لئے دعا کی درخواست بھی کرتے ہیں اور ملاقات بھی کرتے ہیں۔ میں نے اس بات کو پسند کیا اور ہم دونوں ملک صاحب مرحوم کے گھر پر حاضر ہوگئے۔ ملک صاحب مرحوم نے ہمیں بٹھایا اور خود اندر گھر میں تشریف لے گئے اور نہایت ہی شیریں اور ٹھنڈی انجیروں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری لا کر ہمارے سامنے رکھ دی۔ پھر ملک صاحب مرحوم شربت لے آئے اور ہم دونوں کو کہا کہ خوب کھاؤ پیو۔ پھر ہم نے جب اجازت چاہی تو فرمانے لگے کہ اچھا ٹھہرو اندر گئے اور واپس آکر ایک لفافہ مجھے اور ایک برادرم عبدالرشید صاحب طاہر کو دیا اور فرمایا میں نے تمہیں انجیریں کھلا دی ہیں جو بہت گرم ہوتی ہیں اور موسم بھی گرمیوں کا ہے۔ آپ لوگوں کے امتحانات بھی ہیں۔ یہ میری طرف سے دودھ پی لینا۔ مکرم عبدالرشید صاحب نے تو اپنا لفافہ پکڑے رکھا میں نے اس لفافے کی حقیقی قدر کو نہ پہچانا اور لینے سے معذرت کرتے ہوئے واپس دینا چاہا تو آپ نے بڑے پیار سے فرمایا کہ بڑوں کا دیا ہوا تحفہ واپس نہیں کیا کرتے۔ محبت سے لے لیتے ہیں۔ اس لفافے میں جہاں تک مجھے یاد ہے ۲۵ یا ۳۰ روپے تھے اور ایسا ہی لفافہ عبدالرشید صاحب کو بھی دیا تھا۔ لفافے کی قیمت تو ایک طرف ہمارے لئے تو اصل دینے والا ہاتھ بے حد قیمتی اور پیارا تھا اس لئے رقم کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن یہ ذکر بھی ملک صاحب مرحوم کی سیرت پر روشنی ڈالتا ہے اس لئے لکھا ہے۔

جب ہم ملک صاحب کے گھر میں ان کی مہمان نوازی سے بڑھ کر شفقت سے لطف اندوز ہو رہے تھے تو ملک صاحب نے گھر میں پانی کی قلت کا تذکرہ کیا جس کا ربوہ کے باسیوں کو اکثر تجربہ ہوتا رہتا ہے اور فرمایا کہ میں ہر روز سقہ سے پانی نہیں خریدتا وہ بہت مہنگا پڑتا ہے اور تیسرے دن اس سے پانی ڈلواتا ہوں۔ میں آج بھی حیران ہوں کہ وہ ایسا کفایت شعار وجود تھا کہ اپنے لئے پانی پر بھی پابندی تھی اور نجانے ہماری طرح کے کتنے لوگ اس ایک مہینے میں آپ سے یہ فیض و برکت لے کر گئے ہوں۔ پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے اگر اور کوئی بھی نہ آیا ہو جو کہ ناممکن ہے تو ہمیں عطا کی جانے والی رقم سے اپنے گھر پانی کی ہر روز دو مشکیں ڈلواتے تو یقیناً یہ پیسے کفایت کر جاتے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء آپ واقعتاً ایسا وجود تھے جو "مُلکٌ کَرِیم" تھے بلکہ یقیناً فرشتوں کو اس ملک پر ناز ہوگا۔ الھم اغفرلہ وارحمہ وارفع درجاتہ فی اعلی علیین۔"

آپ کی شفقت اور احسان کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ آپ اپنے طلبہ پر گہری نظر رکھتے تھے اور اپنی خدا داد چشم بصیرت سے اس کی کیفیات' جذبات اور ضروریات کو اس کے چہرے اور اسکے چلنے پھرنے سے ہی معلوم کر لیتے تھے۔ ممکن ہے کہ کبھی کوئی ظاہری ذریعہ و وسیلہ بھی کسی جگہ پر اس سلسلہ میں آپ کا معاون رہا ہو مگر جب واقعات یہ

بتاتے ہوں کہ کسی نے اپنی ضرورت کا اظہار سوائے خدا کے کسی کے آگے کیا ہی نہیں تو پھر ماننا پڑتا ہے کہ آپ کی شفقتوں کا محرک یقیناً کوئی غیر مادی ذریعہ ہی تھا۔ اس کی بعض مثالیں اس رسالہ کے دیگر مقامات پر بھی ہوں گی۔ اس جگہ مکرم ملک سعید احمد رشید کے اپنے دو واقعات انہی کے قلم سے نقل کئے جا رہے ہیں لکھتے ہیں:۔

"بحیثیت پرنسپل تمام طلباء کا بے حد خیال رکھتے اور ہر لحاظ سے ان کی مدد فرماتے۔ اس ضمن میں اپنے ذاتی واقعات پیش کرتا ہوں کہ کس قدر آپ کو اپنے شاگردوں سے پیار' محبت اور دلی ہمدردی تھی۔ جامعہ کی تعلیم کے دوران مجھ پر ایک ایسا وقت بھی آیا جو مالی بحران کا وقت تھا۔ شدید نامساعد حالات سے گزرنا پڑا لیکن میں نے صرف خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اے غفور و رحیم خدا تو میرے حالات سے واقف ہے اور خود غیب سے میری مدد کر اور مجھے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ باوجود اس کے کہ میں نے کبھی اپنے حالات ملک صاحب کو نہیں بتائے تھے نہ معلوم انہیں کیسے معلوم ہوا یا خدائی تحریک تھی۔ ایک دفعہ جب جامعہ سے چھٹی ہوئی اور خاکسار گھر جانے کے لئے برآمدے کی سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا تو ادھر سے محترم ملک صاحب اپنے دفتر سے باہر نکلے اور مجھے بلا لیا کہ چلیں میرے ساتھ دفتر چلیں۔ تمام طلباء اور میں خود حیران کہ نامعلوم مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ پرنسپل صاحب مجھے اندر لے گئے ہیں کیونکہ عموماً کسی طالب علم کی غلطی پر اس کی سرزنش کے لئے ایسا ہوتا تھا۔

جب میں اندر گیا تو کرسی پر بیٹھنے کا حکم ہوا اور بڑے پیار سے ایک خطیر رقم دیتے ہوئے فرمایا یہ آپ رکھ لیں۔ کام آئے گی لہجے میں اتنی مٹھاس اور محبت تھی کہ انکار کرنا جرم عظیم تھا۔ خاکسار نے وہ رقم لی اور خوشی خوشی باہر آگیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ عین شدید ضرورت کے وقت خدا نے غیب سے میری مدد فرمائی"

O ملک سعید صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

"اسی طرح ایک دفعہ جمعہ کا دن تھا۔ گھر میں کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ لکڑی' نہ سودے کے پیسے' نہ آٹا۔ شدید پریشانی کا عالم تھا۔ خاکسار جمعہ پڑھنے آ رہا تھا۔ بیت اقصیٰ کے چوک پر جب پہنچا تو جامعہ کا مددگار کارکن سائیکل پر میری تلاش میں تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ کب سے میں آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ ملک صاحب نے یہ خط دیا ہے کہ فوراً اسے پہنچاؤ۔ لفافہ دے کے چلا گیا۔ سادہ لفافہ تھا جس پر میرا نام تھا اور سرخ قلم سے دائرے میں کونے پر لکھا ہوا تھا۔ "فوری"۔ میں سخت گھبرا گیا کہ ادھر جمعہ کا وقت ہو رہا ہے نہ معلوم اب کیا ہوگا۔ الگ جا کر چھپ کر دھڑکتے دل سے لفافہ کھولا کہ نہ معلوم کیا بات ہو کیونکہ فوری کے لفظ نے اور چونکا دیا اور پریشان کر دیا تھا۔ لفافہ کھولا تو حیرانگی اور خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس میں صرف کافی رقم کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اب آپ خود اندازہ کر لیں کہ ایسے موقع پر انسان کے کیا جذبات ہو سکتے ہیں اور روح کس طرح آستانہ الٰہی پر پیار اور محبت سے گرتی اور فدا ہوتی ہے اور ایسی عنایت کرنے والے کے لئے دل سے کیا کیا دعائیں نکلتی ہیں۔ کیا پیارا مجسم رحمت و شفقت کا پیکر وجود تھا۔ کیسا رحمدل اور

مہربان وہ انسان تھا۔ جس کی یادیں آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گی۔ جب تک احمدیت قائم رہے گی مکرم ملک سیف الرحمان صاحب کا نام زندہ رہے گا۔"

بد نصیب شاعر تو اپنی محرومی کا یوں نوحہ کرتا ہے۔

جو دل کا حال سمجھ لے فقط نگاہوں سے
تمام شہر میں ایسی کوئی نظر بھی ہے؟

مگر وہ جو ایسی نظر کی سخاوتوں اور عنایتوں کا مورد رہے ہوں ان کے نزدیک اس نوحہ' اس شکوہ کی کیا اہمیت۔ یقیناً خدا سے پیار کے نتیجہ میں ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ نظریں خدا کے بندوں پر پڑتی رہتی ہیں۔ اور وہ ان سے اپنے اپنے نصیبہ کے مطابق حصہ شفقت پاتے رہتے ہیں۔

اب آپ حضرت ملک صاحب کی عنایتوں اور محبتوں کا ایک اور پہلو ملاحظہ فرمائیں اور یہ پہلو ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ سے "حظ عظیم" پانے والوں کے سوا کسی کو یہ وصف نصیب نہیں ہوتا اور وہ یہ ہے کہ جب آپ تربیت کی خاطر یا فرائض منصبی اور انتظامی پہلو کے مدنظر کسی طالب علم سے ناراض ہوتے یا اسے کوئی سزا دیتے تو بعد میں بہترین طریقے سے اس کی دلجوئی بھی فرماتے۔ اور ہر ایک صاف محسوس کر لیتا کہ آپ نے جو سزا دی تھی اس کا منبع نفرت' غصہ یا طبیعت کی تلخی ہرگز نہیں تھی بلکہ وہ تو محض تربیت کرنے کے لئے دل کے خلوص سے اس طرح جاری ہوئی تھی جس طرح باپ بیٹے کے بھلے اور خیر خواہی کی وجہ سے اسے سرزنش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی سزا بھی انعام بن جاتی تھی اور سزا پانے والے کی نہ صرف اصلاح کر دیتی بلکہ آپ سے قریب تر کرتی جاتی تھی۔

آپ کو اپنے طلباء کی اخلاقی روحانی تربیت اتنی عزیز تھی کہ سزا میں بھی اسے بھولتے نہیں تھے۔ بلکہ سزا دراصل ان کی تربیت کا موقع پیدا کرنے کا ایک بہانہ ہوتی تھی۔ مثلاً کسی کو یہ سزا ملتی کہ بیت میں اتنے گھنٹے بیٹھ کر درود شریف پڑھے اور استغفار کرے۔ کسی کو یہ سزا ملتی کہ اتنے دن نماز فجر بیت المبارک میں امام وقت کے پیچھے جاکر پڑھے اور روزانہ رپورٹ دیا کرے۔ ایسی ہی ایک سزا راقم الحروف کی کلاس کو ملی اور غالباً دس دن ہم نماز فجر بیت المبارک میں پڑھتے رہے۔ اور حکم تھا کہ باجماعت نماز شروع ہونے سے قبل بیت میں پہنچا جائے۔ چنانچہ ہم اس کی تعمیل کر کے روزانہ اس کی رپورٹ آپ کی خدمت میں کرتے رہے۔ اس کے بعد مسلسل آپ کی نوازشات کے مورد رہے۔

O مکرم خالد محمود سدھو صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

آپ سزا دینے میں دھیمے تھے اور سزا دیتے وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا انعام دے رہے ہیں اور لینے والا بے حد شرمندگی محسوس کر رہا ہوتا۔ بس اس میٹھی سزا کے بظاہر کڑوے گھونٹ کو جو ایک دفعہ پی جاتا پھر وہ سزا کے لائق نہیں رہتا تھا۔

محترم ملک صاحب کی سزا ہمیں ملک صاحب سے دور کرنے کی بجائے قریب کرتی چلی جاتی تھی۔ شاید اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ملک صاحب جس کو سزا دیتے تھے خود اس کے قریب ہوتے جاتے تھے۔ اور بالآخر سزا درمیان سے نکل جاتی اور شفقت اور دوستی کا بندھن باندھ جاتی۔ یہی شفقت تھی کہ جس کی وجہ سے ملک صاحب کا رعب دلوں پر طاری تھا۔ آج جب ایسے دل ملک صاحب کو یاد کرتے ہوں گے۔ تو ضرور ایسے گزرے ہوئے نظارے آنکھوں کے سامنے آتے ہوں گے۔ اور پھر یہی نظارے دعا بن کر ہونٹوں پر بکھر جاتے ہوں گے۔"

O اسی طرح کا ایک اور واقعہ مکرم ظفراللہ خان طاہر صاحب یوں تحریر کرتے ہیں کہ

"جامعہ کے طلبہ کے ساتھ پدرانہ شفقت بلکہ اس سے بڑھ کر رحم و محبت تھا۔ آپ کے وہ طلبہ جنہوں نے آپ سے کسب فیض کیا آج بھی آپ کی اس شفقت کے مداح ہیں مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہماری کلاس میں فقہ پڑھا رہے تھے کسی طالب علم سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی اس پر آپ ناراض ہوئے اور کلاس کو خوب ڈانٹا آپ کا یہ اظہار ناراضگی بالکل بجا تھا۔ بحیثیت ایک استاد کے آپ نے اپنا یہ فرض ادا کیا تھا مگر آپ کے جذبہ رحم نے آپ کو اس وقت تک چین نہ لینے دیا جب تک کہ آپ نے اس طالبعلم کی دلجوئی نہ فرمالی۔ عموماً آپ کا یہ طریق تھا جس سے آپ کے اکثر طلباءواقف تھے کہ جب کسی سے ناراض ہوتے یا ڈانٹ پلاتے تو پھر اس کی دلجوئی کی کوئی راہ ضرور نکالتے۔ چنانچہ ہماری کلاس کی دلجوئی کی راہ آپ نے اس طرح نکالی کہ ساری کلاس کو نماز عصر کے بعد جامعہ احمدیہ کی چھت (اس وقت جامعہ احمدیہ کی عمارت دو منزلہ نہ تھی) پر طلب فرمایا جب ہم وہاں پہنچے تو چائے اور سموسے آپ نے منگوائے اور کچھ وقت ہمارے ساتھ رہے اسی طرح سے آپ کا تربیت کرنے کا طریق محبت اور شفقت کے غالب پہلوؤں کو اپنے اندر لئے ہوتا تھا۔"

O مکرم مظفر احمد درانی لکھتے ہیں کہ

"نماز عصر کے بعد ایک دن گھر میں حاضر خدمت ہوا۔ دستک دی اجازت ملنے پر اندر گیا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک طالب علم کے ساتھ بیٹھے سوئیاں تناول فرما رہے ہیں۔ آپ کی دعوت پر میں بھی شامل ہوگیا اور مجھے مخاطب کرکے فرمانے لگے کہ آج جامعہ میں میں نے اس طالب علم کو تنبیہہ کی تھی اور اب اس کی دلجوئی کر رہا ہوں تا اس کی اصلاح بھی ہو جائے اور اس کے دل میں ناراضگی بھی نہ رہے"

جب آپ کسی کو کوئی سزا دیتے تو کبھی بظاہر خود بھی اس میں شریک ہو جاتے چنانچہ مکرم مظفر احمد صاحب خالد لکھتے ہیں۔

"ایک واقعہ جس سے ملک صاحب کی بے نفسی اور طلبہ کے ہر لحاظ سے جذبات کا خیال رکھنے کا اظہار ہوتا ہے یوں ہے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اسمبلی میں دیر سے آنے والے لڑکوں کو حاضری وغیرہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ جو کاغذ ادھر

ادھر بکھرے ہیں چنیں اور ساتھ خود بھی ان کے ساتھ مل کر زمین پر بیٹھ کر کاغذ چننے لگے حالانکہ جامعہ احمدیہ کے دوسرے لڑکے بھی اس امر کو دیکھ رہے تھے متعلقہ لڑکوں نے بار بار ملک صاحب سے عرض کیا کہ پرنسپل صاحب آپ ایسا نہ کریں ہم خود یہ کام کریں گے لیکن ملک صاحب فرمانے لگے کہ میں نے تمہیں یہ کام کرنے کے لئے کہا ہے۔ اور میں خود اس لئے تمہارے ساتھ مل کر کر رہا ہوں تاکہ تم شرم محسوس نہ کرو اور عار نہ سمجھو۔"

O مکرم وسیم احمد سروعہ مربی سلسلہ بھی ایک ایسی ہی یاد دوہراتے ہیں لکھتے ہیں۔

" آپ صبح ٹائم سے قبل ہی جامعہ احمدیہ میں پہنچ جاتے تھے وقت کی بہت پابندی کرتے میرا گھر جامعہ سے کچھ فاصلے پر تھا دو تین دفعہ مجھے یاد ہے کہ میں جامعہ وقت پر نہ پہنچ پایا اس وقت میرے ساتھ چند اور طالب علم بھی تھے۔ اسمبلی کے خاتمہ پر ملک صاحب نے ہمیں بلایا اور فرمایا یہ میرا قصور ہے کہ آپ لوگ وقت پر جامعہ نہیں آئے اس لئے آپ کے ساتھ مجھے بھی سزا ملنی چاہیے چنانچہ آپ بھی ہمارے ساتھ گراؤنڈ کی صفائی میں شامل ہو جاتے رہے اور ہماری درخواست کے باوجود تکلیف اٹھاتے ہمیں اتنی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تاکہ آئندہ مکمل کوشش ہوتی کہ اسمبلی میں دیر نہ ہو۔ نیز ان طلباء کو وقفہ میں چائے بھی پلاتے جو دیر سے آنے کی وجہ سے صبح سزا پا چکے ہوتے۔ پھر اپنے طلباء کی صحت کی بھی فکر ہوتی اور اپنے پاس سے پیسے دے کر کہتے کہ دودھ پی لینا ایک دفعہ مجھے بھی سو روپے دیئے اور تاکید کی کہ بادام کھاؤ یا دودھ پیو۔"

O مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب لکھتے ہیں۔

" آپ ہم سے پیار بھی کرتے مگر ذمہ داری کے پیش نظر اگر کبھی ناراض ہوتے تو اپنی ناراضگی کا ازالہ بھی کرتے ایک دفعہ آپ نے ہماری کلاس کے طلباء کو شور ڈالنے کی وجہ سے کچھ سزا دی لیکن ہم نے دیکھا کہ آپ اپنی ناراضگی پر کچھ دیر تک استغفار بھی کرتے رہے۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح آپ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے اور خدا خوفی کی باریک راہوں پر چلتے تھے۔

آپ کی یہ شفقتیں صرف انسانوں تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ اسوہ حسنہ نبوی ﷺ کی اتباع میں جانور بھی اس فیض سے محروم نہ تھے۔ صرف ایک واقعہ مکرم امیر علی صاحب ٹھیکیدار ٹک شاپ جامعہ احمدیہ کی روایت سے درج کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں

" جانوروں سے بھی رحم کا سلوک فرماتے تھے ایک بکری جامعہ میں آکر روز پودے کھا جاتی تھی اس لئے میں نے ایک دن اس بکری کو باندھ دیا چھٹی کے بعد محترم ملک صاحب جب وہاں سے گزر رہے تھے۔ تو بکری بہت زیادہ آوازیں نکال رہی تھی ملک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اس بکری کو کیوں باندھ دیا ہے؟ لگتا ہے اسے بھوک لگی ہے اسی لئے آوازیں نکال رہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر کھلا چھوڑ دیں تو یہ پودے خراب کر دیتی ہے اس لئے میں نے اسے

باندھ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی اس طرح باندھ دے اور کھانے پینے نہ دے تو تم بھوک سے اس طرح نہیں چلاؤ گے۔ اس پر میں نے اسی وقت اس کو کھول دیا۔"

☆ تربیت

اوپر طلبہ سے آپ کی بے پایاں شفقت کے تذکرے اور آپ کی سختی یا سزا کا ذکر بھی ہوا ہے۔ مگر ان دونوں کے پیچھے آپ کا مقصد اپنے عزیز طلبہ کی تربیت کرنا اور انہیں خوب سے خوب تر بنانا ہوتا تھا۔ بعض اوقات سزا سب کے سامنے دیتے تاکہ دوسروں کے لئے نصیحت اور تربیت کا موجب ہو۔ مکرم جاوید احمد جاوید صاحب لکھتے ہیں۔

"جامعہ احمدیہ میں تدریس کے دوران ایک موقعہ ایسا آیا کہ ایک طالب علم سے ایسی غلطی سرزد ہوئی جس پر سزا ضروری تھی۔ تحقیقات کے بعد جب سزا کا فیصلہ ہوا تو اس کی تنفیذ آپ نے اپنے ہاتھ سے کی۔ تمام طالب علموں کو ہال میں طلب کیا گیا اور سب کے سامنے محترم ملک صاحب نے اپنے ہاتھ سے اس طالب علم کو بدنی سزا دی اور اس میں ذرا بھی نرمی نہ کی تا دوسرے اس سے سبق سیکھیں اور ایسی خطا سے محفوظ رہیں۔"

O مکرم چوہدری ظفراللہ خان صاحب طاہر لکھتے ہیں۔

"ہمیشہ آپ کا دستور یہ رہا کہ گرمی ہو یا سردی صبح اسمبلی کے وقت جامعہ میں تشریف لے آتے اور جامعہ کی عمارت کے قریب کھڑے ہو جاتے اور طلبہ جب اسمبلی سے نکلتے تو ان کی وردی چیک کرتے رہتے جن کی وردی میں کمی ہوتی انہیں انگلی کے اشارے کے ساتھ باہر آنے کا اشارہ فرماتے اور پھر ہر ایک سے وجہ پوچھتے کہ کیوں وردی پہن کر نہیں آئے؟ معقول وجہ ہوتی تو معاف فرما دیتے ورنہ گراؤنڈ کے چکر لگواتے۔ آپ کو اپنی طبیعت کے خلاف کبھی کبھی طلبہ پر سختی بھی کرنا پڑی تھی جو انتظامی مجبوری تھی۔ چنانچہ چند ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ بعض طلبہ کو انکی شدید غلطی پر جسمانی سزا بھی دی۔"

O مکرم مظفر محمود احمد صاحب لکھتے ہیں۔

"باوجود کبرسنی کے گرمی ہو یا سردی باقاعدہ صبح اسمبلی کے وقت سے پہلے جامعہ احمدیہ میں تشریف لاتے۔ اسمبلی میں تاخیر سے آنے والے طلباء کی نگرانی کرتے اور عادی لیٹ آنے والوں کی تربیت کی خاطر تنبیہہ بھی کرتے۔ اسمبلی کے اختتام پر طلباء لائینوں میں کلاس میں جاتے تو ہر ایک طالبعلم کو چیک کرتے۔ اگر کسی طالبعلم کے بوٹ کے تسمے کھلے ہوتے یا ٹوٹے ہوتے یا جوتی پالش نہ کی ہوتی تو اسے لائین سے الگ کر کے پیار سے سمجھاتے۔ اور ہر طالبعلم کے اندر نصیحت کے ذریعہ احساس ذمہ داری پیدا کرتے جس کا میں یقیناً آج بھی فائدہ محسوس کرتا ہوں۔ پھر ذاتی طور پر وقتاً فوقتاً

کلاسوں کا معائنہ کرتے۔ ڈسپلن کا خاص خیال رکھتے اور بعض اوقات طالبعلموں کی حوصلہ افزائی کی خاطر بعد نماز عصر کھیل کے میدان میں بھی تشریف لاتے تھے۔"

O مکرم ارشاد احمد خان صاحب لکھتے ہیں۔

"صبح اسمبلی کے وقت خود موجود ہوتے تھے۔ جب طلباء کلاسوں میں قطار میں جاتے تو آپ ایک ایک طالبعلم کو غور سے دیکھتے کہ کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں اور جب آخری طالبعلم آپ کے سامنے سے گزر جاتا تو آپ قطار کے پیچھے تھوڑی دیر کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ ایک دفعہ ہم نے پوچھا تو فرمانے لگے کہ میں آخر میں کھڑا ہو کر تمام طلباء کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں کو ایک دوسرے سے بڑھ کر دین کا بہترین خادم بنا۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے درخشندہ ستارے بنا۔"

O مکرم مبشر احمد صاحب طارق لکھتے ہیں۔

جامعہ احمدیہ میں مکرم و محترم ملک سیف الرحمان صاحب کی شفقت کے تحت جو سات سال گزرے وہ میری زندگی کا ایسا حصہ ہے جو شاید اپنا متبادل نہ پا سکے۔ ایک دفعہ خاکسار نے یہ ارادہ کیا کہ چھٹیوں کے وظیفہ سے انگریزی ڈکشنری خرید لوں جس کی قیمت اس وقت چار صد روپے کے قریب تھی۔ چنانچہ خاکسار نے محترم ملک صاحب (جو اس وقت پرنسپل تھے۔) کو درخواست دی کہ خاکسار کو قرض کے طور پر رقم دے دی جائے۔ چھٹیوں کے بعد خاکسار وظیفہ ملنے پر رقم واپس کر دے گا۔

چنانچہ آپ نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ اتنی مہنگی کتاب آپ کیوں خریدنا چاہتے ہیں؟ خاکسار نے عرض کی کہ مجھے شوق ہے۔ فرمایا اس سے تو بہتر ہے آپ اس رقم سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب خرید لیں جو ہمیشہ آپ کے استعمال میں رہیں گی اور فائدہ ہوگا۔ یہ کتاب اگر خرید لیں گے تو شاید کبھی اس کی ضرورت پڑے۔ چنانچہ ارادہ تبدیل کر لیا اور میں نے عرض کی کہ ٹھیک ہے میں یہ کتاب نہیں خریدوں گا اور نہ ہی قرض کی ضرورت ہے۔

آپ نے فرمایا نہیں پیسے تو میں آپ کو دوں گا باقی خریدنا یا نہ خریدنا آپ کی مرضی ہے۔ اور مجھے چار صد روپے دے دیئے۔ چھٹیوں کے بعد جب جامعہ احمدیہ دوبارہ کھلا تو دو تین دن کے بعد آپ نے مجھے دفتر بلایا۔ اور پوچھا کہ آپ نے رقم واپس نہیں کی میں نے عرض کی کہ ابھی وظیفہ نہیں مل سکا جونہی ملا رقم واپس کر دوں گا آپ نے فرمایا مجھے رقم کی پرواہ نہیں آپ جب مربی بن کر میدان عمل میں جائیں گے تو لوگوں سے لین دین کرنا ہوگا۔ اس صورت میں جو وعدہ کریں اس پر پورا اترنا آپ کے ہمیشہ مدنظر رہنا چاہئے۔"

آپ طلبہ کی تربیت کے لئے دعا کو کتنی اہمیت دیتے تھے اور اس کے لئے کیا کیا مساعی فرماتے تھے۔ اس کا کچھ اندازہ مکرم ارشاد احمد خان صاحب کی اس تحریر سے ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"طلباء کے لئے خود بھی دعا کرتے اور حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بھی دعا کے لئے لکھتے رہتے اور طلباء کو بھی نصیحت کرتے کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں دعا کے لئے لکھا کرو۔ نیز یہ بھی فرماتے کہ بزرگوں کی مجالس میں زیادہ سے زیادہ بیٹھا کرو اور ان سے استفادہ کیا کرو۔ آپ کے دور میں بعض مرتبہ رفقاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جامعہ احمدیہ کے ہال میں جمع کیا گیا۔ آپ طلباء کو ان بزرگوں سے مصافحہ کرواتے اور گروپ فوٹو بنواتے"۔

آپ طلباء کو بڑی قیمتی نصائح سے نوازا کرتے تھے۔ کبھی کسی خاص موقعہ کی مناسبت سے، کبھی کوئی سوال یا بجھارت ڈال کر۔ کبھی بزرگوں کے واقعات اور کبھی اپنے واقعات سنا کر۔ آپ کی نصائح میں محبت اور پیار کی ایسی چاشنی ہوتی اور خیر خواہی اور خلوص کی ایک ایسی قوت ہوتی کہ وہ مخاطب کو قائل کر لیتی اور پھر عمل پر مائل کر لیتی اور کبھی بھی کسی کو اس میں طعن یا تلخی نظر نہ آتی۔ قرآن مجید نے ناصح کے جو اوصاف بیان کئے ہیں اور نصیحت کے پر تاثیر اور مفید ہونے کی جو شرائط بتائی ہیں یہ سب کچھ آپ میں اور آپ کی نصائح میں جمع تھا۔ آپ کی نصائح کی ایک یاد مکرم ارشاد احمد خان صاحب نے یہ بھجوائی ہے

" اس عاجز کو محترم ملک صاحب مرحوم سے شاگردی کا پانچ سال کا شرف حاصل ہوا۔ جب ہم جامعہ احمدیہ میں داخل ہوئے تو محترم ملک صاحب پہلے ہی دن ہمارے کلاس روم میں آئے اور تعارف کے بعد فرمایا کہ عزیز طلباء میں آپ کو چند ایک نصیحتیں کرتا ہوں۔ پہلی بات یہ کہ وقت اور قانون کی پابندی کرو۔ دوسری یہ کہ بڑوں کی عزت اور احترام اور چھوٹوں سے پیار اور محبت سے پیش آؤ۔ تیسری یہ کہ پڑھائی دل لگا کر کرو۔ بوجھ سمجھ کر نہیں۔ اس طرح آپ کو کبھی کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ہاں اپنے لئے خوب دعائیں کرو اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو دعاؤں کے لئے لکھا کرو۔

O ایسے ہی ایک موقعہ کو مکرم سید منصور احمد صاحب بشیر مربی سلسلہ یوگنڈا یوں بیان کرتے ہیں۔

" سالانہ لمبی تعطیلات کے شروع ہونے سے پہلے محترم سید میر داؤد احمد صاحب مرحوم کا یہ طریق تھا کہ آپ تمام طلباء کو جامعہ احمدیہ کے ہال میں اکٹھا کرتے اور اپنے علاوہ محترم ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم اور جامعہ احمدیہ کے موجودہ پرنسپل محترم میر محمود احمد صاحب ناصر اور بعض دوسرے اساتذہ کو وعظ و نصائح کے لئے کہتے۔ یہ تقریب ہر سال اتنی پروقار اور سنجیدہ طور پر منعقد کی جاتی کہ اس کی یاد اکثر طلباء کے ذہنوں پر اب بھی ثبت ہوگی۔ اس تقریب پر ایک سال آپ نے اپنی زندگی کا واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ آپ جہلم کے علاقہ میں دریا عبور کر رہے تھے کہ آپ کا سارا سامان کتابوں سمیت اس دریا میں بہہ گیا۔ جس کا آپ کو سخت قلق ہوا۔ جب آپ دوسرے کنارے پر پہنچے تو ایک جگہ بیٹھ کر آپ نے سوچنا شروع کیا کہ اتنی تکلیف اور تردد جو میں مذہبی تعلیم کے لئے کر رہا ہوں اس کا کوئی فائدہ اور مقصد بھی ہے کہ نہیں۔ آخر لمبے سوچ بچار کے بعد آپ کے دل نے فیصلہ کیا کہ یہ سب تکالیف اور دکھ اور ہم و غم

خدائے واحد و یگانہ کا عبد بننے کے لئے ضروری ہیں۔ یہ واقعہ جس انداز سے آپ نے بیان کیا اس کا بہت ہی گہرا اثر طلباء پر ہوا اور آج تک جب کہ اس واقعہ کو سنے ہوئے پچیس سال کے قریب ہو گئے ہیں یہ مجھے ہمیشہ یاد رہا اور میں نے ہمیشہ اس سے ایک عجیب طرز کا حظ اٹھایا اور اسے اپنے لئے مشعل راہ بنایا ہے۔

O آپ کی ایک خوبصورت نصیحت مکرم خلیفہ صباح الدین صاحب نے اس طرح بیان کی ہے:۔

"ملک صاحب مرحوم ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو۔) ایک مرتبہ وادی سون میں "جابہ" گاؤں کے قریب نخلہ میں قیام فرما تھے۔ حضور سے ملاقات کی غرض سے مکرم ملک صاحب مرحوم ربوہ سے نخلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں نماز کا وقت آگیا۔ آپ خوشاب کی ایک (بیت) میں داخل ہوئے۔ وضو کرتے ہوئے جرابوں پر مسح کیا۔ ایک مولانا محراب میں بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ وہاں سے دوڑے آئے اور آتے ہی ملک صاحب مرحوم کے پاؤں پر چھڑیاں مارنے لگے۔ "اتارو جرابوں کو" اتارو جرابوں کو"۔ ملک صاحب نے کہا:۔مولوی صاحب! اللہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ (یعنی اپنے رب کے راستہ پر بلانے کے لئے حکمت اور احسن پیرایہ استعمال کرو۔) اس پر مولوی صاحب فرمانے لگے کہ وہاں موزا آیا ہے نہ کہ جراب۔ ملک صاحب یہ واقعہ سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ ایک عالم با عمل بنو اور جاہل مولویوں کا طریق اختیار نہ کرو۔ جن کو مُوْزًا اور مُوْعِظَہ کے فرق کا ہی علم نہ ہو۔ دین میں آسانی کا طریق اختیار کرو۔ پیار، محبت، حفظ مراتب، حکمت اور تدبر سے سمجھانے کی کوشش کرو۔"

O مکرم محمد اقبال صاحب عابد اپنے خود گذشت واقعہ کی صورت میں آپ کی نصیحت کے ایک پیارے انداز کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"جامعہ احمدیہ کے تمام طلباء محترم ملک صاحب کی پروقار شخصیت کے گرویدہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی با رعب اور وضع دار شخصیت سے مرعوب بھی ہوتے تھے۔ جب جامعہ میں داخل ہوا تو پہلا سال تو محترم ملک صاحب کو دور دور سے ہی دیکھنے میں گزر گیا۔ آہستہ آہستہ طبیعت میں شوخی اور شرارت ابھرنی شروع ہوئی۔ کلاس کے بعض طلبہ کو ہنسی اور مذاق کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک ہمارے کلاس فیلو نے محترم ملک صاحب کو تحریری یا زبانی رپورٹ کر دی کہ فلاں طالب علم (خاکسار) کی وجہ سے جامعہ چھوڑ رہا ہوں بس پھر کیا تھا۔ محترم ملک صاحب نے خاکسار کو اپنے گھر طلب فرمالیا۔ چائے سے تواضع کی۔ بہت پیار سے مجھے مخاطب کیا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں اور یہ کہ مجھے اپنے سارے حالات سے اچھی طرح آگاہ کرو۔

خاکسار جب اپنی کہانی کہہ چکا تو فرمانے لگے کہ مجھے آئندہ سے اپنا دوست سمجھنا اور جو بھی مشکل پیش آئے مجھے آ کر کہہ دینا۔ خاکسار محترم ملک صاحب کی محبت اور رعب دار شخصیت کے سامنے پگھلا جا رہا تھا اور آپ کی اس آخری

بات پر اپنے آپ میں شرمندہ بھی ہو رہا تھا کہ آپ فرمانے لگے اقبال دیکھو میں آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ خاکسار ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگا۔ فرمانے لگے ہنسی مذاق ایک حد تک ہوتا ہے۔ جب حد سے بڑھ جائے اور دوسرے کی دل آزاری کرنے لگے تو وہ مذاق نہیں رہتا بلکہ ظلم بن جاتا ہے۔ کیا آپ کو اچھا لگے گا کہ آپ کی وجہ سے آپ کا کوئی ہم جماعت جامعہ چھوڑ جائے اور خدمت دین کے میدان سے باہر ہو جائے۔ خاکسار نے معذرت خواہانہ لہجے میں ندامت کا اظہار کیا اور آئندہ سے اصلاح کی کوشش کا وعدہ کیا اور محترم ملک صاحب کا چہرہ محبت اور پیار کے جذبات سے روشن ہو گیا۔"

☆ ایک بلند پایہ عالم، ایک شفیق معلم

حضرت ملک صاحب مفتی سلسلہ بھی تھے اور جامعہ احمدیہ میں فقہ اور قواعد عربی (صرف و نحو) کے مضامین بھی پڑھاتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کو عام لوگ محض فقہ اور صرف و نحو کے عالم کے طور پر جانتے ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ تفسیر القرآن، حدیث، ادب عربی اور منطق وغیرہ علوم میں زبردست دسترس رکھتے تھے۔

ادب عربی پر آپ کے عبور اور مہارت کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ استاذی المکرم رانا تصور احمد خان صاحب فرماتے ہیں:-

"البیان والتبیین" للکامل ادب عربی کی مشکل ترین کتاب نہیں تو چند مشکل ترین کتب میں سے ایک ہے اور بڑے بڑے اساتذہ بھی بغیر تفصیلی تیاری کے یہ کتاب نہیں پڑھا سکتے۔ مگر میں متعدد مرتبہ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے پاس اس کتاب کو پڑھنے گیا اور ہر مرتبہ اسی وقت حضرت ملک صاحب وہ کتاب لے کر نہایت روانی سے، آسان اور قابل فہم انداز میں کئی کئی صفحات پڑھا دیتے۔ اور مجھے کسی لفظ یا عبارت کے بارے میں کوئی الجھن یا خلش باقی نہ رہتی تھی۔"

O مکرم خلیفہ صباح الدین صاحب لکھتے ہیں۔

"بطور مفتی سلسلہ کے آپ کا وجود حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعود (آپ پر اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں) کا بہترین انتخاب تھا۔ آپ ایک علم کا دریا تھے۔ جس مسئلہ پر چاہیں گفتگو کر لیں سیر حاصل اور تسلی بخش علمی نکات سے بھرپور گفتگو فرماتے اور سائل کے مزاج کے مطابق سمجھانے کی کوشش فرماتے۔ آپ کا استدلال اپنے ساتھ ثبوت اور نقلی اور عقلی دلائل لئے ہوئے ہوتا۔ آپ کا اتنا وسیع مطالعہ تھا کہ ہر فقہی معاملہ میں ٹھوس علم چھلکتا نظر آتا۔ اگر کسی معاملہ میں مزید مطالعہ کرنا درکار ہوتا تو صاف طور پر فرماتے کہ مزید مطالعہ کر کے بتاؤں گا۔"

آپ مزید لکھتے ہیں:۔

" امام وقت کے علمی خزانے کو واقعی آپ نے دونوں ہاتھوں سے سمیٹا تھا۔ پھر بھی علم کی پیاس محسوس کرتے تھے۔ اکثر مطالعہ کرتے نظر آتے تھے۔ وسعت علم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت نظر بھی عطا کی تھی۔ فقہی امور میں بے جا سختی کے قائل نہ تھے۔

علم کے لحاظ سے آپ ایک سمندر تھے۔ عربی گرامر (صرف و نحو) کا مضمون عام طور پر مشکل مضمون تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت ملک صاحب مرحوم کو عربی گرامر پر عبور حاصل تھا۔ نیز علم فقہ کے آپ جید عالم تھے۔ آپ مفتی سلسلہ بھی تھے ہماری کلاس کو ملک صاحب مرحوم نے فقہ اور صرف و نحو پڑھائی۔ کلاس میں پڑھانے کے ساتھ ساتھ صرفی نحوی مشق بھی کرواتے اور اتنا بڑا عالم ہونے کے باوجود ایسے آسان پیرایہ میں لیکچر دیتے کہ بآسانی ذہن نشین ہوتا جاتا پھر طالبعلموں کو آزادی سے سوالات پوچھنے کا موقع دیتے اور پیار اور شفقت سے جواب دیتے اور بات سمجھا کر آگے چلتے۔"

O مکرم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب طاہر اپنے مشاہدہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

" میری زندگی میں چند حسین یادیں اس وجود کی بھی ہیں جو ایک عظیم وجود تھا۔ اس کی شخصیت اثر انداز ہونے والی تھی۔ ہر ایک جو آپ سے ایک مرتبہ مل لیتا آپ کی علیت کا قائل ہو جاتا۔ ہمہ جہت علمی شخصیت تھے مگر فقہ اور صرف و نحو کے علم میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اس طرح لیکچر دیتے جاتے کہ گویا بچوں کو آسان کہانیاں سنائے جا رہے ہوں جن میں کہیں کوئی رکاوٹ نہ آتی۔

مجھے یاد ہے کہ جب ربوہ میں بڑے پیمانے کی مجالس سوال و جواب ہوا کرتی تھیں (مثلاً اجتماعات مجلس خدام الاحمدیہ کے موقع پر) تو مجیب حضرات کے پینل میں ایک نمایاں نام حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کا ہوتا تھا۔ فقہ کے متعلقہ سوالات کے جوابات آپ عنایت فرماتے تھے۔ اور نہایت مشکل سوالات کے جوابات کے لئے عام فہم مثالیں خدام کے سامنے پیش فرماتے۔

فقہ میں حضرت ملک صاحب کا جھکاؤ ہمیشہ آسانی کی طرف ہوتا تھا۔ چنانچہ اکثر مجالس سوال و جواب میں بھی اور ہماری کلاس میں بھی جو جواب عنایت فرماتے اس میں آسانی کا پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ اکثر اوقات فرماتے کہ "اَلدِّيْنُ يُسْرٌ" کہ دین آسانی کا نام ہے نہ کہ خواہ مخواہ تنگی پیدا کرنے کا۔"

O آپ مزید لکھتے ہیں۔

"حضرت ملک صاحب کی ایک نمایاں خوبی یہ تھی کہ آپ کو طلباء میں علم سے شغف پیدا کرنے اور انہیں عالم بنانے کی ایک لگن لگی ہوئی تھی۔ آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ جماعت میں علماء کی ضرورت ہے اس لئے مختلف مضامین میں متخصصین (بطور خاص دسترس رکھنے والے علماء) تیار ہونے چاہئیں۔ چنانچہ آپ جامعہ کے تعلیمی عرصہ کے دوران اس پہلو سے بھی طلبہ پر گہری نظر رکھتے اور یہ جائزہ لیتے رہتے کہ کون سا طالبعلم کس مضمون میں ترقی کر سکتا ہے تاکہ اسے اس مضمون میں مزید تعلیم دلوائی جائے۔"

☆ آپ کا طرز تدریس

O مکرم خلیفہ صباح الدین صاحب لکھتے ہیں۔

" جس وقت آپ بطور استاد لیکچر دے رہے ہوتے تو آپ کا طریق یہ تھا کہ خود ہی چھوٹے چھوٹے نکات اٹھاتے۔ ان کی وضاحت کرتے۔ نیز اعتراضات کا تجزیہ کر کے اس کے ہر ایک جزو کا جواب دیتے۔ کسی طالب علم کو احساس ہوتا کہ اس پر بات واضح نہیں ہوئی تو وہ بغیر کسی جھجک کے مزید وضاحت کی درخواست کرتا۔ پھر اس کے فہم تک ملک صاحب کی وضاحت کا سلسلہ جاری رہتا۔"

O مکرم ملک سعید احمد رشید صاحب لکھتے ہیں۔

"علم صرف و نحو پر آپ کو خاص طور پر عبور حاصل تھا اور یہ علم اتنا مشکل تصور کیا جاتا تھا کہ اس کی دھاک سے اکثر طالب علم اسی مضمون میں فیل ہوتے تھے مگر ملک صاحب کا طریقہ تعلیم اتنا شستہ' سادہ اور آسان ہوتا کہ مشکل سے مشکل مضمون فوراً ذہن نشین ہو جاتا۔ علم فقہ کے بھی آپ جلیل القدر عالم اور استاد تھے۔"

O مکرم سید منصور احمد صاحب بشیر مربی یوگنڈا رقم فرماتے ہیں۔

" ۱۹۶۲ء میں خاکسار جامعہ احمدیہ میں داخل ہوا۔ تقریباً یہی وہ وقت تھا کہ جب حضرت ملک سیف الرحمان صاحب سے تعارف حاصل ہوا اور بعد میں مختلف رنگ میں اس بزرگ ہستی سے استفادہ کرنے کی بفضلہ تعالیٰ توفیق ملتی رہی۔ آپ سے کئی سال تک فقہ پڑھنے کی بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ فقہ کا مضمون اکثر طلباء کے نزدیک زیادہ دلچسپی کا حامل نہیں ہوتا تھا اس کے باوجود خاکسار کا یہ ذاتی مشاہدہ ہے کہ آپ اس مضمون کو بہت ہی دلچسپ طریقے سے پڑھاتے اور تدریس کے دوران اس مضمون کے ضمن میں دلچسپ واقعات بھی اکثر سناتے جس سے طلباء کی دلچسپی قائم رہتی۔"

O مکرم مبارک احمد صاحب قمر مربی سلسلہ نجی آپ کے دلچسپ طریق تدریس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایک لمبا عرصہ آپ سے شرف تلمذ رہا۔ بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں بار آپ سے نصیحت آموز واقعات سنے۔ آپ کا طرز تخاطب اور تکیہ کلام آج بھی نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ کلاس میں پڑھاتے وقت فرماتے۔ "اے خدا کے بندو! اے بھلے مانسو! بات یوں ہے۔ وغیرہ"

نہایت ہی دھیمے اور ٹھہر ٹھہر کے اور بعض دفعہ بات کو تکرار سے بیان فرماتے تاکہ بات طالبعلم کو پوری طرح سمجھ آجائے۔ آپ کی تدریس میں ہنسی مزاح اور لطائف بھی شامل ہوتے تھے اور آپ سے پڑھنے والا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا بلکہ دلچسپی اور توجہ قائم رہتی تھی۔"

O مکرم ملک جمیل الرحمان صاحب رفیق وکیل التصنیف لکھتے ہیں۔

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب خاکسار کے ان شفیق اساتذہ میں سے تھے جنھوں نے خاکسار میں علم کی طلب کا جذبہ پیدا کیا اور اس تعلق میں بڑی توجہ سے راہنمائی بھی فرمائی میں نے آپ سے عربی قواعد خصوصاً صرف کے تعلق میں بہت استفادہ کیا۔ اگرچہ آپ خاکسار کے صرف و نحو کے استاد نہیں تھے مگر تفسیر کشاف پڑھتے ہوئے یا فقہ وغیرہ کے تعلق میں ان قواعد سے واسطہ پڑتا تھا۔ آپ کا طریق فہمائش نہایت شفیقانہ اور مؤثر تھا۔ میں اس وقت بہت نادم ہوتا جب تدریس کے دوران آپ فرماتے "تعجب ہے کہ آپ اتنی بڑی کلاس میں ہیں اور اس قاعدہ کا آپ کو تاحال علم نہیں ہو سکا۔" یا اس قسم کے دیگر الفاظ سے اپنی حیرت کا اظہار فرماتے۔ آپ کے ان ارشادات سے اگرچہ ندامت شدیدہ ہوتی مگر یہ الفاظ مہمیز کا کام کرتے اور سیکھنے کا جذبہ اور بھی پروان چڑھتا۔ طالبعلمی ہی کے زمانہ سے خاکسار کا تاثر ہے کہ حضرت ملک صاحب نہایت درجہ مخلص، محنتی اور جذبے سے تدریس کا کام کرنے والے اساتذہ میں سے تھے۔"

آپ مزید لکھتے ہیں:

"جب حضرت میر داؤد احمد صاحب نے (جو اس وقت پرنسپل جامعہ احمدیہ تھے) ارادہ کیا کہ جامعہ کی طرف سے علم الصرف پر ایک عمدہ کتاب تالیف کی جائے تو آپ نے سٹاف میٹنگ بلائی اور اپنا منشا بیان فرمایا۔ آخر پھر فرمایا کہ محترم ملک سیف الرحمان صاحب یہ کتاب تالیف کریں۔ (یہ کتاب تالیف ہو کر "قوانین الصرف" کے نام سے چھپی تھی۔ ناقل) بعد میں حضرت ملک صاحب نے اس تالیف کو مزید وسیع کیا اور ایک قابل قدر تالیف "قواعد الصرف" کے نام سے منصہ شہود پر آئی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

آپ کے شاگردوں میں سے ایک عظیم شاگرد جسے خدا تعالیٰ نے دنیا کی امامت کے لئے مامور فرمایا۔ میری مراد ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہیں آپ نے حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کی وفات پر آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے ۳ نومبر ۱۹۸۹ کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

" ملک صاحب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی علم عطا فرمایا۔ غیر معمولی فراست عطا فرمائی۔ غیر معمولی اطاعت کی روح

عطا کی اور ایسا حسین ذہن اور قلب کے درمیان توازن عطا کیا کہ جو شاذ شاذ بندوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک بہت ہی دلربا وجود تھے۔ میں ان کے ساتھ مختلف تعلق رکھتا رہا ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ جامعہ کے زمانے میں شاگرد کی حیثیت سے جب میں نے ان کو دیکھا تو ان کے وجود کی عظمت مجھ پر ظاہر ہونی شروع ہوئی۔ نہایت منکسر المزاج لیکن بہت گہرا علم رکھنے والے اور بہت ہی اپنے طلباء سے شفقت کا سلوک کرنے والے اور اتنے ذہین کہ مشکل سے مشکل مسائل کو اس طرح سمجھاتے تھے کہ کم سے کم مجھے تو پھر دوبارہ کتاب اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی ان سے جو کچھ میں نے پڑھا وہ آسانی سے یاد ہوتا چلا گیا۔ مثلاً صرف اور نحو شروع میں انہوں نے مجھے پڑھائی اور باوجود اس کے صرف و نحو کو عربی جامعات میں بہت ہی مشکل مضمون سمجھا جاتا ہے اور لوگ رٹے لگاتے ہیں۔ لیکن ملک صاحب کو چونکہ خدا نے دماغ کا سلیقہ عطا کیا تھا اس لئے آپ اس کو اس طرح نظام کے طور پر سمجھتے تھے اور اس طرح سمجھانے کی اہلیت رکھتے تھے کہ از خود وہ چیز یاد ہونی شروع ہو جاتی تھی۔ کبھی کسی رٹا لگانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ چونکہ جب میں نے حضرت (فضل عمر۔ ناقل) کے حکم پر جامعہ سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر کے اندر ہی مولوی فاضل کا امتحان دیا تو باقی طلباء جو مولوی فاضل کے تھے وہ اکثر صرف نحو میں فیل ہوا کرتے تھے اور امتحان قریب آنے کی وجہ سے بہت رٹے لگاتے تھے اور مجھے اس حصہ کو پڑھنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ ملک صاحب سے پڑھا ہوا تھا۔ پھر ملک صاحب نے جس حد تک فقہ کی تعلیم دی یا بعض علوم کی دوسری شاخوں میں جہاں ملک صاحب نے پڑھایا اس حصہ میں مضمون خوب سمجھ آ گیا کسی محنت کی ضرورت نہیں پڑی۔ یاد رکھیں جہاں استاد محنت کرنے والا ہو' جہاں استاد کا شعور روشن ہو اور وہ اپنے مضمون کے نظام کو سمجھتا ہو اور اس کی روح سے واقف ہو۔ اس کے طلباء کو بہت کم محنت کی ضرورت پیش آتی ہے۔"

پھر حضور نے مزید فرمایا

"نرم رو اور نرم گفتار تھے اور طلباء کے طور پر بھی ہم جانتے ہیں کہ ہم سے بہت غلطیاں ہوئیں۔ بعض دوسرے اساتذہ بعض دفعہ زبان کی سختی بھی کیا کرتے تھے...... لیکن ملک صاحب کی زبان سے کبھی کسی نے' کبھی ساری زندگی ایسا کلمہ نہیں سنا جس کے متعلق آپ کہہ سکیں کہ اس نے دل پر بوجھ ڈالا ہے۔"

(فرمودہ خطبہ جمعہ ۳ نومبر ۱۹۸۹ء بحوالہ الفضل ۱۹۔ نومبر ۱۹۸۹ء)

☆ خلافت سے عشق

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب میں جتنی بھی خوبیاں تھیں۔ دراصل وہ امامت سے زندہ تعلق اور عشق کی

برکت سے ہی تھیں۔ احمدیت قبول کرنے سے لے کر تادم آخر آپ کو ہر امام وقت سے ذاتی تعلق حاصل رہا۔ کبھی کوئی موقعہ نہیں آیا کہ امام وقت کے ارشاد کی تعمیل میں ذرا بھی تاخیر خود کی ہو یا کسی کی تاخیر برداشت کی ہو۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ غالباً ۱۹۷۹ء کا واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے اطلاع دی کہ فلاں طالب علم ہر وقت جامعہ میں حاضر رہے۔ کسی بھی وقت حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں حاضری دینی ہوگی۔ جامعہ کی سالانہ کھیلیں جاری تھیں۔ وہ طالب علم کہیں ادھر ادھر چلا گیا اور اس دوران دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کا کارکن بلاوا لے کر آ گیا۔ اس وقت ملک صاحب کی کیفیت دیدنی تھی۔ شدید بے چینی اور اضطراب میں ادھر سے ادھر چکر لگاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کے بروقت نہ حاضر ہونے سے حضور کا قیمتی وقت ضائع ہوگا۔ اسی دوران وہ طالبعلم واپس آ گیا۔ اور باوجود اس کے کہ آپ بے حد حلیم، نرم دل اور شفیق تھے مگر امامت کے احترام اور ادب کے مقابلہ میں یہ سب کچھ ہیچ بلکہ کالعدم تھا۔ آپ نے ایک زور دار تھپڑ اسے رسید کیا اور فرمایا کہ جب تمہیں کہا گیا تھا کہ حضور کے ارشاد کے منتظر رہو کیوں ادھر ادھر چلے گئے اور حضور کے لئے زحمت کا موجب بنے"۔

"ملک صاحب اس تصور سے بہت بلند نکلے"

ملک صاحب سے میرا تعلق 1962ء میں بیعت کے جلد بعد شروع ہو گیا تھا اور اس تعلق کی ابتداء حضرت ملک صاحب مرحوم کی طرف سے ہوئی۔ میں چند بار حاضر ہوا اور جس شفقت کو ان سے حاصل کیا اس سے میں ہمیشہ کیلئے ان کا گرویدہ ہو گیا۔ ایک بات جس نے مجھے بے حد متاثر کیا وہ یہ تھی کہ غیراز جماعت لوگوں سے آنے کے باعث ایسے بزرگوں کے بارے میں میرا ایک تصور تھا اور ملک صاحب اس تصور سے بہت بلند اور بہت مختلف نکلے۔ احمدیت میں آ کر مجھے...... "دین حق" سے جو محبت عطا ہوئی اور "دین حق" کے جس حسین چہرے کو میں نے دیکھا اسے حسین تر بنانے میں حضرت ملک صاحب مرحوم کا بھی ایک خاص حصہ تھا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

ملک صاحب کے وصال سے ہم سب ان کی دعاؤں اور ان کی رہنمائی سے بظاہر محروم ہو گئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کرے کہ جو دعائیں انہوں نے "دین حق" اور احمدیت کے غلبہ اور اپنے خاندان اور عزیزوں اور اپنے لئے کی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بار بار قبول فرماتا رہے اور ہم سب کو ان کے عمدہ نمونہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (مکرم لال خان صاحب۔ کینیڈا)

O مکرم ارشاد احمد خان اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جب بھی حضور کی طرف سے کوئی کام سونپ دیا جاتا تو انتہائی بیماری کی صورت میں بھی اس کام کو پہلے مکمل کرتے پھر آرام کرتے۔ محترم ملک صاحب کا ایک واقعہ مجھے محترم ڈاکٹر مرزا طارق احمد صاحب کارڈیالوجسٹ نے بتایا۔ کہ وہ "لیڈز" میں طالب علم تھے اور لنڈن حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ سے ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے۔ وہاں ان دنوں محترم ملک صاحب آئے ہوئے تھے اور بیمار تھے۔ بستر علالت پر لیٹے لیٹے آپ کچھ مسودات کا مطالعہ کر رہے

تھے۔ میں نے کہا کہ محترم ملک صاحب آپ علیل ہیں۔ آپ آرام کریں۔ جب صحت ٹھیک ہو جائے تو پھر یہ کام کرلیں۔ اس پر آپ کہنے لگے کہ یہ حضرت صاحب نے بھجوائے ہیں۔ اس لئے جب تک یہ کام مکمل نہ ہو جائے میں آرام کیسے کر سکتا ہوں۔ صحت کا کیا ہے یہ تو خراب ہی رہتی ہے۔"

O مکرم اقبال احمد نجم صاحب نے خلیفہ وقت سے آپ کی گہری عقیدت بلکہ دلی محبت پر غماز ایک دل پر گہرے اثرات چھوڑنے والا واقعہ تحریر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"حضرت ملک صاحب کو خلافت سے والہانہ عشق تھا۔ ۱۹۶۵ء کی بات ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بیمار تھے۔ جامعہ میں خبر پہنچی اور دعا کے لئے سب جمع ہوئے۔ آپ ہی نے دعا کرائی اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ آپ کی یہ حالت امام وقت سے غیر معمولی محبت اور عشق کی غمازی کرتی ہے۔"

حضرت ملک صاحب کے شاگرد جنہوں نے آپ کو جامعہ میں بھی دیکھا جب کہ آپ ایک شفیق استاد اور ہمدرد دل رکھنے والے نگران ہوتے اور جامعہ کے علاوہ بھی دیکھا جب کہ آپ اس سے زیادہ شفیق اور ہمدرد دوست کی طرح ہوتے تھے۔ ان کے دل آج بھی ان واقعات اور ان نظاروں کے امین ہیں جنہوں نے آج تک ہر احسان مند دل کے اندر ایک ولولہ اور جوش و جذبہ برپا کئے رکھا ہے۔ یہ حسین یادیں' یہ خوبصورت نظارے محض دلچسپ قصے نہیں بلکہ واقعۃً ان کا آپ کے شاگردوں کی تعمیر حیات میں' تقویت کردار میں ایک عظیم حصہ ہے۔ ہر ایک جس نے آپ کے حسن اخلاق سے درس لیا ہے وہ اسے بیان کرنے سے رک نہیں سکتا۔

O محترم خلیفہ صباح الدین صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت ملک سیف الرحمان صاحب صفات حسنہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ باوجود اتنا بڑا عالم ہونے کے سادگی اور انکساری کا مرقع تھے۔ لباس صاف ستھرا مگر سادہ۔ لمبا قد' بارعب اور وجیہہ چہرہ جس پر ہلکا تبسم نمایاں۔ جب بھی کوئی طالب علم اپنا کوئی مسئلہ لے کر آپ کے پاس آتا آپ ایک بزرگ استاد اور شفیق باپ کی طرح بہت غور سے اس کی بات سنتے اور حتی المقدور اس کی مدد کرتے۔ جب دیکھتے کہ طالب علم واقعی سنجیدہ ہے یا اس پر کوئی زیادتی ہوئی ہے یا کسی وجہ سے اس کو کوئی چیز نہیں ملی تو حضرت ملک صاحب طالب علم کی ہمدردی میں ہر جائز قدم اٹھانے کے لئے کمربستہ ہو جاتے۔ اس طرح طلباء آپ کی شفقت کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے۔"

آپ مزید لکھتے ہیں۔

"محترم ملک صاحب مرحوم وسیع القلب بھی واقع ہوئے تھے۔ ہنسی اور مزاح کے تفریحی مواقع پر بے جا تکلف نہیں کرتے تھے۔ بہت سے ٹرپ' دریا پر' نہر پر اور دوسری سیر گاہوں میں محترم ملک صاحب کی معیت میں ہمیں منانے کا موقع ملا۔ خصوصاً ایک ٹرپ کے نقوش تو بہت واضح ہیں۔ ہم لوگ ایک ہائیکنگ پارٹی میں شریک ہوئے۔

جس میں محترم ملک صاحب بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ طلباء کو شروع میں جھجک محسوس ہوئی کہ ہمارے بزرگ استاد ساتھ ہیں کہیں کسی بات کا برا نہ مان جائیں یا ادب کے تقاضوں سے ہٹ کر کوئی بات نہ کر بیٹھیں مگر ملک صاحب نے اپنی سنجیدگی کو قائم رکھتے ہوئے ہر پروگرام میں حصہ لیا۔ طلباء کے مزاح کو پوری دلچسپی سے سنا۔ ان کی خوشی میں شریک ہوئے اور باوجود پیرانہ سالی کے بڑی ہمت سے مری، بوربن، لالہ زار، ایوبیہ، نتھیا گلی اور ٹھنڈا پانی تک کے پیدل سفر میں طلباء کا ساتھ دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے میں اس وقت نہ مفتی سلسلہ ہوں اور نہ استاد بلکہ آپ کا ساتھی اور ہمراہی ہوں۔ یہی باتیں تھیں جو آپ کی شخصیت کے سحر کا عکس لئے اب تک ذہنوں پر اثر انداز ہیں۔"

O مکرم اقبال احمد نجم صاحب لکھتے ہیں۔

"ہمارے پرنسپل مکرم سید میر داؤد احمد صاحب ڈسپلن کا بڑا خیال رکھتے تھے لیکن ملک صاحب کی شفقت و محبت اس میں سے بھی کوئی راہ نکال لیتی تھی۔ کسی طالب علم کو سرزنش ہوتی تو آپ سے ہی سفارش کے لئے خواہاں ہوتا۔ آپ دیکھتے کہ اگر اصلاح جو مقصد تھا ہو گئی ہے تو سفارش کرتے۔ پرنسپل صاحب کی غیر حاضری میں آپ ہی قائمقام ہوتے۔ بعض طلباء سمجھتے کہ آپ بہت ہی نرم مزاج ہیں اب موج ہو گئی۔ لیکن آپ قوانین کی پوری پابندی کرواتے اور جب کسی کو دیکھتے کہ وہ حدود سے تجاوز کر رہا ہے تو آپ کا گلاب سا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا۔ آپ کے چہرہ میں اتنی سادگی تھی کہ جذبات کو چھپا نہ سکتے تھے۔ آپ تقویٰ کے بلند مقام پر فائز تھے اور یہی اپنے طلباء میں بھی دیکھنا چاہتے تھے۔"

O مکرم محمد اقبال عابد صاحب آپ کو یوں یاد کرتے ہیں۔

"آپ کے اوصاف حمیدہ میں ایک جو نمایاں بات تھی وہ یہ کہ طبیعت میں سخاوت کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ نادار طلبہ کو اپنی جیب سے امداد دیا کرتے تھے۔ سرزنش کرنے کے بعد طلبہ کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ انہیں دودھ پلاتے یا دریا پر پکنک کرواتے اور سرزنش کا ملال ان کے ذہنوں سے نکال دیا کرتے تھے۔ الغرض خاکسار نے اپنی زندگی میں محترم ملک صاحب جیسا شفیق اور مہربان استاد کبھی نہیں دیکھا۔ خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را۔"

O مکرم مظفر احمد صاحب درانی آپ کی شخصیت کے ایک اور دلربا پہلو کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"آپ کی دیانتداری اور تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنے کی ایک جھلک مجھے اس وقت نظر آئی جب فرمایا کہ میرے دفتر آنا۔ فرانسیسی کلاس کی ملاقات کے لئے حضور انور ایدہ اللہ کی خدمت میں درخواست کرنی ہے۔ خاکسار حاضر خدمت ہوا۔ جامعہ احمدیہ کے چھپے ہوئے پیڈ سے ایک ورق پھاڑ کر میری طرف بڑھایا مگر فوراً واپس کھینچ کر فرمایا یہ کاغذ جامعہ احمدیہ کا ہے جب کہ فرانسیسی کلاس جامعہ کے تحت نہیں ہے اس لئے ہمیں جامعہ کا کاغذ استعمال کرنے کا حق نہیں ہے اور مجھے اپنے پاس سے ایک سادہ کاغذ دیتے ہوئے فرمایا لو میری طرف سے کلاس کی ملاقات کی درخواست

لکھو۔ میں دستخط کر دوں گا۔"

O مکرم مبارک احمد صاحب قمر آپکی شخصیت کے حسن اور جاذبیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" آپ نہایت ہی متقی نیک دعا گو بزرگ تھے۔ آپ جاذب نظر، سحر انگیز اور دلربا شخصیت کے حامل انسان تھے غریب طالب علموں کی آپ مالی اعانت بھی فرمایا کرتے تھے مگر اس طرح کہ سوائے ان کے یا خدا کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ بلاشبہ یہ لوگ روشنی کے بلند مینار تھے۔ جن کی ضوء افشانی آج بھی دنیا کے کناروں کو منور کیے ہوئے ہے۔"

O مکرم اقبال احمد نجم صاحب آپ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

" نہایت ہی نرم مزاج، شفیق و مہربان، عالم باعمل، باحیا باوقار، بردبار و غمگسار، شگفتہ گلاب کی مانند سرسبز و شاداب، ہر ایک کو مہکا دینے والے ملک صاحب نے جامعہ کے باغیچہ احمد کو خوب مہکائے رکھا۔ اپنے خون دل سے اس کی آبیاری کی۔ وہیں میرا آپ سے تعلق ہوا۔ چھ سال زانوئے تلمذ تہہ کئے رہا۔ آپ کو قریب سے دیکھا اور آپ کو ایک عظیم انسان پایا۔

آپ کو عبادت میں بہت شغف تھا۔ دوران مناجات کھوئے جاتے یا لگتا گہرے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے ہیں اور واپسی کا خیال دل سے نکال بیٹھے ہیں۔ بہت دعائیں کرنے والے تھے۔ ہم شاگردوں کے لئے بہت دعا کرتے تھے۔

آپ اپنے رب کے عاشق اور عاشق رسول ﷺ اور عاشق خلافت تھے۔ طلباء کے سچے ہمدرد، انسانیت کے خیر خواہ، سلسلہ کے دیرینہ خادم تھے۔ آپ ہم سے جدا ہو کر بھی ہمارے دلوں میں دھڑکتے ہیں۔ آپ کی روشنی آج بھی ہمارے چراغوں میں ٹمٹماتی ہے۔ آپ کی خوشبو آج بھی ہمارے وجود میں بسی ہوئی ہے اور ہماری روح کو وجدانی کیفیات سے ہم آہنگ کر رہی ہے۔ آپ آبشاروں کی طرح تیز رفتار اور پہاڑی جھرنوں کی طرح شیریں گفتار تھے۔ آپ کوہ وقار بزرگ تھے۔ آپ کی جدائی محسوس کی گئی اور محسوس کی جائے گی۔ دعا ہے کہ شمع سے شمعیں روشن ہوتی رہیں اور وہ لَو جو آپ نے جلائی کبھی نہ بجھنے پائے اور آپ بے شمار سلامتیوں کی جنت میں اعلیٰ علیین میں کروٹ کروٹ سکون و اطمینان پائیں۔"

O مکرم ریاض محمود صاحب باجوہ لکھتے ہیں۔

" آپ دعاؤں پر بہت زور دیتے۔ اکثر ایسے طالب علموں کے بارے میں معلوم کرتے رہتے جو دعائیں کرنے کے عادی ہوتے۔ آپ ان سے رابطہ بڑھاتے اور دعاؤں کی تحریک کرتے۔ آپ سے ہمارا تعلق ایسا تھا کہ آپ کی ناراضگی بھی ہمیں بھلی معلوم ہوتی۔ آپ جامعہ کی رونق تھے۔ اس گلستان علم و حکمت میں آپ کا وجود ایک خوشنما خوش رنگ

پھول کی مانند تھا۔ آپ نے اس کی فضا کو خوشگوار بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ہم نے آپ کی معیت و رفاقت میں ایک طویل عرصہ گزارا۔ آپ ہماری ضروریات کا حتی الوسع خیال رکھتے کوئی مشکل پیش آتی تو ہر ممکن تعاون فرماتے۔ زندگی وقف کر کے آنے والے سبھی لڑکوں سے آپ کو محبت تھی۔ اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ ان میں سے کوئی ضائع نہ ہو۔ ایسے طلباء سے خاص ہمدردی کرتے جو غریب ہوتے۔"

O مکرم ظفر اللہ خان صاحب طاہر نے لکھا ہے۔

"آپ میں عظیم مقام و مرتبہ کے باوجود حد درجہ انکسار تھا۔ ہر ایک سے بڑی حلیمی سے ملتے تھے۔ جامعہ کا کارکن ہو یا باہر سے کوئی دوست آئے ہر ایک کے ساتھ تپاک سے ملتے۔ راستہ چلتے ہوئے طلبہ یا دیگر لوگ بعض مسائل پوچھ لیتے تو بیان فرما دیتے تھے۔ اپنی انا کا مسئلہ نہ بناتے تھے۔"

محترم ملک صاحب نہایت سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ اور کبھی ظاہری رکھ رکھاؤ کا آپ خیال نہیں رکھتے تھے۔ سردیوں میں آپ سادہ سا اوور کوٹ زیب تن کرتے تھے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاحب ثروت اولاد عطا فرما رکھی تھی اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ کو نیا کوٹ جیسا آپ پسند فرمائیں بنا دیتے ہیں مگر آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔

O استاذی المحترم صوفی محمد اسحاق صاحب ملک صاحب کو بطور پرنسپل یاد کر کے لکھتے ہیں۔

"جامعہ احمدیہ کے جملہ سٹاف کے ساتھ مکرم ملک صاحب مغفورلہ کا سلوک نہایت ہی عمدہ تھا۔ نو عمر اساتذہ کے ساتھ آپ کا سلوک نہایت مشفقانہ تھا تو ہم عمر اساتذہ کے ساتھ آپ کا سلوک بہت ہی برادرانہ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے ایک دفعہ جامعہ احمدیہ کی آرڈر بک پر ایک آرڈر لکھ کر کسی بات سے منع کیا تھا میں نے بے خیالی میں اس آرڈر کے ایک طرف لکھ دیا کہ الحمدللہ خاکسار اس امر کا کبھی مرتکب نہیں ہوا۔ ان الفاظ کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ صرف دستخط مطلوب تھے۔ آپ نے مجھے اپنے دفتر میں بلایا کہ آپ نے یہ کیا لکھ دیا ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس کے بعد آپ نے میرے سامنے یہ الفاظ کاٹ دیئے اور بس۔ اس کے علاوہ آپ نے مجھے کچھ نہ کہا۔"

آپ مزید لکھتے ہیں۔

"محترم ملک صاحب مغفورلہ کی ہزار خوبیوں کے برابر ایک خوبی یہ تھی کہ اتنے بڑے منصب (پرنسپل جامعہ احمدیہ اور مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ) پر فائز ہونے کے باجود آپ خوشامد پسند ہرگز نہ تھے اور عاجزی اور انکساری مزاج میں رچی ہوئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس حدیث کے پورے پورے مصداق تھے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَاءِ السَّابِعَۃِ تواضع، حلم، بردباری اور خاکساری مکرم ملک صاحب مغفورلہ کا طرہ امتیاز تھے آپ کے کردار سے کبھی

اس بات کی بو نہیں آئی تھی کہ آپ کو کبھی یہ وہم بھی ہوا ہو کہ "ہمچو ما دیگرے نیست" اس لئے مجھے آپ کے متعلق یہ کہنے میں ہرگز کوئی حجاب نہیں کہ :

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

O مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب نے حضرت ملک صاحب کے ساتھ گزرے ہوئے عرصہ کے حوالہ سے آپ کی یادوں کو یوں سمیٹا ہے۔

"جوں جوں آپ سے تعلق اور تعارف بڑھا آپ کو نہایت مہربان شفیق اور پیار کرنے والا پایا آپ کی طبیعت میں سادگی بھی تھی اور نفاست پسندی بھی۔ آپ کی فطرت میں عاجزی اور انکساری بھی تھی اور وقار بھی۔ آپ کے اخلاق میں آپ کی عادات میں ایک حسن تھا۔ آپ نے بطور پرنسپل جامعہ احمدیہ اپنی ذمہ داریوں کو نہایت محنت، لگن، دیانت داری، استقامت اور خوش اسلوبی سے ادا کیا۔

وقف اور اس کے تقاضوں کو خلوص نیت کے ساتھ پورا کیا۔ فرائض کی ادائیگی میں کسی چیز کو حائل نہ ہونے دیا۔ گرمی سردی کی شدت کی پروا کئے بغیر آپ جامعہ آتے اور کام کرتے۔ آپ نے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عملی مظاہرہ کیا۔ اپنے مولا سے کئے ہوئے عہد کو پورا کیا۔ اس کی راہ میں ہر لحہ قربان کیا اور اس کی رضا میں تمام زندگی بسر کی۔ خدا تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کو اجر عظیم سے نوازے اور اپنی رضا کی جنتوں میں داخل کرے۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم آپ کی مؤثر اور متحرک قیادت میں آپ کی جاندار اور ولولہ انگیز راہنمائی میں سات سال تک اس کشت علم سے سیراب و شاداب ہوئے۔ آپ کی نیک تربیت کے نتیجہ میں تیار ہونے والے آپ کے سینکڑوں شاگرد اس وقت اکناف عالم میں نہایت عظیم اور مقدس فرائض کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف اور سرگرم عمل ہیں۔ آپ کی شفقت، محبت اور پیار نے ہمیں حوصلہ دیا اور ہماری قوت پرواز کو طاقت ملی۔ آپ ہمیں اپنی میٹھی اور پیاری پیاری باتوں کی وجہ سے بہت یاد آتے ہیں۔ آپ کی جدائی نے بے چین اور بے قرار کیا۔ جدائی خواہ عارضی ہو یا مستقل، وجہ اضطراب بنے بغیر نہیں رہتی آپ کی حسین یادیں اور ان کے انمٹ نقوش اور اثرات ہمارے قلب و ذہن میں ہمیشہ باقی اور تازہ رہیں گے۔ آپ کا دلربا اور پیارا چہرہ جب بھی نظروں کے سامنے آتا ہے تو آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں اور دل بے اختیار یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ :-"

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

مکرم مولانا محمد اسماعیل منیر صاحب سیکرٹری حدیقۃ المبشرین بیان کرتے ہیں۔

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ اور پرنسپل جامعہ احمدیہ شروع سے ہمارے محلہ کوارٹرز تحریک جدید میں رہائش پذیر رہے۔ کوارٹر میں کافی عرصہ گزارا۔ اسی کوارٹر میں آپ کے بچے' بڑھے اور پھولے پھلے۔ بعد میں آپ کو سینئر کوارٹر ملا تو اس وقت بچیاں تو اپنے اپنے گھروں میں آباد ہو چکی تھیں۔ بڑے بچے بھی تعلیم اور نوکری کے سلسلہ میں باہر ہی رہتے تھے اور بیگم صاحبہ اکثر بچوں کی راہنمائی اور نگرانی کے لئے ان کے پاس جایا کرتی تھیں۔ گویا بڑے اور وسیع کوارٹر میں محترم ملک صاحب اکیلے ہی ہوا کرتے تھے۔ ان دنوں عاجز جامعہ احمدیہ میں پڑھاتا تھا اور میرا بیٹا عزیزم محمد الیاس منیر جامعہ کا طالب علم تھا۔ ہم باپ بیٹے کو محترم ملک صاحب کی خدمت کا موقعہ ملتا رہتا تھا۔ محترم ملک صاحب سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ کھانا تو بہت ہی سادہ کھاتے تھے جسے سپلائی کرنے لئے ہمیں کوئی خاص محنت نہ کرنا پڑتی تھی۔ ہماری اس معمولی سی محنت کی خوب قدر دانی فرمایا کرتے تھے۔ بار بار جزاکم اللہ احسن الجزاء کے پیغامات بھجواتے اور کھانے کی پسندیدگی کا اظہار ایسے رنگ میں فرماتے کہ ہمیں تو شرم آجاتی۔ مزید برآں ہر دوسرے چوتھے روز وہ بازار سے کھانے کا سامان خرید کر بھجوا دیتے۔ محترم ملک صاحب کی اس معمولی اور حقیری خدمت پر عزیزم محمد الیاس منیر کو آپ کی توجہ اور بے شمار دعائیں حاصل ہوتیں۔

مکرم پروفیسر راجا نصر اللہ خان صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے حضرت مولانا محمد احمد صاحب جلیل مفتی سلسلہ دار الصدر شمالی میں قیام پذیر تھے۔ نماز پر آتے جاتے اکثر حضرت مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا اور خاکسار حضرت مولانا کی شفقت اور پر حلاوت گفتگو سے بہرہ ور ہوتا۔ ایک دفعہ جامعہ احمدیہ اور حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کا ذکر چھڑا تو حضرت مولانا محمد احمد صاحب جلیل فرمانے لگے کہ ایک زمانہ میں حضرت ملک سیف الرحمان صاحب' محترم مولوی ابوالمنیر نور الحق صاحب اور میں (یعنی حضرت مولانا محمد احمد صاحب جلیل) جامعہ احمدیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اسی دوران جامعہ احمدیہ میں نئے پرنسپل کی تقرری کا سوال سامنے آیا تو متعلقہ انتظامیہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ آزمائشی طور پر پرنسپل کے فرائض ایک ایک ماہ کے لئے باری باری ہم تینوں کے سپرد کئے جائیں اور پھر فیصلہ کیا جائے کہ ہم تینوں میں سے اس تقرری کے لئے بطور پرنسپل کون زیادہ موزوں ہے۔

چنانچہ ہم تینوں نے باری باری ایک ایک (یا شاید تین تین) ماہ کے لئے بطور پرنسپل جامعہ احمدیہ کام کیا اور آخر اس آزمائشی عرصہ کے بعد انتظامیہ نے یہ فیصلہ سنایا کہ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل مکرم ملک سیف الرحمان صاحب ہوں گے۔

جب حضرت مولانا محمد احمد صاحب جلیل یہ بات سنا چکے تو خاکسار نے عرض کیا کہ حضرت مولانا! آخر کار حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کا انتخاب کس بنا پر کیا گیا؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب جلیل نے بلا تامل فرمایا "ملک سیف الرحمان صاحب علمی مرتبہ کے لحاظ سے ہم دونوں ساتھیوں (مکرم مولانا ابوالمنیر نور الحق صاحب اور مکرم محمد احمد صاحب جلیل) سے بڑھے ہوئے تھے۔

یہ بات سن کر ایک طرف خاکسار کو حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کے تبحر علمی کا کچھ اندازہ ہوا تو دوسری طرف حضرت مولانا محمد احمد صاحب جلیل کی صاف دل اور صاف گو شخصیت اور گہری عظمت پر دل عش عش کر اٹھا۔

حسن اور کمال میں تشبیہ کے بیان میں عرب شعراء اپنا الگ انداز رکھتے ہیں۔ ایک عرب شاعر اپنی محبوبہ کا ذکر کرتے ہوئے دیگر شعرا کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے "۔"

معاذ الالہ ان تکون کظبیۃ
ولا دمیۃ ولا عقیلۃ ربرب

ولکنھا زادت علی الحسن کلھا
کمالا ومن طیب علی کل طیب

یعنی ان شاعروں میں سے کوئی تو اپنی محبوبہ کو ہرنی سے تشبیہ دیتا ہے، کوئی مورتی سے اور کوئی نہایت نفیس اور اعلیٰ چیز سے۔ مگر میں ایسی ناقص چیزوں سے اپنی محبوبہ کو تشبیہ دینے سے خدا کی پناہ میں آتا ہوں کیونکہ وہ تو ہر کمال حسن سے بڑھی ہوئی ہے۔ اور ہر اعلیٰ سے اعلیٰ خوشبو پر بھی برتری لے گئی ہے۔

ایسے ہی یہ چند باتیں چند یادیں جو حضرت ملک صاحب کے حوالہ سے لکھی گئی ہیں۔ یقیناً آپ کی شخصیت کا مکمل عکس پیش نہیں کرتیں اور آپ کا مقام یقیناً ان مختصر جھلکیوں سے بلند تر اور وسیع تر تھا۔ اگر آپ ٹھوس اور وسیع علم رکھتے تھے تو بہترین معلم بھی تھے۔ پرنسپل اور افسر تھے تو پیارے دوست بھی تھے۔ استاد تھے تو شفیق باپ بھی تھے۔ آپ کی نصیحت کریمانہ اور سزا مربیانہ تھی۔ حلم اور بردباری، دوستی اور وقار، سخاوت اور تربیت، خوش مزاجی اور تقویٰ یہ تمام ان مرصع زیورات میں سے تھے جن سے آپ کی حسین شخصیت مزید مزین تھی اور ان سب سے سوا یہ کہ آپ نے تین خلفاء کا دور پایا اور تینوں کا اعتماد اور خوشنودی آپ کو حاصل رہی۔ اور دراصل اسی نے یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ کا تاج آپ کے سر پر سجایا۔ اللہ آپ کو اپنے آقا ﷺ کے قدموں میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کے فیوض کے صدقہ جاریہ کو آپ کے حق میں مقبول دعا بنائے اور آپ کے درجات بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے۔ آمین۔

مجلس خدام الاحمدیہ ویسٹرن کینیڈا ایڈمنٹن کی تربیتی کلاس میں شامل

خدام سے خطاب

حضرت ملک سیف الرحمن صاحب کا آخری خطاب

(مرسلہ: مکرم مجیب الرحمن ملک صاحب۔ کینیڈا)

"سب سے پہلے تو میں یہ معذرت پیش کروں گا کہ جو زبان اس کلاس کی ہے وہ میں نہیں جانتا۔ میں صرف اردو بول سکتا ہوں یا عربی۔ انگریزی بولنا مجھے نہیں آتا۔ اس لئے اگر کوئی عزیز یا بزرگ میری بات کو نہ سمجھے تو مجھے معذور سمجھے۔

یوں تو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا نے الہام کیا تھا کہ تیرے ماننے والوں کو میں مختلف زبانیں سکھاؤں گا اور جماعت احمدیہ بھی جو کہ مثیل مسیح کی جماعت ہے اس جماعت کے افراد سے بھی خداوند تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ انہیں مختلف زبانیں سکھائی جائیں گی۔ تاہم اس کیلئے خداوند تعالیٰ کی رحمت کو جذب کرنے کا ذریعہ محنت ہے اور توجہ ہے۔
اسلئے میرے عزیز یہ بات اپنے دل میں بٹھالیں کہ انہوں نے علاوہ اس زبان کے جس میں وہ باتیں کرتے ہیں ایک زائد زبان اسلئے سیکھنی ہے کہ تاکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مسیح (ناصری) کی یہ پیشگوئی پوری ہو کہ میرے ماننے والے مختلف زبانیں جانیں گے۔ علاوہ ازیں وہ دوسری زبانیں سیکھ کر دل میں یہ عہد کریں کہ اگر مجھے موقع ملا تو میں حق اور دین کو پھیلاؤں گا اور زیادہ سے زیادہ حق کی تلاش کرنے والوں کو توجہ دلاؤں گا کہ حق ادھر ہے۔
اپنے متعلق میں صرف اتنی بات کہوں گا کہ جب بچپن میں عربی پڑھتا تھا چار جماعتیں پاس کرنے کے بعد۔ گھر سے کوئی چالیس پچاس میل کا فاصلہ ہوگا جہاں میں پڑھتا تھا۔ وہاں ایک مولوی صاحب ہوتے تھے امام غزالی جو مجھے پڑھاتے تھے۔ تو ایک دفعہ میں وہاں سے گھر آیا ہوا تھا۔ گھر سے کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر میں واپس جا رہا تھا۔ راستے میں ایک جنگل سے گزرتے ہوئے تیز بارش نے آلیا اور وہ چونکہ پہاڑی علاقہ تھا۔ اس لئے وہاں کے ندی نالے بارش کی وجہ سے زور کے ہو جاتے تھے اور ان میں کافی پانی آجاتا تھا۔ چنانچہ میں اسی قسم کے ایک ندی نالے کے کنارے کھڑے

ہو کر یہ سوچنے لگا کہ میں اس نالے کو عبور کروں یا نہ کروں۔ پانی زیادہ تھا اور خطرناک تھا۔ وہاں ساتھ ہی مجھے خیال آیا کہ میں یہ علم کیوں پڑھ رہا ہوں۔ کس لئے پڑھ رہا ہوں۔ تکلیف کا وقت تھا۔ اکیلا تھا۔ تو یہ سوچتے ہوئے بظاہر مجھے کوئی اس کا فائدہ نظر نہیں آیا کیونکہ پاکستان کے حالات جو جانتے ہیں وہ اس بات سے واقف ہیں کہ وہاں عربی پڑھنے والے کا سوائے اس کے اور کوئی کام نہیں کہ وہ کسی مسجد کا ملا بن جائے۔ پیش امام بن جائے۔ طبعی طور پر شروع بچپن سے ہی مجھے اس قسم کے کام سے کوئی اتنی دلچسپی نہیں تھی۔ بہرحال ایک خیال آیا اور گزر گیا۔ اب میں ۷۵ کے قریب ہو چکا ہوں تو خدا نے جو کام مجھ سے لینا تھا وہ اس نے لیا لیکن یہ سب خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کا فضل ہے ورنہ مجھ میں کوئی خاص ایسی قابلیت نہیں تھی۔

تو یہی چیز ہے کہ اگر آپ بھی یہ سوچیں کہ ہم کس لئے دنیا میں آئے ہیں۔ کیا کرنے آئے ہیں؟ اور پھر خدا تعالیٰ پر توکل کر لیں تو خداوند تعالیٰ آپ سے ضرور کوئی نہ کوئی ایسا کام لے گا۔ جو اس کے دین کا کام ہوگا۔ اس کی مرضی کا کام ہوگا۔

مجھے یاد ہے کہ آج سے کوئی نصف صدی سے کچھ زائد پہلے قادیان میں چند نوجوان اکٹھے ہوئے۔ ان دنوں میں بعض فتنے خلافت کے خلاف اٹھ رہے تھے تو ان نوجوانوں نے کہا کہ ہم اکٹھے ہو کر خدا تعالیٰ کی اقدار کو دنیا میں قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔

وہاں سے خدام الاحمدیہ کا آغاز ہوا۔ اس کے کنوینر جو تھے یعنی جنرل سیکرٹری بنے بعد میں، وہ محترم شیخ محبوب عالم صاحب تھے جو آج کل ناظر بیت المال ہیں اور صدر بنے محترم مولوی قمرالدین صاحب۔ چنانچہ اس طرح چند نوجوان جن میں میں بھی شامل تھا وہ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے خدام الاحمدیہ کا قیام کیا جسے حضرت صاحب نے منظور فرمایا اور اس کا نام خدام الاحمدیہ رکھا۔ تو وہاں سے یہ جماعت چند نوجوانوں کی جو زیادہ سے زیادہ دس ہوں گے بنی اور پھر خدا تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت ڈالی کہ آج یہ ایک عالمگیر نوجوانوں کی جماعت ہے۔

اور یوں اپنی عمر کے لحاظ سے اپنے جذبے کے لحاظ سے اور اپنی طاقت کے لحاظ سے یہ جماعت ہی وہ جماعت ہے جس نے احمدیت کو جو کہ ..... (دین حق) ہی کی نشاۃ ثانیہ ہے اسے دنیا میں قائم کرنا ہے اور پھیلانا ہے۔

دو قسم کے نوجوان ہوں گے۔ ایک وہ جنہوں نے اپنی ساری زندگی..... (دین حق) کی خدمت میں وقف کر دی ہے اور دوسرے وہ جنہوں نے یہ کام تو نہیں کیا لیکن اپنی عمر کا ایک بیشتر حصہ ایک اہم حصہ ایک خاص حصہ کو دین کی خدمت میں لگانے کا عہد کیا ہوا ہے اور ان میں سے آپ بھی ہیں جو یہاں دور دور سے آ کر اکٹھے ہوئے ہیں تاکہ دین سیکھیں۔ دین پر عمل کریں اور دوسروں کو دین سکھانے کی کوشش کریں۔ پس یہ جذبہ انتہائی مبارک ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنے والا ہے۔

خداوند تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس وقت دنیا میں جو بدی پھیل رہی ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ کفر کا اندھیرا ہے۔ شرک کا اندھیرا ہے۔ اس کو دور کرنے کے لئے آپ نوجوان اٹھیں اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی کوششیں جتنی بھی آپ کو اللہ تعالیٰ توفیق دے صرف کردیں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اور آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔ دین کی برکت بھی آپ کو ملے اور دنیا کی برکت بھی آپ کو ملے تاکہ ساری دنیا میں حق پھیلنے کے سامان ہوں اور حق پھیلنے کے دروازے کھل جائیں۔ راہیں ہموار ہو جائیں اور آپ لوگ خداوند تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والے بنیں اور دوسرے بھی ایسے پیدا کریں جو خداوند تعالیٰ کی رضا کے طالب ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا ہی بنائے۔ آمین۔ ثم آمین

نوٹ:۔ (محترم ملک صاحب کا یہ خطاب ویڈیو کیسٹ سے نوٹ کرکے ان کے صاحبزادے محترم مجیب ملک صاحب نے کینیڈا سے ہمیں ارسال فرمایا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء)

بقیہ از صفحہ 72

آرام کی پرواہ کئے بغیر اسکی بات سنتے اور اس مسئلہ کو حل فرماتے اور اسی میں آپ کی عظیم کامیابی کا راز مضمر تھا۔ اپنے ادارے سے جو آپ کو لگاؤ تھا اس کی بہتری اور ترقی کی جو آپ کو لگن لگی ہوئی تھی اس کے لئے آپ نے جو جو قربانیاں دیں اور جس جس طرح دیں، طلبہ کی ظاہری و علمی حالت اور اخلاقی و روحانی حالت کو سنوارنے، ترقی دینے کے لئے جو جو آپ نے مساعی فرمائیں، یہ سب چند لفظوں میں قید نہیں کی جاسکتیں۔ بس جس نے دیکھا اس نے دیکھا اور جس نے نہیں دیکھا وہ دور سے دیکھنے والے کی طرح ایک اندازہ سا لگا سکتا ہے۔ جامعہ احمدیہ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جاری کردہ مدرسہ احمدیہ کی موجودہ شکل ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیامت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وجہ سے مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کا نام زندہ رہے گا اور اس کے ساتھ جامعہ کے عظیم خدمت گذاروں کے ناموں میں ایک نام حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کا بھی زندہ رہے گا۔ آپ سے فیض پانے والوں اور تربیت پانے والوں کا ہر نیک عمل آپ کے درجات میں بلندی کا باعث بنتا رہے گا اور آنے والوں کے لئے مشعل راہ رہے گا۔ اے خدا! تو اس بے حد شفیق، بے حد نرم دل، باحیا، باصفا مرد پر ابد الاباد تک اپنی رحمتوں کی بارش برساتا جا اور اس کا درجہ بلند تر کرتا جا۔ آمین

یہ مضمون متعدد بزرگ اساتذہ جامعہ احمدیہ (محترم قریشی نورالحق صاحب تنویر، محترم مرزا محمد الدین صاحب ناز، محترم رانا تصور احمد خان صاحب، محترم فضل الٰہی بشیر صاحب اور محترم عبدالرزاق صاحب بی ٹی آئی) سے معلومات لے کر تیار کیا گیا۔ ہم ان کے تعاون کے ممنون ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

منزل بہ منزل سفرِ آخرت

(مکرم مجیب الرحمٰن صاحب ملک ابن ملک سیف الرحمٰن صاحب امریکہ)

یہ عنوان ابا جان کے ایک مضمون کا ہے جو آج سے تقریباً ۳۰ سال پہلے مصباح میں چھپا تھا۔ لیکن لکھا شاید اس سے بھی دس سال قبل گیا تھا۔ اس میں دو بچے بنام مبارکہ اور مجیب اپنے ابا جان سے آخرت کے بارے میں مختلف سوال کرتے ہیں جس کا جواب ان کے ابا جان دیتے ہیں۔ اسی طرح آخرت کا فلسفہ عام فہم زبان میں سمجھایا گیا تھا۔ آج میرے اس مضمون کا تعلق آخرت کے فلسفہ سے تو نہیں بلکہ ابا جان کی زندگی کے آخری سالوں سے ہے جو زیادہ تر سفروں میں گزرے۔ ویسے تو ان کی ساری زندگی مختلف سفروں میں گزری مگر آخری عمر میں جو سفر کئے وہ سات سمندر پار ملکوں کے تھے۔ ابا جان کی وفات ۱۹۸۹ء میں ہوئی۔ تب سے یہ خواہش تھی کہ ان کی زندگی سے متعلق کچھ قلم بند کروں مگر یہ ایک ایسا مضمون ہے جس کو لکھنے میں جذبات کی ایک دیوار حائل رہی۔ وقت کی مرہم نے جدائی کے زخموں کو پھاہا لگایا تو آج لکھنے بیٹھا ہوں دیکھیں کہاں تک ہمت ساتھ دیتی ہے۔

۱۹۸۴ء کے جلسہ سالانہ پر پاکستان گیا تو ابا جان لاہور کے ہوائی اڈا پر مجھے لینے آئے ہوئے تھے۔ دیکھتے ہی احساس ہوا کہ ان کی صحت بہت کمزور ہے۔ چنانچہ اس سفر کے دوران میں نے ان سے کہا کہ آپ امریکہ آجائیں۔ علاج اور آب وہوا کی تبدیلی سے اچھا اثر پڑے گا۔ تو کہنے لگے کہ دیکھو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز یہاں ہیں۔ علاوہ جامعہ اور افتاء کے' میں ریسرچ سیل کے کام میں' جس میں کئی اور نوجوان میرے ساتھ ہیں مصروف رہتا ہوں۔ امریکہ بھلا کیسے آسکتا ہوں۔ اس سے پہلے بلو (مبارکہ۔ جو اب بشریٰ باری کہلاتی ہے۔ اہلیہ چوہدری عبدالباری صاحب کیلگری) نے بھی کینیڈا کے لئے سپانسر کیا ہوا ہے۔ لیکن اسے بھی میرا یہی جواب ہے۔ میں نے اصرار کیا چلیں کم از کم گرمیوں کی چھٹیوں میں ہی چکر لگا جائیں۔ تو کہنے لگے کہ آپ ضروری کاغذات بھجوا دیں جب گرمیاں آئیں گی تو دیکھا جائے گا۔ چنانچہ امریکہ واپس آکر میں نے ان کو

Visitar Visa کے لئے Affidavit of Support بھجوا دیا۔ جو مارچ ۱۹۸۴ میں ان کو مل گیا۔ دراصل اس سے پہلے اور بہن بھائیوں نے بھی ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ اب آپ کی صحت کمزور ہے۔ اس لئے ہمارے پاس آکر رہیں۔ کبھی عزیزوں کی کشش ان کو باہر آنے کی سوچ پر مجبور کر دیتی تھی۔ چنانچہ ۱۹۸۳ میں حضور ایدہ اللہ تعالی کی خدمت میں تحریر کیا تو حضور نے اجازت مرحمت فرمائی کہ ٹھیک ہے آپ میاں بیوی کینیڈا چلے جائیں۔ لیکن اس کے مقابل پر مرکز کی کشش (خصوصاً حضور اور جامعہ احمدیہ) تھی جو غالب رہی۔

پھر اپریل کا مہینہ گزرا اور خدا کی تقدیر حضور ایدہ اللہ کو لندن لے آئی۔ اس طرح ابا جان کا مرکز ثقل پاکستان سے باہر بحراوقیانوس میں منتقل ہو چکا تھا۔ چنانچہ کچھ روز بعد ربوہ سے ان کا فون آیا کہ حضور تو چلے گئے۔ اس لئے آپ کے بھجوائے ہوئے کاغذات کے ساتھ امریکہ کے ویزے کے لئے درخواست دی تھی جو منظور ہو گئی ہے۔ ہم عنقریب لندن کے لئے روانہ ہوں گے اور وہاں سے امریکہ بھی آئیں گے۔ یہ خبر ہم سب بہن بھائیوں کے لئے جو باہر کے ملکوں میں رہتے ہیں نہایت خوشی کا باعث تھی۔ چنانچہ ۲۳ مئی کو ابا جان اور میری والدہ لندن پہنچ گئے۔ پاکستان سے روانگی کے صرف چند روز قبل ان کا کینیڈین امیگریشن کا کیس جو تقریباً ایک سال سے پھنسا ہوا تھا منظور ہو کر آگیا۔ اس طرح مئی کے مہینہ ہی میں لندن۔ امریکہ کا ویزٹر ویزا اور کینیڈا کا امیگریشن ویزا مل گیا۔

لندن تقریباً دو ماہ قیام رہا۔ بیت الفضل سے زیادہ دور نہیں تھے۔ اس طرح حضور کا قرب نصیب رہا۔ پھر وہاں سے امریکہ پہلے نیو جرسی میں اپنی بڑی بیٹی امتہ الطیف اہلیہ ڈاکٹر کریم اللہ زیروی صاحب کے گھر رک کر خاکسار کے پاس یارک ٹاؤن (ورجینیا) میں تشریف لائے اور پھر ویسٹرن کینیڈا کے شہر کیلگری چلے گئے۔ جہاں چھوٹی بیٹی مبارکہ بشریٰ رہتی ہے۔ سب سے چھوٹا بیٹا عزیزم اطہر بشیر ان دنوں وہیں مقیم تھا۔ ایڈمنٹن جو کہ کیلگری سے ۳ گھنٹے کی مسافت پہ ہے وہاں منجھلا بیٹا ہشام قمر رہتا ہے۔ اسی طرح کیلگری اور ایڈمنٹن آتے جاتے رہے۔

کیلگری اور ایڈمنٹن میں خدا کے فضل سے فعال جماعتیں ہیں اس لئے جماعتی مصروفیت رہی۔ اسی عرصہ میں اپنے سابق شاگردوں کے خطوط بھی آتے رہے۔ لیکن ربوہ کی یاد ستاتی رہی۔ چنانچہ نومبر ۱۹۸۴ میں حضور کی خدمت میں تحریر کیا "سیدی الحمد للہ خاکسار کی طبیعت اب اچھی ہے۔ خاکسار دو ماہ کی رخصت لے کر آیا تھا اور حضور نے فرمایا تھا کہ یہ مدت گزار کر لندن واپس آجاؤں۔ یہاں پہنچ کر علاج کی صلاح بنی اور اسی وجہ سے دو ماہ کا عرصہ زائد ہوگیا۔ ایسی صورت میں تازہ ہدایت کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ آیا خاکسار لندن واپس ہو یا پاکستان چلا جائے یا جیسا حضور پسند فرمادیں" اسی خط پر حضور نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا "تکمیل

علاج تک وہیں ٹھہریں"

اباجان کو کئی عوارض لاحق تھے۔ ایک تو ذیابیطس کی بیماری تھی۔ جس کیلئے علاوہ خوراک میں پرہیز کے انسولین تجویز کی گئی۔ پہلے تو ہشام اور والدہ صبح شام ٹیکہ لگاتے تھے۔ پھر اباجان نے خود ہی ٹیکہ لگانا سیکھ لیا۔ چنانچہ اپنی عمر کے آخری چار سال باقاعدگی سے ٹیکہ لگاتے رہے کچھ عرصہ کیلئے دائیں ہاتھ میں تکلیف ہوگئی۔ اسلئے خط وغیرہ کچھ نہ لکھ سکتے تھے۔ اسکے لئے فزیو تھراپی کیلئے جاتے رہے آخر کافی علاج کے بعد ہاتھ نے دوبارہ کام شروع کر دیا۔ آخری عمر میں دو تکلیف دہ اپریشن ہوئے ایک پراسٹیٹ کا اور ایک پتے کا۔ دونوں بڑے حوصلے سے کروائے۔ پتے کا اپریشن یونیورسٹی آف البرٹا کے ہسپتال میں DR. PROCYSHYN نے کیا۔ اپریشن کے دوران (Adenocarcinoma of Pan creas) لبلبے کا کینسر بھی تشخیص ہوا۔ ایسے مریض کی عمر چھ ماہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن اس کینسر کے بارے میں نہ تو اباجان کو بتایا گیا نہ مجھے۔ جب دوماہ گزر گئے تو پھر ہشام نے مجھے بتایا مشورہ لینے کے لئے کہ اباجان کو بتائیں یا نہ میں نے کہا کہ میں اس ڈاکٹر سے خود بات کر کے مشورہ دوں گا۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر Dr. Procyshyn کو فون کیا تو اس نے بتایا کہ جب اس نے اپریشن کیا تو Pancreas میں مٹھی کے برابر ٹیومر دیکھا۔ اتنا بڑا تھا کہ اس کو مزید کچھ کرنا فضول سمجھا۔ بس صرف پتے کا بائی پاس کر دیا ساتھ ہی کہنے لگا تمہارا باپ چار مہینے سے زیادہ زندہ نہیں رہے گا۔ ڈاکٹر سے بات کر کے تشویش بھی ہوئی اور یہ احساس بھی کہ اباجان کو بتا دینا چاہئے چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اس کو سن کر اباجان نے جواب دیا اچھا گھبرانے کی کوئی بات نہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اس کے بعد والدہ انہیں پاکستان سے منگوائی ہوئی "سچی بوٹی" پلاتی رہیں اور دعا بھی ہوتی رہی۔ جون ۱۹۸۶ میں کیلگری گیا تو اباجان نے مسکراتے ہوئے کہا کہ میرے ٹیسٹ ہوئے ہیں ان میں ٹیومر کا نام و نشان بھی نہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اگر ڈاکٹر کی تشخیص غلط بھی ہو تو اگر کسی کو بتا دیا جائے کہ اس کی زندگی کے چار ماہ باقی ہیں وہ اس خیال سے ہی بیمار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن جو اگلے جہاں میں جانے کے لئے تیار بیٹھے ہوں ان کو کوئی غم نہیں ہوتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اباجان کو ایک نفس مطمئنہ عطا ہوا تھا۔ زندگی میں جو بھی مشکل پیش آئی ایک ہی وطیرہ تھا۔ فوراً دعا میں لگ جاتے اور جو کوئی ظاہری وسیلہ ہاتھ میں ہوتا اس کو ضرور استعمال کرتے اور باقی سب خدا پر چھوڑ دیتے۔ توکل علی اللہ کا قابل رشک نمونہ تھے۔

اباجان کی بیماریوں کا صحیح نقشہ حضور ایدہ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے ایک خط نے یوں کھینچا۔
"دراصل آپ کی حالت عمر رسیدہ موٹر کی طرح ہے جس کی اگر ایک دفعہ مرمت شروع ہو جائے تو پھر لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے۔ تاہم جلدی کوئی نہیں آپ اطمینان سے Recondition ہونے کے بعد آئیں"۔

کیلگری۔ ایڈمنٹن اور بعد میں یارک ٹاؤن ورجینیا میں قیام کے دوران ابا جان علمی کاموں میں مصروف رہے۔ اور حضور سے ہدایات بھی لیتے رہے۔ چنانچہ ابا جان نے اپنی علمی مصروفیات کا نقشہ محترم سید شمشاد احمد صاحب ناصر جو اس وقت ڈیئن (امریکہ) میں مربی تھے۔ کے نام ایک خط میں یوں کھینچا

" اس وقت تک جب سے کینیڈا آیا ہوں۔ مندرجہ ذیل کام کرنے کی توفیق ملی ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ یہ کام مقبول ہوں اور نافع الناس ہوں آمین

1۔ حدیقہ الصالحین پر نظر ثانی کی ہے۔ پہلے سات سو کے قریب احادیث مع ترجمہ تھیں۔ اب ہزار کا مجموعہ تیار ہوا ہے۔ اور اشاعت کے انتظار میں ہے۔ دیکھیں کب باری آتی ہے؟

2۔ "تاریخ افکار اسلامی" کے عنوان سے اختلافات اور اسلامی فرقوں اور ان کی تحریکات کی تاریخ لکھی ہے۔ کوئی پانچ سو صفحات کا مسودہ ہے کتابت ہو چکی ہے۔ دیکھیں طباعت کی کب باری آتی ہے۔

3۔ "تین عظیم الشان موعود"۔ حضرت مسیح علیہ السلام۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ایک نئے انداز میں پیش کی ہے اس وقت مرکز میں حسب ارشاد حوالہ جات کی چیکنگ اور تکمیل کے مراحل میں ہے۔

4۔ "دارالسلام اور دارالحرب" پر دو سو صفحات کا مقالہ۔ حضور نے طباعت کے لئے وکالت تصنیف کے سپرد فرمایا ہے۔"

☆ حدیقہ الصالحین پر نظر ثانی کا کام مکمل کرنے کے بعد حضور کی خدمت میں تحریر کیا۔

"الحمد للہ کہ قریبا ایک سال کی محنت کے بعد حدیقہ الصالحین پر نظر ثانی کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ الحمد للہ

اب اس مجموعہ میں کل ایک ہزار حدیث شامل ہے۔ تین سو کے قریب نئی احادیث ہیں جو مختلف ابواب میں تقسیم کی گئی ہیں کوشش کی گئی ہے کہ ہرباب کے مضمون کو مکمل کرنے والی احادیث شامل کی جائیں مثلاً پہلا باب جو "خلوص نیت" کے مضمون پر مشتمل ہے اس میں کل سات احادیث ہیں جن میں دو نئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح۔ سیرت اور مقام سے متعلق کل احادیث ۴۶ ہیں جن میں سے ۱۴ نئی شامل کی گئی ہیں اسی طرح قریباً اکثر ابواب میں کچھ نہ کچھ اضافہ اس نقطہ نظر سے کیا ہے کہ باب کا مضمون مکمل ہو جائے۔ مجموعہ کے کل ابواب ۱۲۵ ہیں ان میں بعض نئے ابواب کا اضافہ کیا گیا ہے مثلاً پرانے ابواب میں مہمان نوازی کا باب نہ تھا اسی طرح حسن ظن سے متعلق کوئی باب نہ تھا۔ قضاء عدالت خصومات اور مقدمات۔ شوری اور فقہ کے بارہ میں کوئی باب نہ تھا اس قسم کے عنوانات زائد کرکے ان میں بڑے عمدہ مضامین پر مشتمل احادیث درج کی گئی ہیں........

ایک مسودہ تیار کرکے دو سال پہلے پاکستان بھجوایا تھا لیکن کراچی میں کسٹم والوں کی نذر ہو گیا۔ انا للہ وانا

الیہ راجعون (شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ زیادہ بہتر مجموعہ تیار ہو۔) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر مشکل اور ہر شر سے محفوظ رکھے۔ آمین
خاکسار کے ساتھ اس مجموعہ کی تیاری میں محترم سید شمس الحق صاحب اور محترم منیر احمد جاوید صاحب نیز مسودہ کی لکھائی میں خاکسار کی اہلیہ محترمہ عزیزہ امتہ الرشید شوکت صاحبہ اور فوٹوسٹیٹ کے لئے محترم چوہدری محمد الیاس صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ اور عزیزم محترم چوہدری عبد الباری صاحب نے بہترین تعاون فرمایا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء حضور کی خدمت میں درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں کو جزائے خیر دے اور اپنے خاص فضلوں سے نوازتا رہے۔ اللھم آمین"

اس دوران سفر بھی کرتے رہے۔ ۱۹۸۶ میں ٹورنٹو میں بیت الاسلام کے سنگ بنیاد رکھنے کے لئے حضور ایدہ اللہ تشریف لائے تو اس وقت محترم نسیم مہدی صاحب امیر و مشنری انچارج کینیڈا نے آپ کو بھی ٹورنٹو مدعو کیا اور آپ کو بھی بیت کی بنیادی اینٹ رکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس کے علاوہ وینکوور بھی گئے میری والدہ بھی ساتھ تھیں۔ وہاں مشن ہاؤس میں ٹھہرے۔ ان دنوں محترم ریٹائرڈ کرنل محمد سعید صاحب مشن کے انچارج تھے۔ انہوں نے مشن ہاؤس کے علاوہ پانچ گھروں میں بھی سوال جواب کی مجالس لگائیں۔ آپ ہر جگہ گئے اور اس طرح سب جماعت کے افراد سے تعارف اور ملاقات بھی ہوگئی۔ اور سوالوں کے جواب بھی انہیں مل گئے۔ بعض غیر از جماعت احباب بھی ان مجلسوں میں شامل ہوئے۔ میری والدہ بیان کرتی ہیں کہ اگست ۱۹۸۴ سے اکتوبر ۱۹۸۹ تک جہاں جہاں بھی ہم دونوں گئے میں نے یہی دیکھا کہ روزمرہ کے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر آپ بستر پر گاؤ تکیے کا سہارا لے کر کچھ مطالعہ کر رہے ہوتے یا کچھ لکھ رہے ہوتے۔

ربوہ کی یاد بھی بعض دفعہ ستاتی۔ چنانچہ ایک دفعہ خط میں لکھا۔

"یہاں گھومنے پھرنے میں بھی کار نہ چلا سکنے کی وجہ سے بڑی دقتیں ہیں۔ غرض اداسی۔ بوریت شامل حال ہے۔ طبیعت تنگ تنگ ہے جلد پاکستان جانے کو دل کرتا ہے لیکن چین وہاں بھی کہاں۔ سارے پیارے تو ادھر ہی ہیں بس حالت نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والی ہے۔ یوں دیکھا جائے تو یہ ساری سوچیں فضول ہیں اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ پچھترواں سال جا رہا ہے۔ تابکے' اب تو اوپر والے سے لو لگانے کے دن ہیں اب تم دعائیں کرلو غار حرا یہی ہے۔ لیکن یہ بھی تو اس ذات پاک کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں بہرحال کچھ گزر رہی ہے کچھ گزر جائے گی یہی تمنا ہے کہ سب پیارے بچوں کی طرف سے خیر کی خبریں آتی رہیں۔ ٹھنڈی ہوائیں خوشیوں کو تازہ کرتی رہیں۔ آمین"

۱۹۸۸ کے شروع میں پارک ٹاؤن تشریف لائے اور والدہ کو چھوڑ کر لندن چلے گئے۔ وہاں بیٹی امتہ الباسط اہلیہ مکرم سید منصور احمد شاہ صاحب بھی رہتی ہے مگر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے کمال شفقت سے بیت کے سامنے

ہی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرانے کا انتظام فرمادیا۔ خط میں لکھا کہ "نمازیں حضور کے پیچھے پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ مجلس عرفان میں بھی شامل ہو جاتا ہوں۔ کبھی کوئی سوال آجاتا ہے تو اسکا جواب لکھ لیتا ہوں۔ طبیعت بدستور خراب ہے۔ بہرحال اس لحاظ سے اطمینان ہے کہ حضور کا قرب بھی حاصل ہے اور دیدار بھی ہو جاتا ہے"۔

پھر چار ماہ وہاں رہ کر اگست ۱۹۸۸ میں امریکہ واپس آگئے۔ میں نے یونہی چھیڑتے ہوئے کہا کہ آپ تو کہتے تھے کہ اب لندن میں ہی رہوں گا۔ پھر واپس کیوں آئے؟ کہنے لگے کہ مجھے ڈر تھا کہ میں جماعت پر بوجھ نہ بن جاؤں۔ اگر میرے وسائل اجازت دیتے تو اپنا گھر بیت کے قریب لے کر رہتا تو اور بات تھی۔ اب حضور کو ایسے لوگوں کی زیادہ ضرورت ہے جو انگریزی دان ہوں اور مجھے انگریزی نہیں آتی۔ پھر اپنی چھوٹی عمر میں انگریزی سیکھنے کی کوشش کرنے کی داستان بھی سنائی۔ جو انہی دنوں الفضل میں بھی چھپی۔ ان کا خیال تھا کہ انہیں انگریزی آتی ہوتی تو لندن میں حضور کی زیادہ خدمت کر سکتے۔

بہرحال ابا جان کی طبیعت ایسی نہیں تھی کہ وہ کسی بات کا غم لگا کر بیٹھ جائیں بلکہ حتی المقدور مسئلے کا حل نکالنے کی کوشش کرتے اب جو مسئلہ درپیش تھا اس کا حل ان کے دماغ میں واضح تھا کیوں نہ انگریزی سیکھنے کی کوشش کی جائے؟ چنانچہ انگریزی سے اردو کی ڈکشنری انہوں نے منگوائی اور انگریزی کی کہانیوں کی کتاب کا کچھ حصہ ہر روز ڈکشنری کی مدد سے پڑھتے اس کے علاوہ ٹی وی پر خبروں کے علاوہ Discovery Channel پر بعض دفعہ شام کو معلوماتی پروگرام کیڑوں مکوڑوں یا جانوروں پر آتے جن کو پورے انہماک سے سنتے تھے۔ انگریزی کا اخبار بھی ڈکشنری کی مدد سے پڑھنے کی کوشش کرتے۔ یہ سلسلہ تقریباً سال بھر جاری رہا۔ جب ۱۹۸۹ میں یارک ٹاؤن سے جانے لگے تو بتایا کہ اب مجھے ٹی وی کی خبروں کی پچاس فی صد سمجھ آجاتی ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ کیلگری اور ایڈمنٹن میں تو باقاعدہ جماعتیں قائم ہیں اس لئے جماعتی مصروفیت بھی رہتی تھیں۔ لیکن یارک ٹاؤن میں کوئی اور احمدی خاندان نہ تھا۔ مگر ابا جان ہر حال میں خوش رہنے والے تھے۔ اپنے مطالعہ اور خط و کتابت میں لگے رہتے۔ "تین عظیم الشان موعود" انہی دنوں میں تحریر کیا اور الفضل کے لئے کچھ مضامین لکھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ مشغلہ ڈھونڈا کہ ہمارے گھر کے پیچھے زمین میں کافی جھاڑیاں یا چھوٹے چھوٹے درخت تھے۔ ابا جان ہر روز کلہاڑی اور بیلچہ وغیرہ لے کر کچھ وقت اس زمین کی صفائی میں لگاتے تاکہ بچے وہاں کھیل سکیں۔ میں نے کہا تو فرمانے لگے اس طرح میری ورزش ہو جاتی ہے کچھ مہینوں کی لگاتار کوشش کے بعد وہ زمین جھاڑیوں وغیرہ سے صاف ہوگئی۔ پھر کچھ زمین پر کیاریاں بنائیں اور وہاں ٹماٹر وغیرہ لگائے۔ کھیتی باڑی سے ہمیشہ سے لگاؤ تھا ایک دفعہ میرے بھائی ہشام کو لکھا "مطالعہ اور گارڈننگ کی مصروفیات بہترین مشغلہ ہیں۔ اس سے مستعدی اور باقاعدگی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اگر توجہ دی جائے

تو ٹماٹر۔ پالک۔ کدو اور سلاد وغیرہ سے متعلق سبزیاں بھی اگائی جاسکتی ہیں۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام والا معاملہ ہے۔"

اکتوبر ۱۹۸۸ میں ٹورنٹو کے جلسہ پر جماعت کی دعوت پر گئے۔ اور وہاں سوال و جواب کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ نومبر میں پروگرام بنا کہ پاکستان جائیں۔ سیٹیں بک کروائیں۔ پھر اس خیال سے کینسل کروا دیں کہ لندن میں جشن جوبلی میں شامل ہونے کے بعد جائیں گے۔ مارچ ۱۹۸۹ میں واشنگٹن میں جوبلی کی تقریبات میں شامل ہوئے۔ جون میں ٹورنٹو کے جلسہ پر گئے جس میں حضور ایدہ اللہ نے بھی شرکت فرمائی۔ پھر اسی ماہ واشنگٹن کے جلسہ سالانہ پر بھی شامل ہوئے۔ جولائی میں لاس اینجلیس کی "بیت" کے افتتاح پر گئے۔ ساتھ میری والدہ' میری بیوی خاکسار اور تین بچے تھے۔ تین دن قیام جماعت کے انتظام کے تحت ایک مخلص دوست ڈاکٹر طاہر احمد صاحب کے ہاں تھا۔ یارک ٹاؤن واپس آکر فوراً شکریہ کا خط ان کو لکھا۔ یہ عادت تھی کہ اسی طرح شکریہ کا خط ضرور لکھتے تھے۔ لاس اینجلس میں "بیت" کی تقریبات کے علاوہ سیر کا بھی پروگرام تھا۔ چنانچہ ڈزنی لینڈ۔ یونیورسل سٹوڈیو اور SAN DIEGO میں SEA WORLD بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ ان دنوں میں قیام ہوٹل میں رہا۔

ڈزنی لینڈ میں یوں ہوا کہ میرے بیٹے احسن نے جس کی عمر اس وقت سات سال تھی ایک رائڈ پر جانے کیلئے ضد شروع کر دی۔ یہ رائڈ جس کا نام SPACE MOUNTAIN ہے کافی سخت رائڈ لگتی تھی۔ میری چونکہ کمر میں تکلیف رہ چکی تھی اس لئے میں جانا نہ چاہتا تھا۔ ویسے بھی ایسی رائڈز پر میں نہیں جاتا۔ میرے سر کے چکر تو بچپن سے ہی مشہور ہیں۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) کھوتکہ تشریف لے گئے قافلہ کے ساتھ ایک کار میں ابا جان میری والدہ اور میں بھی تھا راستے میں خوشاب کے بعد جو پہاڑیاں آتی ہیں ان میں چکروں کی وجہ سے الٹیاں آنی شروع ہوگئیں تو سارے قافلے کو رکنا پڑا تھا۔ میری بیوی امید سے تھیں اس لئے وہ بھی نہ جاسکتی تھیں۔ ہم نے احسن کو خوب بہلایا پھسلایا مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا اور رونا شروع کر دیا جس پر ابا جان نے کہا چلو اسے میں لے چلتا ہوں۔ ابا جان کی صحت کے خیال سے میں تو سخت ڈرا کہ لو شامت آئی میں نے کہا نہیں نہیں میں لے جاؤں گا۔ جس پر کہنے لگے کہ نہیں آپ کی کمر میں درد ہے میں ہی لے جاتا ہوں کوئی بات نہیں۔ بہرحال ابا جان کو میں روک نہ سکا۔ چنانچہ ہم سب لائن میں کھڑے ہوگئے جو خاصی لمبی تھی دل میں بار بار خیال آئے کہ ابا جان کو کچھ ہوگیا تو پھر۔ بہرحال دعاؤں میں لگے رہے۔ اور لائن جوں جوں آگے بڑھتی گئی میرے دل کی دھڑکن تیز تر ہوتی گئی۔ ابا جان آرام سے کھڑے بڑے مطمئن نظر آتے تھے۔ ہماری باری آنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی کہ اعلان ہوا کہ فنی خرابی کی وجہ سے رائڈ عارضی طور پر بند کی جا رہی ہے۔ چنانچہ سب لوگوں کو واپس جانا پڑا اتنی دیر میں احسن کی ضد بھی ختم ہو چکی تھی۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مسئلہ حل کر دیا۔

جولائی کے آخر میں لندن کے جلسہ سالانہ میں شامل ہوئے وہاں جلسہ کے دنوں میں قیام اسلام آباد میں محترم عبدالمومن طاہر صاحب کے پاس کیا۔ اگست میں واپس امریکہ ہوتے ہوئے ایڈ منٹن پہنچ گئے۔ یہ آخری سفر ثابت ہوا۔

ایڈ منٹن میں یہ پروگرام بنا کہ پاکستان جاتے ہوئے عمرہ کرتے جائیں۔ چنانچہ سعودی سفارت خانے سے ویزے کے فارم منگوائے۔ جن کے لئے تصویروں کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ پاکستان کا ویزا بھی لینا تھا۔ کیونکہ سفر کینیڈین پاسپورٹ پر کرنا تھا۔ اب آخری بیماری کی داستان اپنی والدہ کی زبانی پیش کرتا ہوں آپ لکھتی ہیں۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۸۹ پیر کا دن تھا جب صبح اٹھے تو میں نے ان سے پوچھا آج رات کتنی مرتبہ اٹھے کہنے لگے دو دفعہ اٹھا تھا۔ ایک مرتبہ جب اٹھا تو تم رو رہی تھی۔ میں نے کہا اچھا رات میں نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟

اس صبح آپ نے فجر کی نماز کی ادائیگی اور تلاوت قرآن کریم کے بعد ناشتہ کیا اور پھر لکھنے بیٹھ گئے۔ اس دن آپ نے چار خط لکھے۔ دو حضور ایدہ اللہ تعالی کی خدمت میں اور ایک اپنے داماد سید منصور شاہ صاحب آف لندن اور ایک سب سے چھوٹے داماد چوہدری عبد الباری کو۔ لندن والے خط میں لکھا

"ارادہ ہے کہ انشاء اللہ تعالی و بتوفیقہ دسمبر کے مہینے میں عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ جائیں اور مدینہ منورہ زیارت کی غرض سے ۔ عزیز مجیب ساتھ ہوں گے۔ قیام انشاء اللہ ہوٹل میں ہوگا۔ جدہ میں اگر کوئی ایسے دوست ہوں جو ضرورت پڑنے پر راہنمائی کر سکیں تو ان کے ایڈریس سے اطلاع دیں۔"

ارادہ تھا کہ بازار سے واپسی پر خط پوسٹ کر دیں گے۔ اس دن دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہم دونوں اپنی بہو طیبہ کے ساتھ گھر سے فوٹو کھنچوانے نکلے۔ پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد ہم مال پہنچے تو آپ سیٹ پر ہی بیٹھے رہے۔ میں نے دروازہ کھول کر پوچھا کہ آپ اترے نہیں۔ لیکن کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور میرے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ کچھ دور جا کر لوہے کے جنگلے کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ میں آگے تھی اس لئے دیکھ نہ سکی۔ طیبہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور حیرت سے کہا کہ خالو جان وہاں کیوں کھڑے ہیں؟ میں نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دے کر بٹھایا۔ میرے پرس میں کوزہ مصری کی کچھ ڈلیاں تھیں (ایک سال قبل واشنگٹن میں تھے تو عید کے موقع پر صاحبزادی امتہ القیوم، بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے کوزہ مصری کی ایک شیشی ملک صاحب کے لئے بطور تحفہ دی کہ ان کی کھانسی کے لئے مفید ہوگی)۔ ایک ڈلی میں نے ملک صاحب کے منہ میں ڈالی۔ اسے چوس کر انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ دوسری ڈلی پیش کی تو کہنے لگے میں اب ٹھیک ہوں۔ میں نے کہا کہ چلیں کہنے لگے نہیں فوٹو کھنچوانے ہیں۔ ساتھ ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے میں نے انہیں سہارا دیا۔ اور تین چار قدم ہی گئے تھے کہ سامنے سے دو شخص WHEEL CHAIR لے کر آگئے (دراصل جب ملک صاحب جنگلے کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے تھے تو میں نے ایک گزرتی ہوئی

خاتون سے صرف اتنا کہا کہ ایمبولنس۔ اور اس اجنبی خاتون نے اندر جاکر Wheel Chair کا انتظام کر دیا۔)
ابھی شاپنگ سنٹر کے اندر گئے ہی تھے تو ایمبولنس آگئی اور ہسپتال چلنے کو کہا۔ مجھے کہنے لگے گھر چلیں (لیکن اب ان کے اصلی گھر جانے کا وقت آگیا تھا) ایمبولنس والوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا چنانچہ ہم دونوں اڈمنٹن کے GREY NUNS HOSPITAL میں پہنچے جو قریب ہی تھا۔ ہسپتال پہنچ کر کوئی گھبراہٹ نہیں تھی۔ آپ کو بیڈ پر لٹایا گیا۔ ڈاکٹر کے سامنے انہوں نے فم معدہ پر ہاتھ رکھ کر مجھے کہا یہاں سے دباؤ۔ میں نے آہستہ آہستہ سے انگلیوں سے دبایا تو ڈاکٹر نے پوچھا کہ یہ تکلیف کب سے ہے۔ میں نے کہا کہ گیس کی تکلیف تو پرانی ہے۔ اس نے پوچھا کہ پھر کیا علاج کرتے ہو۔ ملک صاحب خود ہی کہنے لگے کہ malox غرض یہ کہ آخر تک ملک صاحب نے اپنے سب کام خود کئے اور ہوش و حواس بھی آخر تک قائم رہے اس کے بعد ان کو INTENSIVE CARE UNIT (خاص حفاظتی کمرہ) میں لے گئے اور تھوڑی دیر چیک اپ کرنے کے بعد ہم دونوں کو کہا کہ آپ نے جنکو اطلاع کرنی ہے کر دیں۔ ۲۴ کی شام عزیزہ امۃ اللطیف اور عزیزم مجیب بھی پہنچ گئے۔ بشریٰ۔ باری اور ہشام وغیرہ تو پہلے ہی یہاں تھے۔ ۲۳ کی دوپہر کو ہم گھر سے اچھے بھلے نکلے تھے۔ ۲۴ اور ۲۵ اکتوبر کی درمیانی رات کو آپ اپنے محبوب حقیقی کی طرف روانہ ہوگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی عبادک المومنین

غسل قادیان کے ایک درویش (نصیر احمد قادیانی صاحب کے والد) نے دیا۔ اڈمنٹن میں جنازہ محترم مبارک احمد نذیر صاحب نے پڑھایا۔ جس میں ویسٹرن کینیڈا کی جماعتوں سے آئے ہوئے احباب شامل ہوئے۔ پھر جنازہ لے کر ہم پاکستان کے لئے روانہ ہوئے تو ٹورنٹو میں بھی رکے جہاں محترم نسیم مہدی صاحب نے جنازہ پڑھایا۔ ٹورنٹو۔ نیویارک سے ہوتے ہوئے کراچی پہنچے۔ کراچی کی جماعت نے ہماری مدد اور راہنمائی کی۔ اور ایک نمائندہ ہمارے ساتھ بھجوایا۔ فیصل آباد پہنچے تو حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعت بنفس نفیس باوجود بیماری کے ہوائی اڈا پر موجود تھے۔ ان سے رخصت لے کر ربوہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ربوہ سے سواریاں آگئی تھیں۔ میری والدہ میرے ساتھ کار میں تھیں ہشام اور اطہر بھی قافلے میں شامل تھے۔ جنازہ ایک دوسری ویگن میں تھا تب میری بیوی نائلہ کی خواب یاد آئی۔ جو غالباً ایک ماہ پہلے انہوں نے دیکھی کہ ابا جان ایک کار میں جا رہے ہیں لیکن آپا (میری والدہ) دوسری کار میں ہیں۔ تو ابا جان کہتے ہیں کہ اچھا ہوتا اگر آپ کی آپا بھی ساتھ ہوتیں۔

دارالضیافت پہنچے وہاں نوشہرہ سے تیسری بیٹی امۃ الحمید بھی آگئی دوسرے دن میت دارالضیافت سے اٹھائی گئی۔ نماز جنازہ حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے ہی پڑھائی۔ اور بہشتی مقبرہ میں تدفین کے بعد انہوں نے ہی دعا کروائی۔

تو یہ ہے ابا جان کے سفر آخرت کی طرف روانگی کی داستان

حضرت ملک سیف الرحمن صاحب کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ایک تحریر

شکر باری

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس

میں ضلع سرگودھا کے علاقہ سون سکیسر کے ایک انتہائی پسماندہ چھوٹے سے گاؤں میں ۱۹۱۲ء میں
پیدا ہوا۔ بڑی معمولی حیثیت تھی تو نے مجھے اعزاز بخشا نا مساعد حالات
کے باوجود علم دین حاصل کرنے کی توفیق بخشی اور پھر اس علم کے شیریں
پھلوں سے نوازا۔ کی حقیقی تعلیم جو احمدیت پیش کرتی ہے اسے
قبول کرنے کی سعادت عنایت فرمائی ایک نیک طبیعت محبت کرنے والی بیوی
عطا کی۔ فرمانبردار پیار کرنے والی دین کا شعور رکھنے والی نہایت ہی پیاری اولاد دی
بیٹیاں بھی دیں لڑکے بھی دیئے
اور انہیں اپنے خاص فضلوں سے نوازا۔ ترقی یافتہ ممالک میں انکو
بسایا اور مالی فارغ البالی عطاء کی پھر اس نیک اولاد کے ذریعہ ان
انتہائی ترقی یافتہ ممالک میں آنے کی توفیق بخشی۔ غرض تیرے احسانوں
کو شمار نہیں کر سکتا تو ذوالفضل العظیم ہے جسے چاہتا ہے اپنے فضلوں
سے نوازتا ہے اے میرے محسن خدا تو میری اولاد کو دین و دنیا کی
دین کا خادم بنا اور ان کا حامی ہو
برکات سے نواز ہر مشکل سے بچائے رکھ ہر فضل عنایت کر الٰہی خاتمہ بالخیر
فرما۔

خذ بلطفک یا الٰہی من لہ زاد قلیل + مفلس بالصدق یاتی عند بابک یا جلیل

هُمُ الْمَصَابِيحُ وَالْحُصُونُ

(مکرم عطاء اللہ کلیم صاحب سابق وائس پرنسپل جامعہ احمدیہ۔ مشنری انچارج جرمنی)

خاکسار کا مکرم محترم ملک صاحب سے تعارف اس وقت ہوا جب خاکسار مدرسہ احمدیہ قادیان کی آخری کلاس میں تھا اور آپ ہمیں شرح تہذیب کتاب پڑھانے پر مقرر ہوئے۔ آپ اپنے طلبہ کو بڑی شفقت اور محبت سے پڑھاتے اور مضمون کو طلبہ کے ذہن نشین کروانے کی کوشش فرماتے اور اس طرح اس خشک مضمون میں دلچسپی پیدا فرماتے۔

مدرسہ احمدیہ سے جلد خاکسار جامعہ احمدیہ قادیان مولوی فاضل کی تعلیم کے لئے منتقل ہو گیا اور اس طرح مشفق استاد سے بظاہر تعلق جاری نہ رہ سکا۔

تقسیم ملک کے بعد ربوہ میں آپ سے گاہے بگاہے ملاقات ہوتی اور بڑی محبت اور شفقت سے ملتے۔

۱۹۵۰ء میں خاکسار گولڈ کوسٹ (جو بعد آزادی "غانا" نام سے موسوم ہوا) خدمت دین کے لئے روانہ ہوا جہاں اللہ تعالیٰ نے انیس سال خدمت کی توفیق دی۔

دسمبر ۱۹۸۳ء میں جب خاکسار امریکہ میں چھ سات سال کی خدمت کے بعد واپس مرکز ربوہ آیا تو مقررہ رخصت کے اختتام پر اپریل ۱۹۸۴ء میں خاکسار کو جامعہ احمدیہ ربوہ میں وائس پرنسپل مقرر کیا گیا جو میرے لئے بالکل ایک نئی فیلڈ تھی تاہم استاذی المکرم محترم ملک صاحب جو کہ اس وقت جامعہ احمدیہ کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز تھے کی شفقت اور حوصلہ افزائی سے خاکسار نے مفوضہ فرائض ادا کرنے کی کوشش کی۔

آپ نے خاکسار کے لئے علیحدہ وسیع کمرہ بطور دفتر دیا اور تمام ضروری اشیاء مہیا فرمائیں لیکن افسوس کہ اپنی شومئ قسمت کی وجہ سے مکرم محترم ملک صاحب کی براہ راست شفقت اور راہنمائی سے جلد محروم ہو گیا کیونکہ آپ اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے رخصت پر کینیڈا تشریف لے گئے تاہم وہاں سے بھی خطوط کے ذریعہ راہنمائی فرماتے رہے۔ فجزاهم الله احسن الجزاء

مکرمی محترمی ملک صاحب سے آخری ملاقات جلسہ سالانہ یوکے ۱۹۸۹ء میں اسلام آباد (لندن) میں ہوئی اور اس وقت ان کی صحت حقیقتاً کمزور معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود ان کی سلسلہ سے عقیدت اور خلیفہ وقت سے محبت اور وابستگی ان کو کینیڈا سے انگلینڈ لے آئی۔

آپ بہت بعد میں آئے اور بہت سے پہلے آنے والوں سے آگے گزر گئے

وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

آپ کی ذات ان تمام صفات کی حامل تھی جن کا ایک مجذوب نے حضرت جنید بغدادی کی وفات پر ان اشعار میں اظہار کیا تھا۔

وَا اَسَفَا عَلٰی فِرَاقِ قَوْمٍ
ھُمُ الْمَصَابِیْحُ وَ الْحُصُوْنُ
وَالْمُدْنُ وَالْمُزْنُ وَالرَّوَاسِیْ
وَالْخَیْرُ وَالْاَمْنُ وَالسُّکُوْنُ
لَمْ تَتَغَیَّرْ لَنَا اللَّیَالِیْ
حَتّٰی تَوَفَّتْھُمُ الْمَنُوْنُ
فَکُلُّ جَمْرٍ لَنَا قُلُوْبٌ
وَکُلُّ مَاءٍ لَنَا عُیُوْنٌ

ترجمہ عربی اشعار

ہائے افسوس ان لوگوں کی جدائی پر جو دنیا کے لئے سورج کا کام دیتے تھے اور قلعوں کا رنگ رکھتے تھے اور ان کی وجہ سے عذابوں اور مصیبتوں سے دنیا کو نجات ملتی تھی۔

: اور وہ شہر تھے جن سے دنیا آباد تھی۔ وہ بادل تھے جو سوکھی کھیتیوں کو سرسبز کر دیتے تھے۔ وہ پہاڑ تھے جن سے دنیا کو استحکام تھا۔ وہ تمام بھلائیوں کے جامع تھے اور دنیا ان سے امن و سکون حاصل کرتی تھی۔

: ہمارے لئے زمانہ تبدیل نہیں ہوا اور دنیا کے دکھوں اور تکلیفوں نے ہمیں گھبراہٹ میں نہ ڈالا۔

: مگر جب وہ فوت ہو گئے تو ہمارے سکھ تکلیفیں بن گئے اور ہمارے آرام دکھ بن گئے۔ پس اب ہمیں کسی آگ کی ضرورت نہیں کہ ہمارے دل انگارہ ہیں اور ہمیں اب کسی پانی کی ضرورت نہیں کہ ہماری آنکھوں سے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مکرم محترم ملک صاحب کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور آپ کی اولاد کو باقیات صالحات بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆ اظہار تشکر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خاکسار ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ جنہوں نے اپنے مضامین، حضرت ملک صاحب کی تصاویر اور مکتوبات بھیج کر اس نمبر کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے خاکسار کی معاونت فرمائی۔

اس سلسلہ میں خاکسار خصوصاً حضرت ملک صاحب کی اہلیہ محترمہ امتہ الرشید شوکت صاحبہ اور آپ کے صاحبزادے مکرم مجیب الرحمان ملک صاحب، مکرم ہشام قمر ملک صاحب اور آپ کی صاحبزادی امتہ الحمید صاحبہ کا بے حد ممنون ہے کہ انہوں نے خاکسار کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔ اور جب بھی خاکسار نے حضرت ملک صاحب کے متعلق کوئی استفسار کیا یا مواد کے بارہ میں کوئی تقاضا کیا تو جتنی جلدی ممکن ہوسکا ان احباب نے تعاون کرتے ہوئے اس کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت ملک صاحب کے تمام افراد خاندان کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

مکرم و محترم حبیب الرحمان صاحب زیروی اسسٹنٹ لائبریرین خلافت لائبریری کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے خود بھی حضرت ملک صاحب کے افراد خاندان سے رابطہ کیا اور حضرت ملک صاحب کی بہت ساری تصاویر مہیا فرمائیں اور حسب سابق ہر ممکن تعاون فرمایا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

رسالہ خالد کے مضامین کی تیاری ان کی ترتیب اور ان کی تھکا دینے والی بار بار کی پروف ریڈنگ، مختلف بزرگوں سے انٹرویو کرنے اور پھر آڈیو کیسٹس سے ان کو لکھنے جیسے محنت طلب کاموں میں خاکسار درج ذیل ان تین افراد کا بے حد ممنون ہے کہ جنہوں نے قدم بقدم خاکسار کی معاونت فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ مکرم برادرم خواجہ ایاز احمد صاحب سجاد اور خاکسار کی اہلیہ مکرمہ امتہ القیوم سعدیہ صاحبہ اور خاکسار کی ہمشیرہ محترمہ امتہ الحیٔ آسیہ صاحبہ، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جناب سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اسی طرح خاکسار اس رسالے کی کمپوزنگ کے لئے مکرم طارق محمود صاحب ناصر، مکرم مقصود اظہر صاحب گوندل اور مکرم سید صہیب احمد صاحب، اور پیسٹنگ اور رسالے کی ترتیب میں معاونت کے لئے مکرم ظہیر احمد خان صاحب کا بھی بے حد ممنون ہے۔ نیز شاف ضیاء الاسلام پریس اور محترم عبدالغنی صاحب بائینڈر جو ایک لمبے عرصہ سے رسالہ کی بائینڈنگ بڑی محنت اور لگن سے کرتے ہیں ان کا بھی مشکور ہے۔

محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اور مہتمم صاحب اشاعت مکرم برادرم مرزا عبدالصمد احمد صاحب اور مکرم مبارک احمد صاحب خالد اور مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر کا بھی شکر گزار ہوں جن کا ہر ممکن تعاون اور جن کی دعائیں میرے حوصلہ کو بڑھاتی رہیں۔

ان تمام احباب کا شکریہ تو "من لم یشکر الناس لا یشکر اللہ" کے تحت ضروری تھا۔ اور واجب بھی، اور سب سے اول اور سب سے آخر تو خدائے غفور رحیم کا شکر گزار ہوں کہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی جس نے توفیق دی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ریاء، عجب، اور تکبر سے بچائے رکھے اور اس ایک معمولی سی خدمت کو قبول فرماتے ہوئے ہماری ستاری فرمائے، پردہ پوشی فرمائے اور جو بہت سی کوتاہیاں، خامیاں رہ گئی ہیں ان کو معاف فرمائے اور اس کو ہمارے حق میں صدقہ جاریہ بنا دے۔ ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا۔ آمین۔ (مدیر خالد)

Monthly **Khalid** Rabwah

REGD. NO. L5830 | *Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz*

SEPTEMBER
------------- 1995
OCTOBER

اِک دَور لُٹا اِک عمر گئی اِک عہدِ وفا پھر ختم ہوُا

میرے آنگن سے قضا لے گئی چُن چُن کے جو پھُول ؛ جو خدا کو ہوئے پیارے مِرے پیارے ہیں وہی
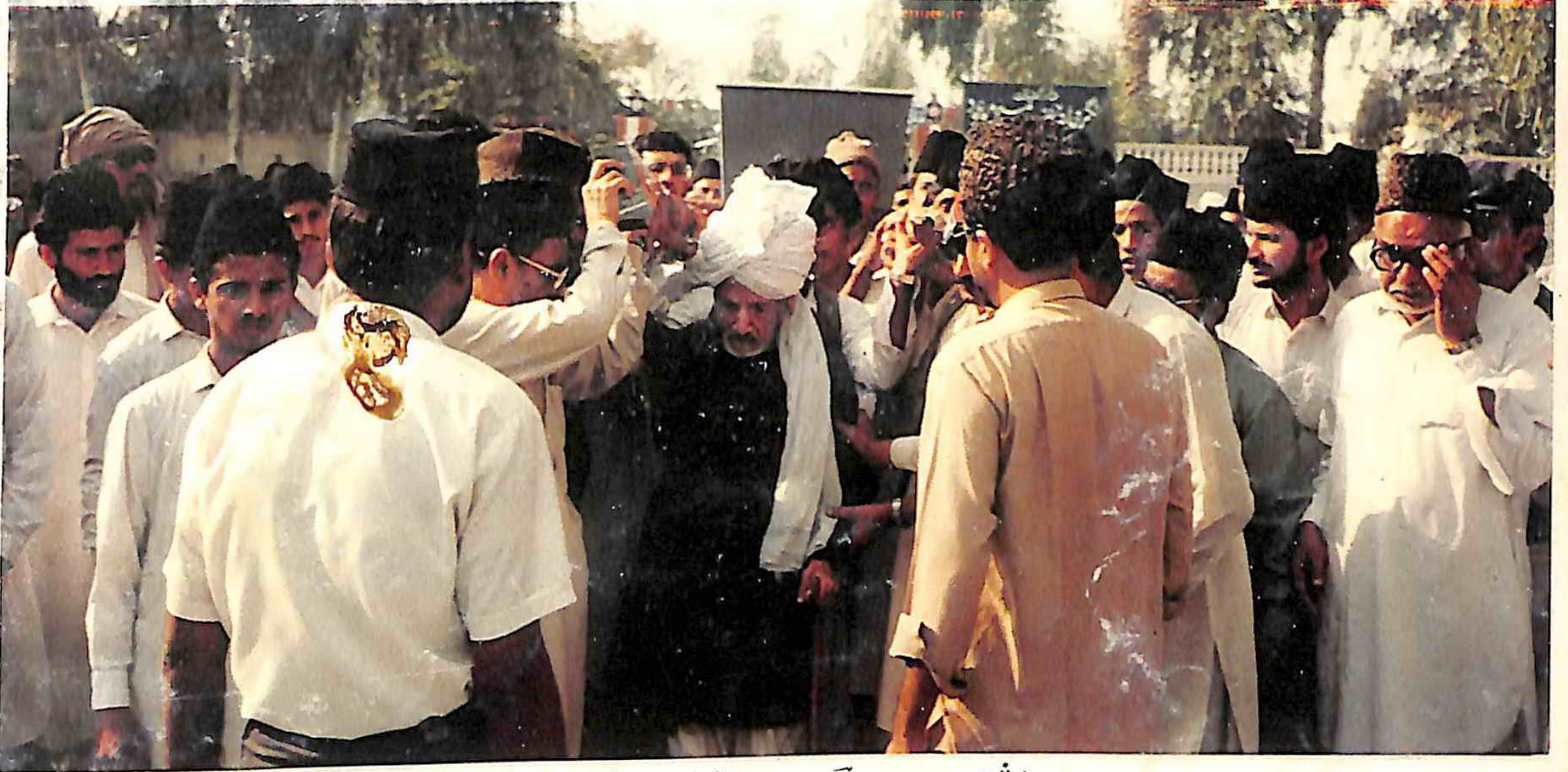
حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہرؔ اپنے دیرینہ رفیق کو الوداع کرتے ہوئے

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ

نمازِ جنازہ